رئیس الاحرار

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

اور

ہندوستان کی جنگ آزادی

مولانا حبیب الرحمان صاحب لدھیانوی کا شمار

ہمارے نامی سماجی اور سیاسی کارکنوں میں ہوتا ہے۔ اسی سلسلے میں کئی موقعوں پر میری ان سے ملاقات بھی ہوئی۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ ان کے فرزند مولانا عزیز الرحمان نے اپنے والد محترم کی سوانح عمری لکھی ہے جو اس وقت زیر طبع ہے۔ مجھے امید ہے کہ مولانا صاحب کی زندگی کے مفصل حالات عام پبلک کے لئے سبق آموز ہونگے اور اس کتاب کو مقبولیت ملے گی۔

0359

ا A ا را حیدر ... د

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی سے میں بہت برسوں سے واقف ہوں جدوجہد آزادی کے دوران ہم ایک دوسرے کے بہت قریب رہے اور اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ہماری ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

مولانا موصوف میں عقیدے میں یقین رکھتے تھے اور جس جرأت اور اپنی استقامت کے ساتھ وہ اس پر قائم رہے اسکے سبب میں ہمیشہ ان کا مداح رہا اور ان کا احترام کرتا رہا ۔ آزادی سے قبل اور اس کے بعد بھی انہوں نے بہت سی تکالیف اٹھائیں تھیں کہ آزادی کے فوراً بعد ہی کیا آیا اور شمالی ہند میں جو المیہ رونما ہوا۔ اور جس کی لپیٹ میں وہ شدید طور پر آئے مگر اس سے انہیں تلخی نہیں آئی اور انہوں نے ہمت نہ ہاری ۔ وہ اپنے شہر لدھیانہ میں ہندو مسلمان اور سکھ سب کے ہی محترم رہے ان کے انتقال کو مجھے گہرا صدمہ ہوا ۔ وہ ایک جانباز سپاہی کی حیثیت سے ہماری آزادی کی تحریک میں یاد کئے جانے کے قابل ہیں۔

جواہر لال نہرو

I knew Maulana Habibur Rahman Ludhianvi for many years. We came into frequent contact with each other during our struggle for Independence. After that also we met from time to time.

I admired him and respected him for his courage and his steadfast adherence to what he believed in. He suffered greatly before Independence and also after, but he never faltered. Even the tragedy that occurred immediately after Independence in Pakistan and North India did not embitter him, although it affected him powerfully. In his own City of Ludhiana, he was respected by both Hindus and Muslims as well as Sikhs. His death came to me as a great sorrow. As a great soldier in our struggle for freedom, he deserves to be remembered.

Jawaharlal Nehru

New Delhi,
January 24, 1961

No. 146-PMH/61

PRIME MINISTER'S HOUSE
NEW DELHI

January 24, 1961

Dear Azizur Rahman,

I have your letter of the 23rd January. I am glad to learn that you are publishing the life of your father. I am sorry I cannot write much for your book as I am very heavily occupied, but I enclose a few lines as requested by you.

Yours sincerely,

Shri Azizur Rahman,
Talimi Samaji Markaz,
Baradar [illegible],
Ballimaran,
DELHI.

انتساب

دو مقدس روحوں

کے نام

ماں ——— اور ——— باپ

جن کا غم میری روح اور میری ہڈیوں میں اتر چکا ہے

——— عزیز الرحمٰن جامعی لدھیانوی

ماں

جنھوں نے جنگ آزادی میں بے شمار مصائب اٹھائے لیکن کبھی حرف شکایت زبان پر نہ آیا جو تنگ دستی میں خوش رہیں اور جنھوں نے زندگی کے ہر موڑ پر جاہ و ثروت کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔

اور جو

ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کے صلے میں
اپنی حکومت کے ہاتھوں گھر سے بے گھر ہو کر
۱۹۴۸ء میں شاہجہانی مسجد کے سائے میں
ہمیشہ کے لئے سو گئیں۔

آٹھ سال بعد

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی رفیقہ حیات کے پاس ہمیشہ کیلئے
آرام فرما ہو گئے

ترتیب اول

ترتیب دوم

صفحات کتاب	۳۷۲
صفحات مقدمہ	۴۰
عکسی خطوط	۱۲
تصاویر	۲
	۴۲۶

کتاب رئیس الاحرار اعلیٰ پریس گلی سروا گران بلی ماران میں طبع ہوئی اور ٹائیٹل تصاویر عکسی خطوط بمبئی آرٹ پریس گلی قاسم جان سے طبع ہوئے جسے عزیز الرحمٰن صاحب جامعی نے تعلیمی سماجی مرکز بلیماران سے شائع کیا

یہ داستان

تحریک خلافت کے انقلابی دور میں میرا سیاسی شعور بیدار ہوا۔ میرے والد میری آنکھوں کے سامنے گرفتار ہوئے اور طویل عرصہ تک قید و بند کی زندگی گذارتے رہے۔

میرا خاندان ۱۸۵۷ء ہی سے انقلابی خاندان تھا اور پشت ہا پشت سے خاندان کے افراد کا کام انگریز کے خلاف جدوجہد کرنا اور ہندوستان کے عوام کو انگریزی حکومت کیخلاف بغاوت کرنے کی تعلیم دینا تاکہ ہندوستان کو انگریز کی غلامی سے آزاد کرایا جائے۔

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ اور خاندان کے دوسرے افراد یہاں تک کہ بچے اور عورتیں بھی کانگریس کے ساتھ رہکر ملک کی آزادی کے لئے میدان عمل میں کام کرتی رہیں۔ خاندان کی قربانیوں کی ایک طویل داستان تھی جو ابھی تک ضبط تحریر میں نہ آسکی۔

مجھے ایک مدت سے خیال تھا کہ اگر توفیق الٰہی شامل حال ہوئی تو اپنے خاندان کی جدوجہد آزادی کو کتابی شکل میں تحریر کرنے کی کوشش کروں گا۔ کام بڑا اہم تھا اور مشکل بھی وقت کے تشدد آمیز حالات کی وجہ سے میرا ارادہ ملتوی ہوتا رہا۔

۲ ستمبر ۱۹۵۲ء کو والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد کتاب لکھنے کے ارادے میں ایک بار پھر مضبوطی آئی۔ لیکن اچانک بیمار ہوا اور سخت بیمار اور بیماری کا سلسلہ ایک سال تک جاری رہا۔ بیماری میں افاقہ ہوا تو کمزوری اتنی زیادہ تھی کہ کسی کام کے کرنے پر طبیعت نہ لگی۔

بیماری کے طویل عرصے میں قبلہ والد صاحب کے مخلص دوست خاندان حبیب کے محسن اور میرے محترم قبلہ حکیم عبد الحمید صاحب متولی ہمدرد دواخانہ وقف دہلی نے بزرگانہ

شفقت و محبت سے میرا علاج کیا اور ابتک بھی قبلہ حکیم صاحب کی شفقتوں میں کوئی فرق
نہیں آیا - قبلہ والد صاحب سے محترم حکیم صاحب کو جو مخلصانہ تعلق اور لگاؤ تھا وہ اسی طرح
آج بھی قائم ہے - میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں قبلہ حکیم صاحب کا شکریہ ادا کروں وہ اپنی عالی
ظرفی میں اپنی مثال آپ ہی ہیں -

محترم حکیم صاحب کے علاوہ ڈاکٹر ایس این - کول چیف میڈیکل آفیسر گنگا رام ہسپتال
جناب ڈاکٹر سنجر داس مہرہ - جناب ڈاکٹر ایم این رازداں - محترم حکیم مہرچند امرت سری -
جناب ودیا ساگر صاحب چیف میڈیکل آفیسر منٹل ہسپتال امرتسر اور عزیز دوست جناب
سہگل صاحب انچارج فیزیکل لیزنشن گنگا رام ہسپتال بھی کئی ماہ تک شب و روز پوری توجہ او
محنت و محبت سے میرا علاج کرتے رہے ہیں - میں ان تمام بزرگوں اور دوستوں کا تہہ دل
شکرگزار ہوں -

مشکلات

آخر اللہ کا فضل شامل حال ہوا کہ میری صحت واپس لوٹ آئی اور میں اس
سلسلے میں مجھے کہ میں کتاب لکھنے کا ارادہ کروں - ایک روز اپنے بچوں کو خاندانی باتیں ر
اہتمام محترم بھائی ارادہ کا بھی اظہار کیا کہ میں اب انشاء اللہ کتاب لکھنا شروع کروں گا - ام
خانہ نے فرمایا - فاروقی کلثوم خانم اور میری ہمشیرہ خاتون جنت نے کہا کہ ایک مدت ہو گئی
اس طرح اللہ تعالے لکھی جائے گی لیکن بات آجتک گفت و شنید سے آگے بڑھ نہ سکی
ب ہوگیا -
جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ کتاب کا مسودہ لکھنے میں اگر کوئی
یعنی اللہ باللہ
آج ہی سے چل میرے خامہ بسم اللہ کہکر کتاب لکھنا شروع کردو
حسین صاحب صدیقی نے کہا کہ آپ آج ہی سے کتاب لکھوا
کوچہ رحمان چاندنی چوک
دہلی ع ۶
اس معصوم مجلس کا یہ فیصلہ بہت ہی مبارک ثابت ہوا - اور
کہ جہ نیچے سے کتاب لکھنے کا آغاز کردیا - میں لکھواتا جاتا اور
کتاب میں سیاسی مباحث اور تاریخی واقعات لکھے

حکیم الاسلام قبلہ قاری محمد طیّب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بھی میری درخواست پر کتاب کے مسودہ کو دوبارہ دیکھا۔ حبیب اور خاندان حبیب کا تعارف تحریر کرنے میں قاری صاحب نے دلی اور مخلصانہ توجہ سے مجھے نوازا ہے۔

کتابت کا مرحلہ سامنے آیا تو مجھے بعض مجبوریوں کی بناء پر تین کاتبوں سے کتابت کرانی پڑی۔ اس لئے کتابت میں جو یکسانیت ہونی چاہئے وہ نہ ہو سکی اس کے لئے میں قارئین کرام سے معذرت خواہ ہوں۔ کتابت کی تصحیح کے سلسلہ میں محترم بھائی مولانا رونق علی صاحب کا بیحد مشکور ہوں کہ انہوں نے میری درخواست پر کتابت شدہ کاپیوں پر پوری توجہ سے تصحیح فرمائی۔ اس طرح کتابت کی غلطیوں سے کتاب بڑی حد تک محفوظ ہو گئی۔ اس کے باوجود اگر کوئی غلطی نظر آئے تو اتنی بڑی کتاب میں چند غلطیوں کا رہ جانا تعجب کی بات نہیں۔

کتاب کی اشاعت کے اخراجات دوستوں سے قرض لیکر پورے کئے۔ مالی مشکلات کے باوجود خود ہی اس کتاب کو شائع کرنے کا ارادہ کیا۔ کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں مجھے قدم قدم پر مشکلات پیش آئیں۔ کاغذ کے انتظامات اور بلاک بنوانے کا اہتمام محترم بھائی منظور احمد صاحب فاروقی انچارج شعبہ نشر و اشاعت ہمدرد دواخانہ نے فرمایا۔ فاروقی صاحب کی بر وقت اور موثر امداد کا میں ہمیشہ مشکور و ممنون رہوں گا۔ اس طرح اللہ تعالےٰ کی توفیق شامل حال ہوئی کہ میں کتاب شائع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

وما توفیقی الا باللہ

عزیز الرحمٰن جامعی لدھیانوی
۲۶ر جنوری

کوچہ رحمان چاندنی چوک
دہلی ع۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظہیر الدین صدیقی ایم اے، ایل ایل، بی (علیگ)

کتاب رئیس الاحرار، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے مسودہ کو نہایت غور وفکر اور دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔ مولانا مرحوم کی زندگی ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم کردار رہی ہے اور ابتدائے تحریک آزادی سے لیکر حصول آزادی تک ملک میں جو بھی سیاسی اور فکری نشیب و فراز درپیش آئے۔ ان میں مولانا مرحوم کا رول ہمیشہ انفرادی عظمت، ایمان کی حرارت، حب الوطنی، فکر کی پختگی، ذہن کی صفائی اور جوش عمل کے مضبوط عزائم سے لبریز رہا۔ وہ چالیس سال تک بھرپور سیاسی بصیرت اور عظیم منفرد شعور کے ساتھ۔ وطن عزیز کی جدوجہد آزادی اور اس کے عروج و ترقی کی تحریک میں جانباز سرفروش اور بے غرض حوصلہ مند کی حیثیت سے ممتاز قومی رہنماؤں کی صف میں شریک رہے یہی وجہ ہے کہ رئیس الاحرار کی حیات افروز داستان۔ ہندوستان کی جنگ آزادی کی ایسی تاریخ بن گئی ہے جس کے مطالعہ سے نہ صرف غور وفکر کی نئی راہیں کھلتی ہیں بلکہ ان میں ان مسلم رہنماؤں کی جدوجہد کے وہ خطوط بھی ملتے ہیں جن کی بنیاد پر مسلم قوم کے روشن مستقبل کو تعمیر کرنے کے لئے مستقل سو سال تک سرفروشانہ جدوجہد کی گئی۔ اس اعتبار سے یہ کتاب سیاسی حقائق کی ایک اہم تاریخی دستاویز ہے جسے آج سے بہت پہلے شائع ہو جانا چاہئے تھا لیکن اب بھی اس کی اشاعت تاریخی ضرورت کو پورا

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انہیں کی خاک میں پوشیدہ ہے یہ چنگاری

مسٹر ظہیر الدین صدیقی
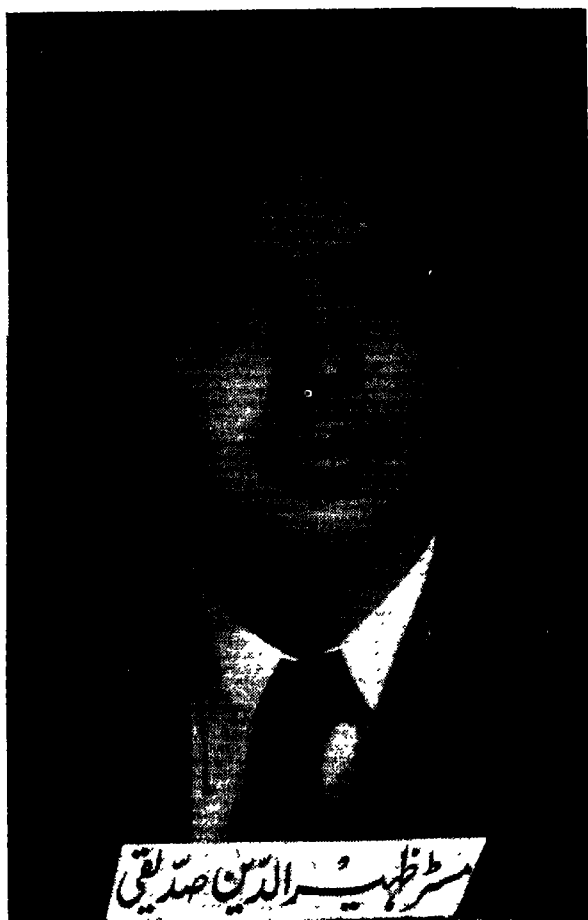
کرتی ہے اور ہندوستان کے سیاسی ~~بصیرت~~ میں نمایاں ~~رسانے~~ اور غیر جانبدارانہ غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے پردادا حضرت مولانا شاہ عبدالقادر سید احمد شہیدؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی وغیرہم کے ممتاز معاصرین میں تھے جنھوں نے پنجاب میں قومی اور انقلابی افواج کی رہنمائی کی اور دلی پہونچ کر انگریزی افواج سے فتحپوری مسجد سے لیکر لال قلعہ کی دیواروں تک دست بدست لڑے۔ بیشک انھیں اس مہم میں ناکامی ہوئی لیکن وہ اپنے خاندان میں ایسی روح آزادی چھوڑ گئے جسے انگریزی دور کا بہیمانہ تشدد بھی ختم نہ کرسکا۔

۱۸۵۷ء کی پہلی ناکام جنگِ آزادی کے بعد ۱۸۸۵ء میں علماً لدھیانہ پھر نئے حوصلوں اور جرأت کے ساتھ میدان سیاست میں داخل ہوئے اور کانگریس کے قیام کے ساتھ ہی انہوں نے کانگریس کے حق میں فتویٰ دیکر ہندوستان کی آزادی کے لئے پہلے سیاسی مکتب خیال کی ابتدا کرنے میں نمایاں حصہ لیا اور اس طرح سیاسی تدبر اور فکر کی دوررسی کی شاندار مثال قائم کی۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے خاندان کی اس فکری اور انقلابی روایت کو نہ صرف اپنایا بلکہ اسے آگے بھی بڑھایا۔ وہ ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں پورے چالیس سال تک شریک رہے۔ اور ہمیشہ ایک سیاسی مفکر کی حیثیت سے منفرد رہے اور ایک سچے مجاہد کی طرح مصائب و آلام جھیلتے رہے۔ سامراجی تشدد کا نشانہ بنتے رہے، جیل جاتے رہے۔ اپنوں اور غیروں کی ستم رانیوں کا شکار ہوئے آخر کار گھر سے بے گھر ہوئے اور اعلان آزادی کے ساتھ ہی انھیں لدھیانہ چھوڑ کر دلی قیام کرنا پڑا لیکن اس پر بھی وہ دل برداشتہ نہ ہوئے بلکہ اسی بلند ہمتی اور استقلال کے ساتھ ہندوستان کی جمہوری اور سیکولر ریاست میں مسلمانوں کے باوقار وجود کے لئے کام کرتے رہے۔

رئیس الاحرار کا دور عظیم ملی رہنماؤں کا دور ہے۔ امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، مفتیٔ اعظم حضرت علامہ کفایت اللہ صاحب، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، نقیب انقلاب سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی۔ ان میں سے ہر ایک انفرادی عظمت کا حامل ہے۔ ان حریت پسندوں نے بے دریغ قربانیاں کرکے شدید مخالف ہواؤں میں بھی شمع آزادی کو روشن کئے رکھا۔ ہمہ رنگی میں بنیادی وحدت کے لحاظ سے رئیس الاحرار کا شمار بلاشبہ مذکورہ بالا حضرات کے ممتاز رفیقوں میں ہوتا ہے۔

میں اپنے طالب علمی کے دور سے ہی مولانا کی سیاسی بصیرت اور ان کی فکری عظمت سے متاثر رہا۔ آزادی سے قبل جب وہ ایک مرتبہ دیوبند تشریف لائے تو مجھے ان سے شرف تعارف کا شرف حاصل ہوا۔ یہ وقت وہ تھا جب ہمارے ملک کا سیاسی ماحول کشیدگی ہیجان اور امید و بیم کے نقطۂ عروج (climax) پر تھا۔ اور فرقہ پرست رہنماؤں نے ملک کو تشدد اور نفرت کے آتش فشاں کے دہانہ پر لاکر کھڑا کر دیا تھا۔ مجھے اب بھی یاد ہے کہ مولانا نے تقسیم ملک کے اعلان کو ٹائم بم (Time Bomb) سے تشبیہ دیکر مسلمانوں کو اس کے ہولناک نتائج سے آگاہ کیا تھا۔ اس مختصر سی صحبت کا نقش آج بھی میری بزم فکر کو روشن کئے ہوئے ہے۔ جب مولانا دہلی میں قیام پذیر ہوئے تو احقر کو بارہا ان کے در دولت پر حاضر ہونے اور فکر و نظر کے گوشوں کو منور کرنے کے مواقع ملے۔

یونیورسٹی کے دوران قیام میرا اصرار کئی بار ان کو علی گڑھ کھینچ کر لایا اور ہر بار طلباء نے ان کی تقاریر میں ایک نئی روشنی کا احساس کیا۔ طلباء علیگڑھ سے وہ بڑی شفقت اور محبت کرتے تھے۔ طلباء بھی ہجوم در ہجوم ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گھنٹوں ان کے ارشادات سے محظوظ و مستفیض ہوتے۔ مولانا علی گڑھ میں ذاکر صاحب کے وجود کو زبردست اہمیت دیتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میں دعا کرتا رہتا ہوں کہ ذاکر صاحب

کی رہنمائی میں علیگڑھ نئے ہندوستان کی تعمیر میں نمایاں کردار ادا کرے اور ایک بار پھر یہاں زندگی کے نئے اور صحت مند روابط کی بنیاد پڑے۔

محب محترم مولوی عزیز الرحمٰن جامعی اپنے والد صاحب کی یادداشتوں اور خطوط کو ایک عرصہ سے محفوظ کرتے رہے ہیں۔ یہی یادداشتیں اور دستاویزیں ہیں جو مولانا مرحوم کے سیاسی اندازِ فکر کو اجاگر کرتی ہیں۔ اور ان کے سیاسی مرتبہ کو متعین کرتی ہیں اور تحریک آزادی کا فکری پس منظر پیش کرتی ہیں۔ تاریخی نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کتاب میں صد سالہ بکھرے ہوئے حالات کو جس مستند اور مفصل انداز میں پیش کیا گیا ہے اس لحاظ سے رئیس الاحرار کا درجہ مولانا آزاد کی تصنیف کے بعد دوسرا ہے۔ اس میں مجموعی حیثیت سے ہماری قومی تاریخ کی ٹھوس مگر غبار زدہ حقیقتیں پیش کی گئی ہیں اور تاریخی ثبوت کے ساتھ ان کو بے نقاب کیا گیا ہے۔

سیاسی پس منظر کی تاریخی نوعیت اس خط و کتابت سے معلوم ہو جائے گی۔ جو رئیس الاحرار اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان مختلف مواقع پر ہوئی ان خطوط کے علاوہ مہاتما گاندھی اور ڈاکٹر راجندر پرشاد کے مراسلات نیز دیگر رہنماؤں کے خطوط بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں جو ابھی تک غیر مطبوعہ تھے۔ ان کی شمولیت سے اس کتاب نے ہندوستان کے سیاسی منظر و پس منظر میں سنگ میل کی حیثیت اختیار کر لی ہے

حقیقت یہ ہے کہ وطن عزیز کی آزادی کے لئے جو عظیم اور سرفروشانہ کارنامے مسلمانوں نے انجام دیئے ہیں۔ ان کی فراہمی اور شیرازہ بندی قوم میں ایثار و قربانی کے جذبات کو زندہ رکھنے اور ابھارنے کے لئے اشد ضروری ہے۔ اسی لئے موضوع اور مواد کے اعتبار سے یہ کتاب ایک ضخیم اور طویل سلسلے کی پہلی اور جاندار کڑی ہے جو Authentic بھی ہے اور Inspiring بھی۔

مولوی عزیز الرحمن جامعی نے اپنے والد محترم کی زندگی کے بارے میں واقعات کو حسن تفصیل کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ وہ انھیں کا حق تھا کیونکہ وہ ملکی سیاست میں ۱۹۳۵ء سے اپنے والد کے رفیق سفر رہے ہیں۔ اور تحریک آزادی میں بذات خود بھی پرجوش حصہ لیا ہے اُن کا شمار پنجاب کے چوٹی کے سرگرم قوم پرور مسلم نوجوانوں میں رہا ہے۔ بطور اخبار نویس کے بھی آپ نے تحریک آزادی میں نمایاں حصہ لیا ہے اور آج بھی ملک کی ترقی اور قوم کے سیاسی، سماجی اور تعلیمی میدان میں سرگرم حصہ لے رہے ہیں۔

کتاب کی زبان ادبی بھی ہے اور عوامی بھی فاضل مصنف نے سیاسی تاریخ کو بڑے دلچسپ اور موثر پیرایہ میں بیان کیا ہے اور ہر مقام پر ادبی حسن کو قائم رکھا ہے۔

سیاسی اصطلاحات میں ادبی رچاؤ ہے اور اختلافی مسائل میں ادب و احترام کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ نیز تاریخی واقعات کی ترتیب میں فن تاریخ اور غیر جانبدارانہ جذبہ سے کام لیکر عزیز صاحب نے سیاسی لٹریچر میں ایک پاکیزہ روایت کو قائم کیا ہے جس کے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ خدا ان کو ہمت عطا کرے کہ وہ اسی محنت اور شغف کے ساتھ اپنے علمی و تاریخی جستجو کے ذوق کو جاری رکھیں۔ (آمین)

ظہیر الدین صدیقی
ایم اے ایل ایل بی علیگ
۲۶ جنوری ۶۱ء

بانی ملڈ نگ ہوٹل حسام الدین حیدر
بلیماران دہلی ۶

حبیب اور خاندانِ حبیب

از

حکیم الاسلام قاری محمد طیّب صاحب

مہتمم دار العلوم دیوبند

ضلع ——— سہارنپور ——— یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احقر کے سامنے اس وقت تذکرہ بزرگان خاندان مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی حال مقیم دہلی دام مجدہٗ مرتبہ عزیز محترم مولوی عزیز الرحمٰن صاحب جامعی ابن مولانا ممدوح کے اوراق کھلے ہوئے ہیں جو عزیز موصوف نے خاندانی تعارف کے طور پر بڑی محنت سے لکھے ہیں۔ اہل اللہ کے ذکر میں قدرتاً قلبی کشش اور جاذبیت ہوتی ہے کہ انہیں شروع کر کے ختم کئے بغیر طبیعت نہیں مانتی۔ بلکہ ختم کرنے ہی کی طرف نہیں آتی۔ وہی کیفیت ان اوراق کے مطالعہ کے وقت مجھ پر طاری ہے۔ ہر پچھلا ورق اگلے ورق کی دعوت دیتا جا رہا ہے۔ اور جی نہیں چاہتا کہ اس تذکرہ میں کوئی آخری ورق آئے۔ بہر حال دہلی تا دیوبند تک پنج ساعہ سفر ریل میں میرا مشغلہ صرف اس تذکرہ کا مطالعہ رہا۔ اور میں نے اوّل سے آخر تک اس تذکرہ کے تمام مسودہ کو غور سے پڑھا۔

حالانکہ اہل اللہ کے واقعات و احوال پڑھ کر تبصرہ کے جذبات نہیں ابھرتے بلکہ تذکرہ کے دواعی پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایسی داستانیں جو حقیقتاً زندگی اور اجتماعی زندگی کی داستانیں ہوتی ہیں کسی تقریظ کی غرض سے نہیں دیکھی جاتیں کہ رسمی طور پر ان پر کچھ سطریں لکھ دی جائیں بلکہ عقیدت و محبت کی نگاہ سے پڑھی جاتی ہیں کہ سیپارہ دل پر خود انہیں کو نقش کیا جائے۔

اس خاندان کے موجودہ اخلاف کرام سے تو میرے مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات عرصہ دراز سے قائم ہیں جیسا کہ میرے اکابر خاندان کے اس خاندان کے اکابر سے گہرے مراسم رہے ہیں۔ اور آج اس تصور سے لدھیانہ کی آمد و رفت علمی اجتماعات اور مخلصانہ علمی مجلسیں آنکھوں میں پھر گئیں۔ لیکن اس خاندان کے اسلاف کرام سے تفصیلی تعارف اس داستان حیات ہی کے پڑھنے سے اس سفر میں میسر ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ ولی اللّٰہی خاندان کی شاخ جہاں بھی چلی گئی، شاخ طوبیٰ ہی ثابت ہوئی۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ حضرت جدامجد قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ بانی دارالعلوم دیوبند جب پہلے حج کے لئے کراچی سے حجاز مقدس روانہ ہوئے تو بادبانی جہاز ہوا ناموافق ہونے کی وجہ سے بصرہ میں لنگر انداز ہو گیا اور کئی دن تک ٹھہرا رہا۔ مسافر بصرہ کی سیر کرنے کے لئے اتر گئے۔ حضرت قاسم العلوم بھی اترے مگر تفریح طبع کے لئے نہیں بلکہ بصرہ کے اس دور کے ایک مشہور و معروف محدث سے سند حدیث حاصل کرنے کے لئے۔ محدث ممدوح نے حضرت قاسم العلوم سے دریافت کیا کہ آپ کی سند حدیث کہاں سے ہے؟ فرمایا شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے۔ فرمایا کون شاہ عبدالغنی؟ عرض کیا کہ شاہ اسحٰق دہلوی کے تلمیذ۔ فرمایا کون شاہ اسحٰق؟ عرض کیا کہ شاہ ولی اللہ کے تلمیذ۔ تو جھوم کر فرمایا کہ ہاں ولی اللہ شجرۂ طوبیٰ ہے۔ جس طرح اہل جنت کا کوئی قصر اور محل تک خالی نہ ہوگا کہ اس میں شجرِ طوبیٰ کی شاخ پہونچی ہوئی نہ ہو۔ اسی طرح ہندوستان میں علم کا کوئی گھرانہ نہ ملے گا جس میں خاندان ولی اللّٰہی کی کوئی شاخ نہ آئی ہو۔ اور یہ فرما کر بڑی شفقت کے ساتھ حضرت قاسم العلوم کو سند عطا فرمائی۔ بہرحال اسی طرح بانی خاندان جنت نشان کی ایک علمی شاخ لدھیانہ کا علمی خاندان بھی ہے جو ولی اللّٰہی علوم اور ولی اللّٰہی جذبات کی امانت سینوں میں لئے ہوئے ہے۔

ان ساری ولی اللّٰہی شاخوں میں علم اور اخلاق کیساتھ جو چیز سب سے زیادہ ابھری ہوئی آتی ہے وہ مجاہدانہ اسپرٹ، راہ حق میں ایثار و فنائیت۔ بے باکانہ حق گوئی، ہر رسمی اقتدار سے نڈر ہو کر اعلان حق۔ اور ساتھ ہی اس راہ میں کسی بھی قربانی سے نہ گھبرانا ہے۔ یہ خصوصی وصف لدھیانوی خاندان میں بہت ہی نمایاں اور خصوصی طور پر نظر آتا ہے۔ اور نہ صرف اسلاف خاندان ہی تک محدود ہے بلکہ آج کے اخلاف میں بھی اس کی وہی جھلک قائم ہے اور بلاشبہ یہ ایک فضل خداوندی ہے کہ کسی خاندان کی اعلیٰ روایات اور مستحسن خصوصیات

پشتوں تک خاندان کا ساتھ نہ چھوڑیں اور اخلاف اپنے اسلاف کے سانچوں میں ڈھلتے رہیں۔

یہ خاندان باطل کے مقابلہ میں ہمیشہ سینہ سپر رہا۔ باطل اور طاغوت کے سامنے کہیں سر نہ جھکایا۔ اور اس پر خار راہ کی ہر مشکل کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا۔ اور برضاء و تسلیم مصائب کا سامنا کیا۔ فتنہ خواہ حکومت و سیاست کی لائن سے آیا یا مذہب و دیانت کے حلقوں سے مادیت کے راستوں سے نمودار ہوا یا روحانیت کے ناموں سے انہوں نے ہر دور میں اُسے پہچانا اور جلد پہچانا۔ اس کی سرکوبی کی اور مسلمانوں کو اس سے آگاہ کر کے اس سے محفوظ رکھا۔ برطانوی حکومت کی لائن سے جب قدر فتنے اٹھے اور جس رنگ میں بھی اٹھے ان کے خلاف اس خاندان کے اسلاف بھی اُٹھے اور پھر اخلاف نے بھی وہی کچھ کیا جو اسلاف نے کر دکھایا تھا۔ اور ساتھ ہی غربت و تشدد کے تمام وہ مصائب بھی جھیلے جو اس راہ کے خواص آثار میں سے ہیں۔ مگر کلمہ حق کی تبلیغ و ترویج نہ چھوڑی اور نہ ہی اس میں کسی لپٹے اور بیگانے کی ذرہ برابر رعایت کی بلکہ بلاخوف لومۃ لائم اعلان حق کیا۔ خواہ اس کی پاداش میں اپنا کچھ بھی کھو دینا پڑا ہو سکتا ہے کہ عملی جزئیات میں ان سے کسی کو اختلاف ہو مگر دنیا کا کوئی بھی حق پرست انسان ان جذبات حقہ کی قدر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

"اول بآخر نسبتے دارد" کے اصول پر جس طرح اس خاندان کے اسلاف پر اعلائے حق کی بدولت وہ وقت بھی آیا کہ انہیں وطن مالوف اور گھر بار چھوڑ کر غربت کی زندگی اختیار کرنی پڑی اور ان کی غیبت میں دشمنان حق نے ان کے گھروں ہی کو نہیں ان کی عبادت گاہوں تک کو جلا ڈالا۔ اسی نہج سے اخلاف خاندان کو بھی آج راہ محبت کی یہ تمام تلخیاں سہنی پڑ رہی ہیں وطن مالوف چھوٹا۔ گھر بار ہاتھ سے نکلا۔ خاندان کے کتنے ہی مردوں عورتوں نے حیات عزت کے ساتھ موت عزت اختیار کی۔ مدارس ہاتھ سے گئے۔ معابد اور مساجد قبضے سے نکل گئیں جن میں برسوں سے قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں اٹھتی رہیں۔ اور نہ معلوم کہ وہ باقی ہیں یا یکسر دوسرے نقشوں میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ مگر ان سارے نقشوں کی گرم بازاری میں

یہ امانت داری کس درجہ پر عظمت ہے۔ کہ جس طرح ان انتہائی مصائب میں اسلاف کے پیروں کو ذرہ برابر جنبش نہیں ہوئی تھی۔ اور انھوں نے نہ صرف صبر و جبر بلکہ رضا و تسلیم کے جذبات دکھلائے تھے۔ اسی طرح آجکل دردناک مصیبتوں اور ہولناک پریشانیوں میں اخلاف کے پائے استقلال کو بھی ادنی جنبش نہیں ہوئی اور نہ ہی اُن کے چہروں پر کسی ادنی سی بدحواسی یا ادا سی کی کوئی لکیر دکھلائی دیتی ہے۔

بہرحال نوعی حیثیت سے اس علمی خاندان میں جو چیز قدر مشترک کے طور پر اسلاف داخلاف میں نمایاں نظر آتی ہے اور ساتھ ہی اس کے آثار بھی مشترک ہیں۔ وہ راہ حق میں بیخوفی و بیباکی۔ اعلاء کلمۃ اللہ اظہار حق اور دینی زندگی میں تحمل شدائد و مصائب مگر بصد تسلیم و رضا ہے حکومتی فتنہ ہی نہیں بلکہ ہر وہ فتنہ جو مذہب۔ قوم، فرقہ، تمدن اور معاشرہ و سیاست کی راہ سے نمودار ہوا۔ ان حضرات کی نگاہ دور بین نے ہر رنگ میں اس کے انداز قدو قامت کو پہچانا اور مخلوق کو اس سے خبردار کیا۔ فتنہ مرزائیت کو اولاً اسی خاندان نے بھانپا اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دجل و فساد سے علمی طور پر ملک کو آگاہ کیا۔ جس سے لاکھوں انسان گمراہی کے اس جال سے بچ گئے حتی کہ اس سلسلہ کی عملی تکمیل بھی بالآخر اسی خاندان کے ہاتھوں ہوئی مجلس احرار سے امیر الاحرار مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کی امارت و قیادت میں اس فتنہ کا عملی طور پر مقابلہ کیا اور اس سے زبردست ٹکرلی جو ظاہر میں قادیانیت سے ٹکر تھی۔ مگر بلحاظ حقیقت یہ ٹکر برطانیہ کی طاقتور حکومت سے تھی۔ اس لئے ان حضرات کو قید و بند کی ساری ہی تشدد آمیز مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن بالآخر سیاسی پہلوؤں سے اس جماعت باطل کے بڑھتے ہوئے اثرات کو رد کر دینے بلکہ محدود کر دینے میں امیر الاحرار اور اُن کے رفقاء کار کامیاب ہوئے۔ جو ایک تاریخی کارنامہ ہے اور زندۂ جاوید رہکر جریدۂ عالم پر سنہرے حرفوں سے بطور یادگار ثبت رہے گا۔ فتنہ نیچریت و آزادی۔ فتنہ بدعات و محدثات۔ فتنہ بے قیدی و اطلاق فتنہ تمدن و تعیش نے ان بزرگوں کے دور میں مختلف روپوں سے ابھرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے اعلیٰ ترین استقامت سے اس نوع باطل پرور کا مقابلہ کیا اور اُسے شکستوں پر شکستیں دیں۔

اس لئے اس خاندان کا اثر و رسوخ ہمہ گیر رہا۔ پنجاب میں خصوصاً اور بیرون پنجاب میں عموماً اس علمی گھرانے کو عزت و وقعت اور مقبولیت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اور ان کے کلمات موعظت و ہدایت کو دل کے کانوں سے سنا گیا۔ یہ اثر پبلک سے گذر کر درباروں تک بھی پہنچا۔ اور سلاطین وقت نے بھی ان بزرگوں کے سامنے سر عقیدت خم کیا!

بہرحال مجموعی حیثیت سے یہ خاندان پنجاب کا ایک ممتاز علمی خاندان اور علم و فضل نیز جوہر عمل کے لحاظ سے ایک مانا ہوا قبیلہ رہا ہے جس نے ہمیشہ مسلمانوں کی علمی اور دینی خدمت انجام دی ہے۔ آج کا دور دین و تقویٰ کا دور نہیں اور نہ ہی دین کے لئے آج کے ناساز گار احوال مساعدہ کرتے ہیں۔ دین پر قائم رہنے والا عزیب اور بے اا در کا تقابض علی الجمر راہ تھو میں چنگاری پکڑنے والا کا مصداق ہے جس کا مادی ماحول میں کوئی وقار نہیں۔ غیرت خداوندی نے نہ چاہا کہ دین و دیانت کے ایسے پاک نمونے ایسے ناپاک ماحول میں رکھے جائیں اس لئے انھیں اٹھا لیا گیا اور عالم بالا کو ان سے زینت دی گئی۔ اس لئے جہاں اس دور کی بدبختی ہے کہ یہ نمونے اس میں نہ رہے۔ وہیں ان حضرات کی ارجمندی اور سربلندی کی نشانی تھی کہ دنیا کی اس عام زبوں حالی سے پہلے ہی انہیں اٹھا لیا گیا؛ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ لیکن پھر بھی انتہائی خوشی کا مقام ہے کہ اخلاف نے اسلاف کا نقش قدم نہیں چھوڑا۔ اور ان کے پاک جذبات کی امانت محفوظ ہے جس میں کوئی خیانت نہیں ہوئی۔

خصوصیات زمانہ نے گو نقشے بہت کچھ بدلے ہیں۔ مگر شباہت نہیں مٹی۔ آب و ہوا نے مزاجوں میں تبدیلیاں بہت کچھ پیدا کر دیں مگر افتاد طبیعت نہیں بدلی۔ باد سموم نے نونہالوں کو مرجھا ضرور دیا ہے۔ مگر پھلوں کا ذائقہ پھر بھی وہی ہے۔ بہرحال عوارض و خصوصیات وقت نے تبدیلیاں ضرور کی ہیں مگر بنیاد اساس پر تعمیر وہی کھڑی ہوئی ہے جو پہلے سروں پر سایہ کئے ہوئے تھی۔

انقلابات زمانہ سے یہ خاندان بھی ملک کی طرح دو حصوں میں تقسیم ہو گیا؛ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کا گھرانہ ہندوستان میں آباد رہا۔ اور ان کے دوسرے بھائی اور مولانا مفتی نعیم صاحب کا خاندان پاکستان میں بس گیا۔ لیکن خدمات و جذبات کے سلسلہ میں افراد خاندان کی پوزیشن اور اس کے

آثار دستور نمایاں ہیں، بالخصوص مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی میں جس سیاسی بصیرت کا ثبوت دیتے رہے ہیں۔ اون کی وفات کے بعد بھی اُن کے مبصرانہ کلمات انہی کا سا کام کر رہے ہیں ملک کے انقلابی احوال و مسائل کے سلسلہ میں مرحوم نے جن جن رایوں کا اظہار کیا تھا آج ملک ہی نہیں حکومت کے حلقوں سے بھی ان کی تائید ی صدائے بازگشت سنائی دیرہی ہے۔ جوان کی دور بینی اور سیاسی بصیرت کا کہلا ثبوت ہے۔ جیسا کہ اس کتاب میں اس کے بعض شواہد و نظائر پیش کر دیئے گئے ہیں۔

بہر حال یہ زیر نظر تاریخی جائزہ اس خاندان کی اگلی پچھلی اور ماضی و مستقبل کی خدمات سیاسی جوش اور مذہبی ہوش کا آئینہ دار ہے جو اس خاندان کے ایک چشم و چراغ مولوی عزیز الرحمٰن جامی ابن مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی فاضل دیوبند مرحوم نے کافی عرق ریزی اور کاوش کے ساتھ فراہم کیا ہے ان قیمتی حالات و خدمات کی محض اس لئے ضرورت نہ تھی کہ وہ ایک خاندان کی تاریخی حقیقیں ہیں جن کا غذوں میں تحفظ ہو جائے بلکہ اس لئے ضرورت تھی کہ ان میں نمونۂ عمل اور حل مشکلات کا اسوہ موجود ہے جس کا تحفظ قومی نقطۂ نظر سے ضروری تھا۔ اور جو آنے والی نسلوں کے لئے قابل تقلید مثال بن سکتا ہے۔ اور مستقبل میں اس سے لائحہ عمل کا کام لیا جا سکتا ہے۔

بزرگوں کا نقش قدم ہی درحقیقت بزرگوں کا قائم مقام ہوتا ہے اور وہ انہی کی طرح اگلوں کے لئے مربی اور فانوس رہنا ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے بزرگوں کی تاریخیں مدون کی جاتی ہیں اور اسی درس عبرت کے لئے قرآن حکیم نے تاریخ اور قصص اسلاف کا باب قائم کیا ہے لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب۔

مولوی عزیز الرحمٰن صاحب اس سعی جمیل پر مستحق مبارکباد ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اس خدمت کو قبول فرمائے اور اولوالالباب کو اس سے درس عبرت لینے کی توفیق دے۔ آمین

محمد طیب غفرلہٗ

مدیر دارالعلوم دیوبند ۷ر جمادی الثانی ۱۳۸۰ھ

میرے بزرگ

از:- رنبیر ایڈیٹر ملاپ دہلی

جہانِ فانی سے جانا سب کو ہے لیکن جب کوئی ایسا آدمی جاتا ہے جو ملک کے لئے اور عوام کے لئے مفید کام کرتا رہا تو دکھ ہوتا ہے۔ ہر جانے والے کے لئے کچھ نہ کچھ لوگ روتے ہیں۔ لیکن جب ملک کا خادم جاتا ہے تو لاکھوں آنکھیں پُرنم ہو جاتی ہیں۔ ہزاروں دل چلّا اٹھتے ہیں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ایسے ہی تھے ۳ ستمبر کی صبح کو ان کا دیہانت ہوا تو وہ ۶۴ برس کے تھے لیکن ان ۶۴ میں سے ۴۴ برس وہ لگاتار ملک کی آزادی کے لئے لڑتے رہے ۱۹۱۲ء کے اندر کانگرس میں شامل ہوئے تب سے آخری دم تک اس آدرش کی خاطر جدوجہد کرتے رہے جسے انہوں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہوئے اپنے سامنے رکھا تھا۔ وطن آزاد ہونا چاہئیے، مذہبی فرقہ پرستی کا انت ہونا چاہئیے اسی کے لئے وہ جیون بھر لڑتے رہے۔ جدوجہد کرتے رہے۔ ان کے بزرگ بھی سن ستاون کی جنگ آزادی میں شہید ہوئے تھے۔ ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وہ اس طرح آگے بڑھتے گئے جیسے وطن اور اس کے عوام کی خدمت ہی سب سے بڑی عبادت ہے۔ اسلامی شرع اور مذہب کے بہت بڑے وِدوان تھے وہ اگر چاہتے تو انگریز کا ساتھ دیکر بڑی بڑی جاگیریں حاصل کر سکتے تھے لیکن ایسا کرنے کی بجائے انہوں نے حریت پسند طاقتوں کا ساتھ دیا بار بار کی نظر بندیوں اور قید کو لبیک کہا اور پاکستان بننے پر لاہور سے اس طرح دہلی آگئے جیسے سرزمین پاکستان میں انکے لیے کوئی جگہ نہ ہو۔ اس نیک جیون کی برکت تھی کہ پچھلے اتوار کی صبح کو وہ سیر کر کے واپس آئے چائے کا ایک پیالہ پیا۔ طبیعت کچھ خراب ہوئی چارپائی پر لیٹے اور پندرہ منٹ کے بعد ہمیشہ کی نیند سو گئے۔ کوئی دکھ نہیں، درد نہیں۔ ڈاکٹر نے کہا کہ ہارٹ فیل ہو گیا۔ مرے ہوئے وہ ایسے معلوم ہو رہے تھے جیسے سو رہے ہوں۔ ان کے چلے جانے سے ملک کو نقصان عظیم ہوا۔ پنجاب کو نقصان ہوا۔ مجھے ذاتی نقصان بھی ہوا۔ کیوں کہ وہ میرے لئے ایسے تھے جیسے سگے بزرگ ہوں۔ وہ ہی نہیں اس خیال سے دکھ ہوتا ہے لیکن اس خیال سے خوشی بھی کہ انہوں نے اپنا سارا جیون دیش اور قوم کی سیوا میں لگا دیا۔ جانا سب کو ہے۔ کاش! کہ ان کے جیسا جیون سب کو ملے۔ اور ان کی جیسی موت بھی سب کو ملے۔

(رنبیر)
۲۳ ستمبر ۱۹۵۶ء

قلمی چہرہ
مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی
از
شورش کاشمیری

دسمبر ۱۹۴۱ء کا ذکر ہے کہ راقم اور کچھ دوست منٹگمری سنٹرل جیل میں قید کے دن گزار رہے تھے کہ ایک اخلاقی قیدی جو ہماری خدمت پر مامور تھا، کمرے میں دوڑا آیا اور کہا لیجئے افغانستان کے ایک بڑے وزیر بھی قیدی بن کر آ گئے۔ انہیں قیدیوں کے وارڈ میں رکھا گیا ہے۔ ہم میں سے تقریباً سبھی نے اس کی بات سنی ان سنی ایک کر دی کیونکہ ایک تو اس کے متعلق ہمارا خیال یہ تھا کہ دیوانہ ہونے کے باعث رگ گل سے بلبل کے پر باندھتا ہے۔ اور دوسرے ہم اس وقت بھوک ہڑتال کی اسکیم بنانے میں اس قدر محو تھے کہ ہمارے لئے کسی وزیر کا اسیر بن جانا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا اور یوں بھی یہ بات کچھ جچتی نہیں تھی کہ افغانستان کا وزیر یہاں کیوں۔ بہرحال ایک بات تھی ہو گئی کچھ دن گزرے تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ بھئی آپ لوگوں کو مولانا حبیب الرحمٰن سلام کہتے ہیں۔

احسن عثمانی نے جلدی میں پوچھا کیا ملاقات کے لئے تشریف لائے ہیں؟ کہا نہیں وہ تو ہفتہ عشرہ سے سرکاری مہمان ہیں۔

"... سرکاری مہمان ہیں!"

"جی ہاں"

یہیں سے یہ عقدہ کھلا کہ افغانستان کے وزیر ہونے کا اشتباہ بھی آپ ہی پر کیا گیا تھا۔ مولانا کو [illegible] تھا۔ دراز قد، بارونق چہرہ، چال ڈھال میں متانت، اور حجازی عبا کے پہننے سے اخلاقی قیدیوں کو مغالطے میں ڈال دیا۔ اور کچھ انھوں نے اپنی خاص قسم کی نفسیات کے تحت بنا لیا کہ افغانستان کا وزیر قیدی بنا لیا گیا ہے۔ جن لوگوں کو جیل خانے میں کبھی اخلاقی قیدیوں سے ملی جلی زندگی بسر کرنے کا اتفاق ہوا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس طبقہ کی نفسیات کیا ہوتی ہیں۔ ان کو یہاں رائی کا پہاڑ بنا لینا اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو افسانوی رنگت دینا دلچسپ [illegible] مشغلہ سمجھا جاتا ہے۔ مولانا کے متعلق وزیر افغانستان ہونے کی تہمت نے سر پیر نکالے تو پھر طرح طرح کی باتیں بھی ساتھ ہی ٹانک دی گئیں۔

خود ہمارے متقی (قیدی خدمت گزار) نے ہم سے بیان کیا۔

صاحب کیا پوچھتے ہو، جرمنی کے ساتھ سمجھوتہ کیا تھا بھید کھل گیا اور اب دھر لئے گئے ہیں گویا اس بیچارے کے خیال میں افغانستان بھی برطانوی ہند کا ایک صوبہ تھا اور وزیر افغانستان نوی رانتا۔ جو قانون دفاع ہند کے ماتحت ماخوذ تھے۔

مولانا کو منٹگمری جیل میں آئے ہوئے پانچ چھ ہفتہ گذر گئے لیکن ہمارے اور ان کے درمیان سنگ وخشت کی دیواروں کے علاوہ قانونی دیواریں بھی مزاحم تھیں اور حکام نے اسکندر حیات آنجہانی کی وزارت کے احکام کی مطابقت میں ہمارے اور اُن کے میل جول کی تمام راہیں مسدود کر رکھی تھیں چند دنوں ہی مولانا کے رعب داب ٹھاٹھ باٹھ سج دھج اور چال ڈھال نے طلسم ہوش ربا کے بعض پراسرار کرداروں کی طرح قیدیوں میں ایک خاص معمہ کی صورت اختیار کر لی اور وہ عموماً آپ کا ذکر عقیدت و احترام، خوف و ہراس اور ہیبت و حیرت سے کیا کرتے۔

ہم نے بھی اس میں اضافہ ہی مناسب سمجھا اور اپنی طرف سے زیب داستان کی سرخیاں مہیا کردیں۔ دو اڑھائی ماہ کی تگ و دو کے بعد چوری چھپے ملاقات کا موقع پیدا ہوگیا اور جیلخانے کے عقبی حصہ میں راقم سے ملاقات ہوگئی نہایت محبت سے معانقہ کیا۔ پوچھا کہو لکھا پڑھی کا حال کیا ہے عرض کیا شاعری پڑھتا ہوں نثر لکھتا ہوں۔ فرمایا کیا لکھ رہے ہو۔

"میرے حالات؟"

"جی ہاں"

اتنے میں جمعدار نے کہا ذرا جلدی فرمایئے وارڈ عدجی آرہے ہیں۔ مصافحہ کیا اور ہم ایک ہی جیل میں رہتے ہوئے ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ اور وہ لمبی لمبی دیواریں ہمارے درمیان حائل ہوگئیں جو سینٹرل جیل منٹگمری میں ایوان انصاف کی سنگدلی کا پتہ دیتی ہے۔

کوئی پندرہ روز بعد مجھے ایک کاپی ملی جس میں آپ کے لکھوائے ہوئے حالات زندگی کا ایک نلاویز خاکہ تھا۔ بیتابی سے مرقوم تھا میں کیا اور میرے حالات زندگی کیا چند واقعات ہیں جو اس لئے لکھوائے دیتا ہوں کہ پڑھنے والوں کو عبرت ہو۔

یہ صحیح ہے کہ انسان کو بہت سی چیزیں سماج میں تجربہ و تعلیم سے ملتی ہیں لیکن بعض خصائص طبعی طور پر ایسے بھی ہوتے ہیں جو خاندان سے ورثہ میں ملتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لطف عمومی سے طبیعت کا حسن بن کر فطرت ہو جاتے ہیں۔

مثلاً مولانا حبیب الرحمٰن کے پردادا حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ پنجاب میں تنہا بزرگ تھے جنھوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف لدھیانہ میں فتویٰ دیا اور خود روز کے لئے شہر میں متوازی گورنمنٹ قائم کی۔

آپ کے دادا حضرت مولانا محمد علیہ الرحمۃ نے اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس علم کو بلند رکھا اور جب کانگریس نے ہندوستان میں اپنا ابتدائی ڈھانچہ تیار کیا تو ہندوستان و حجاز کے علماء سے بھی اس کے حق میں فتویٰ لیا اور خود بھی اپنی بصیرت کی روشنی میں فرمایا کہ مسلمان کے لئے کانگریس کی شرکت جائز ہے۔ دراصل مرحوم ان بزرگوں میں سے تھے جنھیں مشیت ایزدی اپنے شمع نور سے اطاعت و بندگی کے صلہ میں اجاگر کرتی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ صفحۂ ہستی پر برطانیہ سے بڑھکر مسلمانوں کا کوئی دشمن نہیں اور وہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان میں جو حالات پیدا ہو گئے ہیں ان کے پیش نظر ہندو مسلم کے اشتراک ہی سے برطانوی نظم و نسق میں خلل ڈالا جا سکتا ہے۔

انگریز دشمنی کا یہ جذبہ مولانا حبیب الرحمٰن کو ورثہ میں ملا ہے اور یوں کہنا چاہیے کہ ان کی زندگی کے عناصر اربعہ کا ایک جزو ہے حتیٰ کہ ان کے خون کی گردش ہی اس سے قائم ہے اور طبیعت کا حسن بن کر فطرت کی خو بن گئی ہے اور یہی جذبہ آپ کی اولاد کی رگ و پے میں بھی جاری ہے۔ قدرت نے آپ میں بہت سے خصائص جمع کر دیئے ہیں۔ وہ اگرچہ باقاعدہ مدارس کی دستار فضیلت نہیں رکھتے اور زمانہ کی عام روایتی سندوں کا سرمایہ بھی ان کے پاس نہیں لیکن علماء کی محفل میں بیٹھ جاتے ہیں تو خشک لفظوں سے چشمہ صافی کی موجوں سے ایسے معانی نکلنے پھوٹنے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک درویش مدرسوں سے پڑھے ہوئے اسرار و رموز بیان کر رہا ہے۔

سیاست کے پیچیدہ جوڑ توڑ کو سمجھنا سہل نہیں۔ ہمارے علماء کی ایک کوتاہی ہے کہ جہاں وہ انگریزی زبان سے نابلد ہیں وہاں انھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس سیاست کے داؤں پیچ سے کیونکر نپٹا جاسکتا ہے۔ وہ دراصل چودھویں صدی کے اس زمانے میں قرون اول کے معاشرتی تصور کی فضا میں گھوم پھر رہے ہیں اور راقم کا عقیدہ ہے کہ جو پانی بہہ چکا ہو اسے واپس لانا محال ہے۔ محال کیا بلکہ بیتی ہوئی زندگی کی طرح اس کا کوئی نقش بھی واپس نہیں لایا جاسکتا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کو تو چھوڑیئے کہ وہ جامع کمالات ہونے کے باعث علماء میں ایک استثنائی مرتبہ رکھتے ہیں انھوں نے انگریزی زبان کو سیکھا اور پھر اس کے علم و نظر کے ہر گوشے میں قابو پالیا۔ دوسرے راقم کے نزدیک وہ اس دور میں اسلام کے واضح تصور کا صحیح فکری مظہر ہیں لیکن ان کے علاوہ ان کے برابر نہیں علماء کی صف میں جو شخص راقم کے خیال میں جدید و قدیم تصورات کے درمیان سنگم بن سکتا ہے۔ وہ مولانا حبیب الرحمٰن ہیں اور راقم نے بارہا دیکھا کہ ان میں ترازو کے دونوں پلڑوں کو برابر رکھنے کی کا جوہر فطری استعداد کے طور پر موجود ہے۔

وہ معاملے کی تہ کو پالیتے اور گفتگو اور چہرے سے معلوم کر لیتے ہیں کہ اس کا اصل منظر کیا ہے اور پھر ہلکے پھلکے الفاظ میں تجزیہ کر کے سمجھانا چاہتے ہیں۔ گو انہیں ابوالکلام کی شستہ زبان نہیں ملی اور نہ نگارش کی طرح بیان کی افسانوی شوخی ان کا شیوۂ گفتار ہے۔ لیکن چھوٹے چھوٹے فقروں میں بڑی بڑی باتیں ادا کر جاتے ہیں۔ اور ادیب نہ ہونے کے باوجود ادب کا وقار و متانت ہاتھ سے نہیں دیتے سنجیدگی آپ کے کلام کا زیور ہے اور بہادری آپ کے دامان کردار کی سنہری جھالر۔

کرپس جب پہلی دفعہ ہندوستان آیا تو میاں افتخار الدین کے مکان پر آپ اس سے ملنے گئے ہندوستان کی سیاست پر ایک گھنٹہ گفتگو ہوئی اور جب وہ رخصت ہونے لگے تو اس نے کہا کہ آپ مجھے ایک دفعہ پھر ملئے گا۔

میں پروگرام کے مطابق آج کلکتہ جا رہا ہوں اگر آپ وہاں پہنچ جائیں تو مجھے اپنے

مقصد کے لیئے کئی گمشدہ راہیں مل سکتی ہیں۔ اور پھر اس نے بعض صحافی حضرات کو ملاقات میں بتایا کہ مجھے مولانا کی گفتگو نے نہایت متاثر کیا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تک میں جن ذہین ہندوستانی سیاستدانوں سے ملا ہوں ان میں مولانا ایک سر برآوردہ سیاست داں ہیں۔

مولانا میں ذاتی محاسن بیشمار ہیں۔ مثلاً وہ جماعت کے لیئے اپنی ذات اور اس کی سربلندی کو تیاگ دینے کے قائل ہیں اور ان کی زندگی میں بے شمار ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ انہوں نے اپنی جماعت کے لئے بڑے سے بڑے ایثار کو گوارہ کرلیا۔ دوستوں کے بہت سی نہیں بلکہ ان پر جی جان سے نچھاور بھی ہوتے ہیں آپ کی تنظیمی صلاحیت بے پناہ ہے لیکن اب وقت کے صدموں نے انہیں کسی حد تک "تن آساں" بنا دیا ہے۔ سب چتے ہیں کرنا بھی چاہتے ہیں اور من میں آرزوئیں بھی شعلہ بن کر لہراتی ہیں لیکن جب مسلمانوں کی سیاست کے مزرعہ ویراں پر نظر ڈالتے ہیں تو اقبال کی زبان میں یہ کہکر چپ ہو جاتے ہیں۔

مرا چہ حاصلے کشت خرابے

اقبال کی زبان میں — نہیں بلکہ اپنے تصور کی زبان میں — کیوں کہ آپ اور شاعری دو مختلف چیزیں ہیں اور نہ معلوم قدرت نے آپ سے اس ذوق کو کیوں سلب کرلیا ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہیں کہ ان کی طبعیت چیزوں کی رعنائی سے لیکر ادب کی خوبصورتی تک کی والہ وشیدا ہے اور ان کی زندگی کا بیشتر حصہ شعر و نغمہ کی مجلس آرائی میں صرف ہوتا ہے۔ مگر مولانا حبیب الرحمٰن سرتاپا شاہ جی کا تضاد ہیں۔ نہ شعر سے دلچسپی نہ حسن سے لگاؤ نہ نغمہ سے لگاؤ اور نہ زندگی کے جمالیاتی دھاروں سے رغبت ایک خشک انسان جس کا نغمہ بانگ وصلوٰۃ جس کا حسن چہرہ محراب اور جس کی معراج رسن ودار کی تماشہ آرائی ہے۔

سالہا سال آل انڈیا مجلس احرار کے صدر رہے اور نہایت طنطنہ سے کام کیا جب صدر تھے۔ تو بول چال کے تیور بھی صدارتی تھے۔ اب صدر نہیں تو صدر کے نقش قدم پر

چلتے ہیں۔ یعنی یہ آپ کی فطری خوبی ہے کہ آپ تابع رکھ بھی سکتے ہیں اور رہ بھی سکتے ہیں ان لوگوں کی طرح نہیں جو اقتدار کے منصب سے ہٹ کر خلقی افتاد کی نقش آرائی پر آتے ہیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں میں دیکھا گیا ہے اور ابھی پچھلے دنوں ہی احرار کو ایک ایسا مہلک صدمہ سہنا پڑا ہے۔

آپ نے ۵۰ برس کی عمر میں دس سال چھ مہینے قید خانہ میں گذارے ہیں۔ اور یہ زندگی کا پانچواں حصہ ہے۔ لطف یہ کہ سندِ ستارہ بھی کائنات انسانی کی کھیپ کا پانچواں ہی حصہ ہے۔

عام حسابی قاعدہ کی رو سے دیکھا جائے تو ہفتہ میں ڈیڑھ دن آپ نے جیل خانے کی نذر کیا ہے۔ اور دن رات کے چوبیس گھنٹہ میں پانچ گھنٹے ایسے ہوتے ہیں جو زنجیر و سلاسل کی بستگی میں صرف کئے ہیں۔

آپ کی طویل قید پانچ برس کا وہ زمانہ ہے جو آپ نے اس دفعہ قانون ضلع سندھ کے تحت بسر کیا۔ وہ استقلال کے ماتحت پہ شکن تک نہ ابھری۔ لیکن اس قید نے جہاں آپ کی صحت پر برا اثر ڈالا۔ وہاں دماغ میں عفو و درگذر کا خانہ بھی قدرے مشتعل ہو گیا ہے۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ شبنم کی جگہ انگارہ نے لے لی ہے۔

مولانا شروع شروع میں احرار کا دل سمجھے جاتے تھے۔ لیکن اب انہیں دماغ بھی کہا جاتا ہے۔ میر نے درست ہی کہا ہے ؎

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
شاید کہ تجھ کو میر کی صحبت نہیں ملی!

رئیس احرار

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ممبر پارلیمنٹ و ناظم جمعیۃ علماء ہند

برادر عزیز مولوی عزیز الرحمٰن جامعی نے اپنے والد مرحوم رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ کے حالاتِ زندگی قلم بند کر کے ایک بلند فریضہ انجام دیا ہے۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ میرے مقتدر رفیقوں میں تھے۔ وہ اپنے سیاسی شعور، جوشِ عمل الوالعزمی اور جد و جہد کے اعتبار سے ہمیشہ نمایاں رہے۔ تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لیا اور اس راہ میں کئی بار قید و بند کی شدید صعوبتیں برداشت کیں۔

"کتاب رئیس الاحرار" میں مولانا مرحوم کی سیاسی بصیرت، قول و عمل کی ہم آہنگی اور فکر و نظر کی دوربینی کو جس تاریخی پس منظر کے ساتھ واضح کیا گیا ہے اس سے کتاب کی سیاسی اہمیت کافی وزنی ہو گئی ہے اور واقعاتی طور پر ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا ایک ایسا باب بن گئی ہے جس کا مطالعہ سیاسیات کے طالب علموں کے لئے بہت مفید ہوگا!

واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد کی ہماری سیاسی تاریخ بڑی پہلو دار ہے یہ دور سیاسی کشمکش کا ہی نہیں بلکہ مذہبی افکار۔ تہذیبی روایات، تمدنی فکر اور اجتماعی عمل کے میدانوں میں بھی ایک نئے شعور انقلابی بیداری اور رنگارنگ توانائی کا ہے۔ مشرق و مغرب کی متصادم اقدار حیات کا ہے۔ جب تک بھرپور بصیرت اور ہوشمند نظر کے ساتھ اس دور کا مطالعہ نہیں کیا جائے گا اس وقت تک ہم برٹش عہد کے گوناگوں مسائل کی روح تک نہیں پہونچ سکتے "رئیس الاحرار" میں اس دور کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اور فکر کی ایک نئی نہج قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے گویہ نقطۂ نظر لائق بحث و تمحیص اور ہو سکتا ہے کہ اس کے بعض اجزاء سے اختلاف بھی ہو تاہم یہ تعمیری اور کافی حد تک ایک ذہنی سفر کی نشاندہی کرتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ کتاب کا ہر حلقہ میں خیر مقدم کیا جائیگا۔

خادم ملت
(مولانا) حفظ الرحمٰن کان اللہ لہٗ
۲۶ فروری ۱۹۶۱ء

راسخ الاعتقاد مسلمان

از

مہاشہ کرشن

ایڈیٹر روزنامہ "پرتاپ"

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی چل بسے۔ پتہ نہیں چلتا کہ ان کی موت سے ہمیں کس قدر صدمہ ہے اِن سے میرے تعلقات دیرینہ اور خوشگوار تھے۔ وہ مجھے دوسرے کانگریسیوں کی طرح فرقہ پرست سمجھکر مجھ سے نفرت نہیں کرتے تھے۔ وہ جتنے راسخ الاعتقاد مسلمان تھے اتنے ہی سچے نیشنلسٹ۔ ان کی قوم پرستی حقیقی تھی نمائشی نہیں ہر سوال کو وہ قوم پرستی کے زاویہ سے دیکھتے تھے۔ اوراُن مسائل سے جو بظاہر فرقہ وارانہ نظر آتے تھے۔ ایسا خوبصورت قوم پرورانہ پہلو نکالتے تھے کہ سننے والے عش عش کر اٹھتے تھے! آزمائش کے کئی موقع آئے لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی ۱۹۴۷ء میں جہاں میاں افتخار الدین اور مولانا داؤد غزنوی جیسے مومن مسلم لیگ میں شامل ہونے کی کافرانہ حرکت کر بیٹھے وہاں مولانا حبیب الرحمٰن ثابت قدم رہے۔ تقسیم کے وقت لدھیانہ سے لاہور جانا پڑا۔ وہ وہاں رہ سکتے تھے۔ مگر نہ رہے اور دلی آگئے۔

وہ نہایت خوددار تھے۔ اور کسی کی مروت کا بار نہیں لے سکتے تھے۔ ان پر کڑے وقت بھی آئے لیکن توکل خدا پر رہے اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پسارا۔ دو تین سال ہوئے دل کا دورہ پڑا۔ میں ان کی بیمار پرسی کو جایا کرتا تھا وہ کئی ماہ کی علالت کے بعد اچھے ہوگئے۔ آخری بار میں نے ان کے درشن دو ماہ ہوئے سرگنگا رام ہسپتال میں کئے۔ وہاں ڈاکٹر روشن لال کھیڑا نے ان کا اپنڈے سائیٹس کا آپریشن کیا تھا۔ جب میں ان سے ملا تو وہ صحت یاب ہوکر گھر لوٹنے والے تھے۔ میں ان کو وعدہ دیکر آیا کہ میں آپ کے گھر پر آپ سے ملوں گا! لیکن اتفاق کہ میں خود بیمار پڑ گیا۔ اور اپنا وعدہ وفا نہ کرسکا!

اب جبکہ وہ اس سنسار میں نہیں میں کئی باتیں لکھ سکتا ہوں جن کا ان کی زندگی میں نوک قلم پر لانا مشکل تھا۔

نومبر ۱۹۳۶ء میں شری دیریندر کے اخبار جے ہند کا ادگھاٹن عبارت

بلڈنگ لاہور میں ہو رہا تھا۔ مولانا افتتاحی تقریر کر رہے تھے۔ روزنامہ انقلاب کے
ایڈیٹر غلام رسول مہر ادھر میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ مولانا نے ہم دونوں کی طرف
اشارہ کرکے کہا وہ دیکھو دو بابی کھڑے ہیں۔ اس وقت اس طرح گھل مل کر باتیں
کر رہے ہیں گویا ایک ماں جائی ہوں۔ مگر کل دفتر میں بیٹھ کر زہر بکھیرنے لگیں گے۔
بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ جنوری ۱۹۴۸ء میں مہاتما گاندھی نے برت کیوں رکھا تھا!
مولانا حبیب الرحمٰن نے مجھے سنایا کہ وہ مہاتما جی کے پاس گئے اور کہا کہ میرے لئے
ودیش جانے کا انتظام کر دیں۔ میرے جیسے لوگ پاکستان میں رہیں یہ خارج از بحث
ہے۔ اور ہندوستان میں حالات ایسے ہو رہے ہیں کہ ہمارا رہنا مشکل ہو رہا ہے۔
مہاتما جی نے کہا کہ آپ کے سوال کا جواب کل دوں گا۔ دوسرے دن انہوں نے
بھوک ہڑتال کا اعلان کر دیا۔

جب میں ان سے سر گنگا رام ہسپتال میں ملا۔ تو باتوں باتوں میں انہوں نے مجھ سے
پوچھا کہ کیا تم کبھی پنڈت نہرو سے ملے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ تقسیم کے بعد
نو برسوں میں میں ایک بار بھی ..... ان کے درشن نہ کر سکا۔ یہ کیوں؟ ان کے اس سوال پر
میں نے کہا کہ میں اپنے کو اتنا چھوٹا نہیں سمجھتا کہ ملاقات کی درخواست کروں۔ اور جواب
ملے کہ پنڈت جی کو فرصت نہیں۔ اور میں اتنا بڑا بھی نہیں کہ پنڈت جی کو مجھ سے ملنے کی خواہش
ہو۔ اس پر مولانا نے کہا کہ مجھے اچھا ہو لینے دو میں پنڈت جی سے تمہاری ملاقات کراؤں گا
اور اس پر میں نے یہ شعر پڑھا ؂

عمر تو ساری کٹی عشق بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

اس وقت مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ مولانا کے آخری درشن ہیں۔
حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد!

صدر ناصر اور رئیس الاحرار

شیخ عبد المنعم النمر

(نمائندہ موتمر اسلامی مصر)

جب میں رئیس الاحرار سے ملا تو ایسا محسوس ہوا کہ دو دوست مدت کے بچھڑے ہوئے آپس میں مل رہے ہیں جو زندگی کے مختلف مراحل میں ساتھ رہ چکے ہیں۔ زمانہ کے واقعات سے رئیس الاحرار کے نظریات میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے اپنے تجربات اور فکر و عمل سے ان میں مزید اضافہ کیا اور ہر منزل پر قوت ایمانی اور اولوالعزمی سے کام لیا۔ رئیس الاحرار کی قوت گویائی سے یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ وہ ایک چونسٹھ سالہ بزرگ ہیں جن کی زندگی کا تابناک حصہ جیل کی اندھیری کوٹھڑیوں میں گزرا ہے اور جس نے مجاہدین وطن کے ساتھ جہاد حریت میں زبردست حصہ لیا ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ نوجوان ہے جس کی رگوں میں جوانی کا خون کھول رہا ہے۔ انھوں نے اپنی گفتگو میں جس جوش کے ساتھ مصر اور مصر کے قائد جمال عبد الناصر کی تائید کی۔ اس سے مجھے کبھی کبھی ان کے کمزور بدن کا خوف ہونے لگتا تھا۔ رئیس الاحرار نے بڑے جوش کے ساتھ فرمایا کہ جمال عبد الناصر اس وقت مشرق کو بیدار کرنے میں جو پارٹ ادا کر رہے ہیں وہ ان کا زبردست کارنامہ ہے، مشرقی اقوام کا فرض ہے کہ وہ مصر کے ساتھ ہو کر اس کی آزادی اور خود مختاری کے لئے پوری پوری جد و جہد کریں۔

اس غیور مجاہد کے خیالات میں میں نے اپنے خیالات سے پوری مطابقت پائی اور مجھے اس جوان ہمت بزرگ میں مصر کے لئے زبردست جذبۂ اخلاص نظر آیا اور میرے دل میں ان کے احترام و محبت نے جگہ کر لی۔ اور اب بھی مولانا کے وہ خیالات میرے ذہن میں گھومتے رہتے ہیں جو انھوں نے اخبارات و رسائل میں کسی مصری کو خوش کرنے کے لئے نہیں بلکہ محض اپنے سچے جذبہ کے ماتحت تحریر فرمائے تھے ان میں نہ کسی کی داد و دہش کی تمنا تھی۔ اور نہ کسی سے داد و تحسین کی خواہش تھی۔

مردِ مومن
از
غلام رسول مہر

باسمہ سبحانہٗ

برادر عزیز:- عزیزداری کی صبر گذاری اور رنج وقلق کی اشکباری میں ایک دور افتادہ بھائی کو بھی شریک کر لیجئے۔ دہلی کی طرف کشش کے بہت کم رشتے باقی رہ گئے تھے۔ ان میں سے ایک اہم رشتہ مرحوم مولانا حبیب الرحمن بھی تھے۔ وہ رشتہ بھی میری صدہا امیدوں کی طرح ٹوٹ گیا۔ وہ محبوب وجود اب ایسی جگہ پہونچ گیا۔ جہاں پہونچنے کے لئے موت کے دروازے سے گذرے بغیر چارہ نہیں ہے "انا للہ وانا الیہ راجعون"

میں نے یہ دلفگار خبر کل کے اخبارات میں پڑھی تھی! پڑھ تو لی لیکن منٹوں تک اس کی صحت پر یقین نہ آیا۔ ابھی کل کی بات ہے کہ میر احمد حسین یہاں آئے تھے تو مجھے اپنڈکس کے آپریشن کی تفصیلات بتا گئے تھے۔ میں اپنے ذہن میں یہ تصور لئے بیٹھا تھا کہ اب کے سردیوں میں جاؤں گا۔ تو خوب باتیں ہوں گی۔ جن داستانوں کی شنید کے لئے میں نے گذشتہ سفر میں اصرار کیا تھا۔ وہ اس مرتبہ دل کھول کر سنوں گا۔ میر صاحب نے یہ بھی بتایا تھا کہ ڈاکٹر نے آپریشن کے بعد مولانا کو مبارکباد دی اور کہا کہ اگر تھوڑی دیر اور گذر جاتی تو موت یقینی تھی۔ اس لئے کہ اپنڈکس کی نالی پھٹ چکی تھی! لیکن .... لیکن کیا معلوم تھا۔ کہ جو ملاقات ۲۹ جنوری ۵۶ء کی شام کو ہوئی تھی۔ وہ اس دنیا میں آخری ملاقات تھی۔؟

گر نہ قضا بود کہ باہم روئیم
می رسد آں وقت کہ باہم روئیم

مرحوم کی وجہ سے دوستوں کی ایک بہت بڑی دنیا آپ کے گرد وپیش بکھر رہی تھی۔ وہ انسانیت اور اسلامیات کے اعلیٰ خصائص کا ایک روشن چراغ تھے۔ کہ جہاں بیٹھ جاتے تھے محفل روشن ہوجاتی تھی۔ خود آپ بھائیوں کے لئے بھی دنیاوی نقطۂ نگاہ سے اطمینان و

دیکھی کا ایک سہارا تھے۔

میں ۱۹۲۲ء میں اخبار نویسی کے لئے لاہور آیا تھا۔ اس کے تھوڑے دن بعد ان سے روابط پیدا ہوئے۔ چونتیس سال کی مدت ایک عمر ہوتی ہے۔ اس میں اختلافات بھی پیدا ہوئے۔ سیاسی ہنگاموں میں فکر و نظر کا اختلاف ایک طبعی امر ہے۔ تاہم جو محبت اور دلی ربط و تعلق پہلے دن سے باہم پیدا ہو چکا تھا۔ وہ آخری دم تک بدستور قائم رہا۔ ایسے رفیق پہلے ہی بہت کم رہ گئے تھے۔ اب اس چراغ کے بجھ جانے سے زندگی کی محفل افسردہ ہو کر رہ گئی۔

وہ بہادر تھے۔ جوانمرد تھے۔ میرے سامنے ان کی زندگی میں ابتلاء کے بیسیوں مرحلے آئے۔ کسی میں بھی انہیں ہراساں یا خوف زدہ یا پریشان نہ دیکھا! وہ میدان عمل کے شہسوار تھے۔ خدا نے انہیں نازک سے نازک ماحول میں سچی بات سلیقے سے کہنے کی خاص صلاحیت عطا کی تھی۔ اور جو کچھ ان کی زبان پر جاری ہوتا تھا۔ خلوص و صداقت کے باعث اس میں زندگی کی ایک خاص روح جلوہ گر رہتی تھی۔ ان کی عظمت کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جنھوں نے دور ترک موالات میں حکومت برطانیہ کی قاہری کے مناظر دیکھے ہیں اور جو جانتے ہیں کہ حکومت کے طوفان تشدد اور خود اپنوں کی بے یقینی یا کہہ لیجئے۔ دانشمندانہ عاقبت اندیشی کے مناظر کس درجہ روح فرسا اور حوصلہ سوز تھے ان کے سامنے ہمیشہ یقین کی روشنی رہی۔ اور وہی روشنی ان کے تمام افکار و اعمال کے لئے مشعل راہ تھی!

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے آپ لوگوں کو صبر و ضبط کی توفیق سے مشرف رکھے۔ آپ کا حامی و ناصر ہے (آمین ثم آمین) ایسے نازک وقت میں آپ سے کوئی درخواست کرنا بہت تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے لیکن کیا کروں دل نہیں مانتا اور اپنے محترم بھائی کی زندگی کے آخری اوقات میں بیماری کی تفصیلات وغیرہ سے آگاہی کیلئے صد درجہ اضطراب ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ مکانی دیوار درمیان کو پھاند کر فوراً آسکوں اسکے سوا چارہ نہیں۔ کہ مہر تفصیل کیلئے بے قراری کا اظہار آپ حضرات کے سامنے کروں۔ اگر موقع ملے تو میری اس عاجزانہ درخواست کو پورا کر دیجیا۔ اللہ تعالیٰ آپکا رفیق و مددگار ہو۔ والسلام دل شکستہ۔ مولانا غلام رسول مہر ایڈیٹر "انقلاب"

رئیس الاحرار کا سیاسی مقام

برادرم مولوی عزیز الرحمٰن صاحب نے "رئیس الاحرار" کا مسودہ دکھایا تو محب قدیم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم کی ہنگامہ خیز زندگی کا نقشہ آنکھوں میں گھوم گیا۔

ملک کو آزاد کرانے کی سعی وجدوجہد میں جن ہستیوں نے جان کی بازی لگائی تھی اُن میں رئیس الاحرار ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ وطن کے اس جاں باز سپاہی کی جوانی کا بہترین حصّہ قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنے میں گذرا۔ اور جب آزادی کی صبح کا آفتاب طلوع ہوا تو وہ اتنا دھندلا تھا کہ اس کی روشنی میں ایسے ایثار پیشہ بزرگوں کی شناخت دشوار ہوگئی تھی۔

جنگ آزادی کا کوئی قابل ذکر محاذ ایسا نہیں تھا جس میں مولانا مرحوم اپنی تمام ہنگامہ خیزیوں اور فکر انگیزیوں کے ساتھ پیش پیش نہ رہے ہوں۔ لیکن اب آزاد ہندوستان مولانا جیسے رہنماؤں کو پہچاننے میں اجنبیت محسوس کر رہا ہے۔

بہت اچھا ہوا کہ مرحوم کے لائق صاحبزادے نے ایک ایسی کتاب کی ترتیب کا اہتمام کیا جو نہ صرف مرحوم کے سوانح حیات پر مشتمل ہے بلکہ اس میں اس دور کی سیاسی تاریخ اور اس کے پس منظر کی ایک اچھی خاصی جھلک بھی نظر آ رہی ہے۔

"ملک جن حالات میں تقسیم ہوا ـــــ اُن کا یہ قدرتی تقاضا ہے کہ اس انداز کی کتابیں لکھ کر اپنے بزرگوں کے کارناموں اور گذرے ہوئے دور کی روایات کی حفاظت کی جائے، ورنہ زمانہ کی گردشیں ان کے نشانات بھی باقی نہیں چھوڑیں گی۔

عتیق الرحمٰن عثمانی

ندوۃ المصنفین دہلی

۱۴ رمضان المبارک ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۰ مارچ ۱۹۶۱ء

رئیس الاحرار

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

اور

ہندوستان کی جنگ آزادی

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

کے نام

مولانا ابوالکلام آزاد، مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لعل نہرو، ڈاکٹر راجندر پرشاد صدر جمہوریہ ہند
ڈاکٹر انصاری، مولانا احمد سعید، مولانا شبیر احمد عثمانی، مسٹر کرپس وزیر حکومت برطانیہ کے غیر مطبوعہ
خطوط کی روشنی میں تحریک آزادی ہند اور قیام پاکستان کا تاریخی منظر و پس منظر۔
یہ خطوط تاریخی مطالعہ میں نئے باب کا اضافہ کرتے ہیں۔

از

عزیز الرحمٰن جامعی لدھیانوی

مکان ۵۲۹۶ کوچہ رحمان چاندنی چوک دہلی

کتاب "رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی" کے

جملہ حقوق

طبع اوّل — دو ہزار

ملنے کا پتہ

تعلیمی سماجی مرکز بارہ دری شیر افگن دہلی ۶ ۔ چاندنی چوک

جنرل ایجنٹ کتابستان گلی قاسم جان بلی ماران چاندنی چوک دہلی ۶

قیمت :- پانچ روپیہ

سے شفیع لدھیانوی نے اعلیٰ پریس گلی سوداگران سے چھپوا کر تعلیمی سماجی مرکز بارہ دری شیر افگن چاندنی چوک دہلی ۶

علمائے ہند کا فکر و عمل۔

۱۸۵۷ء کے معرکۂ انقلاب میں علمائے ہند نے بڑی بہادری اور استقلال سے جان فروشانہ حصہ لیا ہندوستان کے ہر گوشے میں جہاں ان کو موقع ملا انگریزوں کے خلاف پوری جنگ جویانہ صلاحیتوں کے ساتھ مقابلہ کیا۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب میں علماء کرام کی شرکت مغلوں کے فرسودہ نظام حکومت کو بچانے کیلئے نہ تھی بلکہ وہ ایک نئی عوامی حکومت کو مغلوں اور انگریزوں کے بجائے ہندوستان میں لانے کی کوشش کر رہے تھے، ان علماء حق کی جدوجہد آزادی کے پیچھے امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ کا فکر کام کر رہا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۷۳۱ء میں علمائے آزادی کے فکر کی بنیاد ڈالدی تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے فکری اور علمی رجحان کو عمل میں لانے کیلئے مسلسل کوششیں جاری رہیں۔ ان فکری اور علمی کوششوں کو عملی جامہ پہنانے کیلئے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۳۱ء میں علماء کرام کی منظم فوج کے ساتھ دلی سے لیکر پشاور تک ملک کو غاصبوں ناہنجاروں اور عیش پرستوں کے نتیجۂ اقتدار سے نکالنے کی سعی کوشش کی۔ بالآخر فتح و کامرانی سید صاحب کی کوششوں سے قریب سے قریب تر آرہی تھی مگر سرحد آزاد میں بالاکوٹ کے مقام پر پٹھانوں کی انگریزوں سے سازش اور بیوفائی نے سید صاحب کو ہمیشہ کیلئے شہادت کی نیند سلادیا۔

علماء کرام کے فکر و عمل کو تاریخ کی روشنی میں ہم اسطرح سمجھ سکتے ہیں

جہاد آزادی کا پہلا دور	جہاد آزادی کا دوسرا دور
از ۱۷۳۱ء تا ۱۷۶۳ء	نشر و اشاعت اور جنگ آزادی
ارکان	از ۱۷۶۳ء تا ۱۸۳۱ء
(۱) شاہ ولی اللہ دہلوی	(۱) شاہ عبدالعزیز دہلوی

(۲) مولانا محمد عاشق پھلتی (۲) شاہ عبد الغنی دہلوی
(۳) مولانا نور اللہ بڈھانوی (۳) شاہ سید احمد شہید بریلوی
(۴) مولانا محمد امین کشمیری (۴) شاہ محمد اسمعیل شہید دہلوی

آزادی کے پہلے اور دوسرے دور کے رہنماؤں نے راس کماری سے لیکر پشاور تک اور شملہ سے لیکر بمبئی تک شہروں سے لیکر چھوٹے چھوٹے گاؤں تک کمپنی کے اقتدار کے خلاف بغاوت پھیلائی جس میں ہندوستان کے ننانوے ۹۹ فیصدی مسلمان شامل تھے۔

جہاد آزادی کا تیسرا دور

از ۱۸۳۱ء تا ۱۸۶۶ء

(۱) مولانا شاہ عبد القادر لدھیانوی (۳) مولانا شاہ عبد الغنی رح دہلوی
(۲) شاہ محمد اسحاق دہلوی (۴) حضرت حاجی امداد اللہ رح سہارنپوری
(۵) قاضی عنایت علی صاحب تھانوی (۷) مولانا رشید احمد رح
(۶) مولانا محمد قاسم رح بانی دار العلوم دیوبند (۸) حافظ محمد ضامن شہید

ان رہنماؤں کی سرکردگی میں ہندوستان کے مسلمانوں نے پھر ایک انقلاب کرنے کی کوشش کی۔ اس تحریک میں بھی خفیہ اور علانیہ انگریزوں کے خلاف مسلح بغاوت ہوئی۔ یہ بغاوت بھی ناکام ہوئی جس کے بعد مسلمانانِ ہند پر انتہائی مظالم توڑے گئے۔ ان مظالم کا ہندوستان کے ہزاروں شہروں اور دیہات پر اثر ہوا جو کلیتاً مسلمانوں کی کثیر آبادیوں کے شہر اور دیہات تھے۔ اس بغاوت میں مسلمانوں کے مسلح گوریلا دستوں کی تعداد بیس لاکھ تھی۔ ہندوستان کے مسلمانوں پر گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ میں جو مظالم ڈھائے گئے ہیں ان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تصویر کا دوسرا رُخ ۱۸۵۷ء لکھنے والے انگریز مورخ نے لکھا ہے کہ صرف دلی میں شاہی فوج اور پولیس کے علاوہ تین لاکھ مسلمان قتل کئے گئے۔

انقلاب ۱۸۵۷ء اور علماء لدھیانہ

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے خاندان میں جس کے مورثِ اعلیٰ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب لدھیانوی تھے نسلاً بعد نسل کئی سو برس سے علم و عمل مسلسل جاری رہا ہے مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے خاندان کا تعلق عربی النسل ان سپاہیوں سے ہے۔ جو محمد بن قاسم کے ساتھ ملتان تک آئے۔ اور محمد بن قاسم کے بعد انہوں نے ہندوستان میں مستقل رہائش اختیار کرلی تھی۔ اس خاندان کے رگ و ریشہ میں فاروقیت اور صدیقیت کا خون دوڑتا ہوا نظر آتا ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے سیف زبان سب سے بڑے عالم اور سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے علم کی تحصیل اور سلوک و تصوف کی منزلیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے سلسلہ میں طے کیں اور آپ ایک واسطے سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر صاحب جو ترجمہ قرآن کے امام مانے جاتے ہیں ان کے خلفاء مولانا عبداللہ صاحب جے راج پوری کرنالوی سے بیعت تھے اور ان ہی کے خلفاء میں سے تھے۔

مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چار بیٹے تھے۔ بڑے مولانا سیف الرحمٰن صاحب جو ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں کابل چلے گئے اور پھر واپس تشریف نہ لائے۔ دوسرے مولانا محمد صاحب آپ وقت کے سب سے بڑے عالم اور فقیہہ زمانہ تھے اور درس و تدریس میں مشہور تھے۔ ہندوستان کے ہر حصہ میں آپ کے شاگرد علماء کرام کی ایک اچھی خاصی تعداد اس زمانہ میں پائی جاتی تھی۔ تیسرے مولانا محمد عبداللہ صاحب تھے آپ صوفی منش ہونے کے علاوہ مرد مجاہد بھی تھے۔ چوتھے مولانا عبدالعزیز صاحب نقشبندی مجددی تھے آپ درویش عالم اور صوفی ہونے کے علاوہ جادو بیان مقرر بھی تھے آپ نے چالیس سال تک اپنے وعظ میں قرآن مجید کا ترجمہ بیان فرمایا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں علماء لدھیانہ کا حصہ

مولانا شاہ عبدالقادر صاحب اور ان کے یہ چاروں بیٹے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران

پنجاب کی پوربی فوجوں اور مجاہد مسلمانوں کے فوجی دستوں کو ہمراہ لیکر براستہ پٹیالہ اور کرنال انگریزی فوجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے دہلی پہونچے۔ راستہ میں انہوں نے متعدد انگریزی دستوں کو شکست فاش دی۔ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے بڑے بھائی مولانا غلام نبی صاحب بھی اپنے بھائی کی سرکردگی میں بچوں اور عورتوں کے ساتھ تھے۔ مجاہدین کے اس قافلہ کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی شریک سفر تھے۔ مسجد فتحپوری چاندنی چوک میں مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کی زیرکمان پوربی فوجوں اور مسلمان مجاہدوں نے انگریزی فوجی دستوں کے ساتھ ٹکرلی۔ اس ٹکراؤ کے دوران میں مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کی اہلیہ کا انتقال ہوا۔ اور انکو مسجد کے صحن میں ہی دفن کیا گیا۔ دہلی میں شاہی فوجوں کی شکست کے فوراً ہی بعد مولانا شاہ عبدالقادر صاحب اور اُنکے چاروں بیٹے اپنے خاندان اور ... پاہیوں کو لیکر نہایت ہوشیاری سے دہلی سے کرنال ہوتے ہوئے پٹیالہ کے جنگلات میں جا پہونچے۔ انگریزی گورنمنٹ نے مولانا اور ان کے چاروں بیٹوں کی گرفتاری کیلئے ایک لاکھ روپیہ نقد انعام مقرر کیا۔

لدھیانہ سے آپکی مجاہدانہ عدم موجودگی میں لدھیانہ کے انگریز ڈپٹی کمشنر نے حکومت ہند کی ہدایت کے مطابق لدھیانہ کی تمام سکنی جائداد جسمیں مسجد بھی شامل تھی۔ بحق حکومت ضبط کرکے نیلام کردیں اور تمام پنجاب میں ہر طرف انگریز کے خفیہ سراغ رساں عملہ کو اس خاندان کی تلاش میں خاص ہدایات دی گئیں۔ پنجاب کے ہر ہر گاؤں میں گورنمنٹ کی طرف سے اعلان کئے گئے کہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب اور اُنکے چاروں بیٹے مع خاندان کے حکومت کے باغی ہیں۔ انہیں جہاں کہیں بھی پایا جائے گرفتار کرلیا جائے مگر باوجود تمام کوششوں کے انگریزی گورنمنٹ جسکا فوجی راج تمام پنجاب میں عروج پر تھا۔ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب اور ان کے چاروں بیٹوں اور خاندان کو گرفتار کرنے میں ناکام رہی۔

اس روپوشی کے زمانہ میں مولانا شاہ عبدالقادر صاحب اور ان کے چاروں بیٹے مع خاندان کے ریاست پٹیالہ سے بیس میل کے فاصلہ پر راجپوتوں کے ایک گاؤں ستلانہ میں قیام پذیر تھے۔ ستلانہ کے مسلمان راجپوتوں نے بہت استقلال بہادری اور ہمت سے اس پورے خاندان کی حفاظت

کی انگریزی حکومت کے بعض خبر رسانوں نے بڑے اعتماد اور ثبوت کے ساتھ کئی دفعہ یہ خبر حکومت کو پہونچائی کہ مولانا شاہ عبدالقادر اور انکا خاندان ریاست پٹیالہ کے ستلانہ گاؤں میں روپوش ہے ان کی اطلاعات پر چار دفعہ اس گاؤں کا فوجی محاصرہ ہوا۔ گاؤں کے ایک ایک گھر کی تلاشی لی گئی لیکن باوجود پوری تلاش اور گاؤں والوں کے ساتھ پوری سخت گیری کے مولانا شاہ عبدالقادر صاحب ان کے بیٹوں اور خاندان کو گرفتار کرنے میں انگریزی حکومت کامیاب نہ ہوسکی۔

گورنمنٹ کی ناکامی کی پہلی وجہ تو یہ تھی کہ اس گاؤں کے راجپوتوں کے عزم و استقلال، سچائی اور اپنے مجاہد علماء کرام پر جان نثاری کا یہ عالم تھا کہ اس گاؤں کا کوئی فرد واحد بھی ایسا نہ تھا کہ جس کے پاؤں میں لغزش آتی۔ اور وہ اس راز کو حکومت ہند پر ظاہر کرتا۔ اس گاؤں کے راجپوتوں نے قدم قدم پر جان نثاری کے ثبوت دیئے۔ ایک لاکھ روپیے کے نقد انعام کو ہر دفعہ پائے استحقارت سے ٹھکرا دیا۔

انگریزی فوج نے جب بھی ستلانہ کا محاصرہ کیا۔ تو ان باغیرت اور خود دار راجپوتوں نے اسلام کے جانباز سپاہیوں کی حفاظت پر اپنی عورتوں کو نگراں بنایا۔ اور ان نگراں راجپوت عورتوں نے علماء کو اپنے گھروں کے خفیہ گندم کے تہہ خانوں میں چھپا کر ایسی کامیاب نگرانی کے فرائض انجام دیئے جس سے قرون اولی کی مجاہد عورتوں کی یاد تازہ ہو گئی۔ گندم کے ان خفیہ تہہ خانوں کے راستہ کا سوائے ان عورتوں کے کسی دوسرے کو علم نہ تھا۔

فیض روحانی

مولانا شاہ عبدالقادر صاحب اور ان کے روحانی فیض نے تمام گاؤں کی کایا پلٹ دی تھی۔ ستلانہ میں قیام کے ابتدائی دنوں میں ہی ان پاکباز باپ بیٹوں کی روحانیت، تقوی و طہارت پرہیزگاری اور شب بیداری نے گاؤں کے تمام لوگوں کے قلوب پلٹ دیئے سارا گاؤں دو ہی ہفتہ کے اندر عورتوں، مردوں۔ بوڑھوں جوانوں اور بچوں سمیت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب سے

دست حق پرست پر بیعت ہو گیا چند ہی مہینوں میں گاؤں کے تمام لوگوں کی کایا پلٹ گئی۔ رسم و رواج کی زنجیریں ٹوٹ گئیں جہالت و تاریکی کے گہرے بادل چھٹ گئے۔ مذہب کے نام پر جن غیر مذہبی پابندیوں نے مسلمانوں کے اعتماد و عمل کو ختم کر دیا تھا۔ وہ پابندیاں اور رسوم خود بخود لوگوں کے دلوں سے ماؤف و محو ہو گئیں۔ اب یہ وہی گاؤں تھا۔ جہاں لوگ صدیوں سے نماز سے ناواقف تھے۔ نہ کسی کو کلمہ آتا تھا۔ نہ کسی نے قرآن شریف کی تعلیم حاصل کی تھی۔ صرف نام کے مسلمان تھے جنہیں اپنے جدی مسلمان ہونے پر فخر ضرور تھا۔ اس پاکباز خاندان کی روحانی تعلیم و تربیت کا یہ اثر پڑا کہ گاؤں کے لوگوں نے نہ صرف کلمہ ہی سیکھا۔ بلکہ قرآن مجید کی تعلیم میں سارے کا سارا گاؤں پورے جوش و خروش سے لگ گیا۔

لوگ دن کو قرآن پڑھتے۔ کلمہ سیکھتے، دعائیں یاد کرتے اور رات کو شب بیداری میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے میں کوشاں رہتے تھے۔ عورتیں بھی مردوں سے پیچھے نہ تھیں۔ انہوں نے پاکباز علماء کی نیک خواور پاکباز عورتوں سے سبقاً سبقاً قرآن شریف پڑھا۔ اس طرح سارا گاؤں مردوں اور عورتوں سمیت دیکھتے ہی دیکھتے پاکبازوں اور پرہیزگاروں کی بستی میں تبدیل ہو گیا۔

گاؤں کا اصلی نام "ست رانا" تھا۔ یعنی سچے راجپوتوں کا وطن۔ آخر سچائی نے صدیوں کے بعد آنکھیں کھولیں۔ مرد درویش کے چراغ ہدایت نے باد مخالف کے طوفان میں راہ مستقیم کی طرف لوگوں کی رہنمائی کی۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

کا فلسفہ حیات روز روشن کی طرح سامنے آگیا۔ جس خاندان کے انگریزی حکومت کی طرف سے قتل کے منصوبے ہو رہے تھے۔ اسی خاندان کے امام العارفین نے لوگوں کے ویران دل و دماغ میں شمع ہدایت روشن فرمائی۔ جو تہہ خانوں میں رہنے پر مجبور کئے گئے تھے۔ انہیں تہہ خانوں سے رشد و ہدایت کی آفتابی و مہتابی کرنوں نے لوگوں کے قلوب کو روشن کر دیا جنہیں حکومت انگریزی نے باغی قرار دیکر صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی انہیں کو لوگوں نے اپنا امام رشد و ہدایت بنا لیا۔

نور ایمان کے سامنے تمام طاغوتی طاقتوں کو شکست فاش ہوئی اور چراغ ہدایت کی روشنی سے لوگوں کے قلوب منور ہوتے رہے ۔

ہوا تھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مرد درویش جسکو حق نے دیئے تھے انداز خسروانہ

جب انگریزی حکومت کی پالیسی میں تبدیلی آئی اور ۱۸۵۷ء کے ظلم و جبر سفاکی و بیرحمی پر خود حکومت انگریزی کو افسوس ہوا۔ تو عام معافیوں کے اعلان کے ذریعہ ہندوستانیوں کے تالیف قلوب کی کوششیں شروع ہوئیں۔ تاکہ جو لوگ حکومت ہند کے جور و تشدد سے کبھی تابع فرمان نہ ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے دلوں کو تالیف قلوب کی پالیسی سے موم کیا جائے۔ "نیا جال لائے پرانے شکاری" اس پالیسی کے آغاز کو ہندوستان کے مجاہدین نے بڑے غور و فکر سے دیکھا۔ ڈام ہمرنگ زمین کو اچھی طرح سے جانچ کر نئے ارادوں اور نئے عزم کے ساتھ دوبارہ میدان عمل میں خاموشی کے ساتھ سامنے آگئے

امام العارفین مولانا شاہ عبد القادر کا وصال اور خاندان کی لدھیانہ میں واپسی

۱۸۶۰ء میں یہ قافلہ راجپوتوں کی اس بابرکت بستی سے لدھیانہ کی طرف روانہ ہوا۔ گاؤں سے ایک میل کے فاصلہ پر قافلہ سالاروں نے رخت سفر درست کرنے کیلئے قیام کیا۔ یہاں منشاء ایزدی کا اسطرح ظہور ہوا کہ امام العارفین مولانا شاہ عبد القادر جنکے فیض روحانی سے دلوں کی اجڑی ہوئی بستیاں آباد ہوئی تھیں جنکے رشد و ہدایت نے بے آب و گیاہ زمین میں روحانی گلستاں قایم کیا تھا۔ وہ اسی گلستان میں ہمیشہ کیلئے ابدی آرام فرمائیں۔ چنانچہ پہلی ہی منزل پر شب کو بیمار پڑ کر صبح کو انتقال فرماگئے، اسی مقام پر آپکی تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔ امام العارفین اور مجاہد اسلام کے انتقال کے بعد آپ کے مجاہد بیٹے یہاں ایک ہفتہ قیام کرنے کے بعد اپنے خاندان سمیت لدھیانہ کی طرف روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے لدھیانہ میں مولانا شاہ عبد العزیز صاحب جو امام العارفین کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ داخل ہوئے۔ شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہر طرف سے لوگ جوق در جوق آکر ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ گویا لدھیانہ شہر میں زندگی کی ایک نئی لہر پیدا ہوگئی تھی جو لوگ علماء کرام کو دیکھنے کیلئے ترس گئے تھے اُن کی آنکھیں نم تھیں اور دل مسرتوں سے لبریز تھے۔

دوبارہ گرفتاری اور رہائی

کچھ ہی دنوں بعد مولانا شاہ محمد صاحب اور مولانا شاہ عبداللہ صاحب بھی لدھیانہ تشریف لے آئے ان پاکباز سپہ سالاروں کی لدھیانہ میں آمد پر لدھیانہ کے ہر کس و ناکس ہندو مسلمانوں کے والہانہ جوش عقیدت کو دیکھ کر لدھیانہ کے انگریز ڈپٹی کمشنر کے ہوش اڑ گئے۔ قہر حکومت لرزنے لگا ۱۸۵۷ء کے ظلم جبر و تشدد و بیرحمی کے بعد انگریز اس بات پر مطمئن ہو گئے تھے۔ کہ جس خاندان کی مسجدیں لوگوں کے سامنے برباد کی گئیں جنکی جائدادیں ضبط کر کے شہر کے لوگوں پر رعب طاری کیا گیا جنکے ماننے والوں کو سر بازار لدھیانہ میں پھانسیاں دیدی گئیں تھیں۔ ان مسلسل مصائب اور بے پناہ ظلم و ستم کے بعد حکومت انگریزی نے اپنی جگہ طے کر لیا تھا۔ کہ مجاہدین کا یہ خاندان پھر کبھی سر سبز نہ ہو سکے گا۔ اور اس خاندان کو وہ عظمت نصیب نہ ہو گی۔ جو ۱۸۵۷ء میں اس خاندان کو لدھیانہ میں حاصل تھی لیکن جب یک بیک اس خاندان کے اثر و رسوخ کو انگریزی سرکار نے دیکھا تو بیتاب ہو گئی۔ اور ان تینوں بھائیوں کو فوراً ہی گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا، یہ مقامی افسروں کا اقدام تھا۔ پنجاب کی حکومت اور مرکزی حکومت لدھیانہ کے ڈپٹی کمشنر کے اس اقدام پر متفق نہ ہوئی۔ مجبور ہو کر تین مہینے کے بعد مقامی گورنمنٹ نے تینوں پاسبان حق اور مجاہدین اسلام کو رہا کر دیا۔

شہریوں کا کمال عقیدت

ان پاکباز و پاک طینت مجاہدین اسلام کی رہائی پر سارے شہر میں خوشی کے شادیانے بجے اس رہائی کو علماء حق کی شاندار فتح سے تعبیر کیا گیا۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے زمانے میں جو جائدادیں ضبط اور مسجدیں برباد کر دی گئی تھیں۔ انہیں بہت سستے داموں میں انہیں علماء حق کے ایک خادم اور مرید نے اسی آس اور امید پر خرید لیا تھا کہ اگر دوبارہ علماء لدھیانہ واپس آ گئے تو میں بصد احترام و ادب انکی یہ جائدادیں ان کو واپس کر دونگا لیکن لدھیانہ میں علماء حق کی آمد سے کچھ ہی پہلے اس خادم و مرید کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور اسکی تمام جائداد اسکی بیوی (جو کشمیری تھی) کی ملکیت میں پہونچ گئی تھی۔ اس نیک بخت کشمیری عورت نے جو خود بھی علماء کرام کی دلدادہ اور عقیدت مند تھی نہایت ہوشیاری سے بہت ہی معمولی رقم کا بہانہ بنا کر مسجد اور مکان کی زمین علماء لدھیانہ کو واپس کر دی۔ اسطرح یہ خاندان دوبارہ اپنی آبائی

مسجدوں اور مکانوں میں آباد ہوا۔

مسجد و منزلی اور ارد گرد کے تمام مکانوں کو انگریزی فوجوں نے مسمار کر دیا تھا مسجد اور مکانوں کو تمام شہر والوں نے ملکر چند مہینوں میں دوبارہ پرانے ہی نقشوں پر تعمیر کر دیا۔ حضرت مولانا محمد صاحب نے اسی مسجد میں مدرسہ عربیہ جاری کیا۔ آپکے چھوٹے بھائی مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک چھوٹی سی خانقاہ میں بیٹھ کر لوگوں کو فیض روحانی سے مالامال کرنا شروع کیا۔ ان کی آمد سے لدھیانہ میں نئی اسلامی زندگی کی روح پیدا ہو گئی۔ ذکر و اذکار اور درس و تدریس کے سلسلے شروع ہو گئے۔ اور شہر میں علم و عرفان کے دریا بہنے لگے چند ہی مہینوں میں پنجاب اور یوپی میں علمار لدھیانہ کی واپسی کی شہرت پھیل گئی۔ لوگ دور دراز سے آکر فیض روحانی حاصل کرنے کیلئے بیعت ہوئے۔ اور مولانا شاہ محمد صاحب کے درس میں بیٹھکر علومِ اسلامیہ سے فیض یاب ہونے لگے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رامپوری رحمتہ اللہ علیہ اور مولانا احمد حسن صاحب کانپوری رحمتہ اللہ علیہ اسی زمانہ میں لدھیانہ تشریف لائے بطور شاگرد شاہ محمد صاحب سے علوم دینیہ حاصل کئے مولانا محمد عبداللہ صاحب رہائی کے بعد ضلع سہارنپور تشریف لیگئے۔ ضلع سہارنپور کے دیہات میں لوگ کثرت سے ان سے بیعت ہوئے۔ اسی گرد و نواح میں ان کا فیض روحانی مرتے دم تک جاری رہا۔ انتقال سے کچھ پہلے جب انہوں نے واپس لدھیانہ جانے کا ارادہ کیا تو سہارنپور کے اسٹیشن پر پہنچ کر اچانک بیمار ہو گئے اور اسی جگہ انتقال فرمایا۔ اسٹیشن کے قریب ہی آپکی تجہیز و تدفین عمل میں لائی گئی۔

شاہ زمان الملک کی لدھیانہ میں آمد

۱۸۳۶ء میں شاہ زمان الملک امیر کابل اور شاہ شجاع الملک اپنے وزیر فتح علی خاں سے شکست کھا کر انگریزی افواج کی مدد سے اپنے خاندان کے ساتھ لدھیانہ میں مقیم ہوئے۔ یہ خاندان پانچ سو نفر پر مشتمل تھا حکومت انگریزی کی طرف سے اس خاندان کی پچیس ۲۵ لاکھ روپے ماہانہ پنشن مقرر ہوئی فتح علی خاں نے شاہ زمان الملک کو آنکھوں سے معذور کر دیا تھا سلطنت کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد شاہ زمان کی پوری توجہ درویشانہ زندگی کی طرف ہو گئی۔ شاہ زمان لدھیانہ پہنچ کر اس تلاش میں مصروف ہو گئے

کر وہ کسی مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ اس تلاش و جستجو میں شاہ موصوف کو امام العارفین مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کا پتہ چلا۔ شاہ موصوف اپنے چند خادموں کو لیکر موضع بلیہ وال (جو لدھیانہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے) میں تشریف لے گئے اور مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ ہفتہ عشرہ حضرت کی خدمت میں رہ کر گاؤں کی زندگی کے مطابق معمولی قسم کا کھانا کھایا۔ شہر واپس ہونے سے پہلے شاہ زمان نے بصد ادب و احترام شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ لدھیانہ کے تمام لوگوں کی اور خود میری یہ آرزو ہے کہ آپ لدھیانہ میں قیام فرمائیں۔ تاکہ لوگ آپکے فیض علمی اور فیض روحانی سے فائدہ اٹھائیں۔ شاہ زمان الملک نے ایسے عاجزانہ طریقے سے درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔

لدھیانہ میں مرشد کامل کی آمد

لدھیانہ پہنچنے کے بعد حضرت امام العارفین نے مسلمانوں کے غریب ترین محلہ موچپورہ میں ایک کچا مکان اور کچی مسجد چھپر ڈالکر بنائی (جو آج مسجد دو منزلی کے نام سے محلہ موچپورہ میں موجود ہے) مسجد کے پہلے موذن کی خدمات شاہ زمان نے ادا کیں۔ شاہ زمان الملک روزانہ اپنے قصر شاہی سے (جو کہ حکومت ہند نے انکو لدھیانہ میں عطا کیا تھا)۔ دو فرلانگ کا فاصلہ طے کر کے پانچ وقت نماز پڑھنے کیلئے آتے۔ بلا کسی دری چٹائی کے کچی زمین پر امام العارفین کے پیچھے نماز ادا کرتے رہتے۔

شاہ زمان الملک اور شاہ شجاع الملک کے خاندان کے ساتھ پٹھانوں کی فوج کا کچھ حصہ بھی تھا وزراء حکومت بھی تھے۔ کمپنی کی حکومت انہیں انگریزی افواج کی مدد سے دوبارہ افغانستان کی کھوئی ہوئی حکومت کو واپس دلانے کی پالیسی پر کام کر رہی تھی۔ اسی بنا پر شاہ زمان الملک اور شاہ شجاع الملک کے لدھیانہ میں وہی ٹھاٹ باٹ تھے۔ جو بادشاہوں کے ہوتے ہیں۔ روزانہ قصر شاہی میں دربار ہوتا تھا شاہ زمان الملک اور شاہ شجاع الملک تخت پر بیٹھکر آنے جانے والوں سے شاہی آداب کے ساتھ ملاقات کرتے۔ جو آتا دست بستہ شاہی دربانوں کے ساتھ داخل ہوتا۔ اپنی عرض و معروض کر کے دست بستہ شاہی دربانوں کے ساتھ واپس ہوتا۔ حتیٰ کہ پنجاب کا انگریز گورنر بھی جب کبھی لدھیانہ

آکر شاہ زمان اور شجاع الملک سے ملا تو اسے بھی پورے شاہی آداب ادا کرنے پڑتے تھے۔

شہزادیوں کے نکاح پر تقریر

امام العارفین مولانا شاہ عبد القادر صاحب کو ایک دن معلوم ہوا کہ شاہ زمان الملک اور شاہ شجاع الملک کے خاندان میں آپس میں رشتہ کرنے کا رواج نہیں ہے۔ ان کی بیٹیاں بادشاہی جبر و تشدد کے سامنے گھٹ گھٹ کر زندگی گذارتی ہیں۔ اور سسک سسک کر جان دیدیتی ہیں یہ بات معلوم ہوتے ہی ایک روز صبح کو دس بجے کے قریب "مولانا" شاہ زمان الملک اور شاہ شجاع الملک کے قصر شاہی میں آداب شاہی کو بالائے طاق رکھکر بے نیاز و بے پرواہ ایک مرد درویش کی شان میں جا پہونچے۔ دونوں بھائی تخت پر متمکن تھے۔ امام العارفین نے سلام کہتے ہوئے تخت پر ان کے برابر بیٹھکر پہلے خطبہ مسنونہ پڑھا۔ پھر دونوں بھائیوں کو مخاطب کر کے لڑکیوں کے نکاح کی فضیلت پر قرآن و حدیث کی روشنی میں تقریر فرمائی۔ آخر میں دونوں بھائیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم لوگ بیٹیوں کی شادی نہیں کرتے۔ تمہاری بیٹیاں جبروت شاہی کے سامنے عمر بھر خوفزدہ ہو کر زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔ تم لوگوں کو چاہئے کہ اپنی عظمت و جبروت کی اس غیر اسلامی رسم کو چھوڑ کر لڑکیوں کی شادیاں کرو۔

اس تقریر کو سن کر شاہ شجاع الملک جوش میں آگئے کہ سر دربار ایک مرد درویش نے ہماری لڑکیوں کے رشتہ کا ذکر کر کے ہماری توہین کی ہے۔ شاہ شجاع الملک نے تلوار میان سے نکال لی اور کھڑا ہو گیا تب یہ سماں بندھ گیا۔ ؎

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا   وہ نگہ کی تیغ بازی یہ سپہ کی تیغ بازی

سارا دربار اس انتظار میں تھا کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ مگر امام العارفین کی "نگاہ تیر و تیر گئی دل وجود" کے مطابق اپنا کام کر چکی تھی۔ شاہ شجاع الملک کی تیغ بازی اپنا کوئی کام نہ کر سکی۔ تلوار ہاتھ میں لیتے ہی شاہ شجاع پر رعشہ طاری ہو گیا۔ اور اسکا سارا جسم کانپنے لگا۔ اپنی اس حالت کو دیکھکر شاہ شجاع الملک کو بڑی ندامت ہوئی۔ سپاہ کی تیغ بازی کو بر سر اجلاس نگاہ کی تیغ بازی

کے سامنے شکست ہوئی۔ شاہ شجاع نے اپنی اس حالت کو دیکھا، تو معافی مانگی۔ اور عرض کیا کہ ہمیں خاندانی وجاہت کو قایم رکھنے کیلئے برابر کے رشتے میسر نہیں آتے۔ اسلئے ہم لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے۔

شاہ زمان الملک آنکھوں سے معذور تھے۔ انہیں اپنے بھائی شاہ شجاع الملک کی ندامت اور معافی کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ دربار میں امام العارفین سے شاہ شجاع نے کیا سلوک کیا، اس پر وہ خود بھی بہت معذرت خواہ ہوئے۔ اپنے شیخ طریقت امام العارفین کی خدمت میں عرض کی میں اپنی لڑکی کا رشتہ اپنے بھائی شجاع الملک کے بیٹے سے کرنے پر تیار ہوں چندہی یوم کے بعد یہ رشتہ ہوا۔ اور خود امام العارفین نے لڑکے اور لڑکی کا نکاح پڑھایا، اس واقعہ نے لدھیانہ اور گردونواح میں بڑی شہرت پائی۔ شہر اور ضلع کے رؤسا سے لیکر غربا تک۔ ہزار ہا کی تعداد میں لوگ بیعت ہوئے اسطرح حضرت امام ربانی امام العارفین مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کا فیض روحانی عام ہو گیا۔ غیراسلامی رسم درواج پر یہ پہلی ضرب کاری تھی۔ جسنے شاہی خاندان کے جھوٹے سماجی اقتدار کو ختم کردیا امام ربانی کے فیض روحانی سے لدھیانہ کے رہنے والوں کی تمام زندگی تقویٰ وطہارت میں بدل گئی رسم درواج کے سماجی بندھن ٹوٹ گئے۔ برادری کا فخر وغرور خاک میں مل گیا۔ یہ فہم صدیقی اور جرأت فاروقی کی تجلیاں تھیں۔ جو لدھیانہ کے ہر کس وناکس کے زنگ آلود قلوب کو منور کر گئیں۔ ؎

مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی　　مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

امیر دوست محمد خاں والئی کابل کی گرفتاری اور لدھیانہ میں آمد

امیر دوست محمد خاں نے شاہ زمان الملک کو شکست دینے کے بعد تخت کابل پر بحیثیت بادشاہ کے قبضہ کرلیا تھا۔ امیر دوست محمد خاں کا رجحان چونکہ زار روس کی طرف تھا۔ اسلئے انگریز اسے ہٹاکر شاہ شجاع الملک اور شاہ زمان الملک کے خاندان کو دوبارہ تخت کابل پر بٹھانا چاہتے تھے چنانچہ ۱۸۴۰ء کے شروع میں شاہ شجاع الملک انگریزی فوج لیکر کابل پر حملہ آور ہوا۔ اس جنگ میں امیر دوست محمد خاں انگریزی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ اور شاہ شجاع دوبارہ تخت کابل

حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ امیر دوست محمد خاں گرفتاری کے زمانے میں دریائے ستلج کے کنارے ٹھیرے تو انہیں معلوم ہوا کہ لدھیانہ میں ایک بہت بڑے بزرگ اور ولئ کامل رہتے ہیں۔ امیر دوست محمد خاں نے حضرت امام العارفین مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں نیازمندی کیلئے پیغام بھیجا اور دوسرے دن خود ان کی مسجد دو منزلی میں حاضر ہوا۔ دوران گفتگو میں حضرت امام العارفین نے امیر دوست محمد خاں سے فرمایا۔ امیر صاحب آپ فکر نہ کریں شاہ شجاع الملک سلطنت کابل کو چلا نہ سکے گا۔ دوبارہ آپکو ہی سلطنت کابل کی بادشاہی حاصل ہوگی۔ اور جلد ہی شاہ شجاع الملک قتل کردیا جائیگا۔

امیر دوست محمد خاں کی کابل کو واپسی اور بیعت

۱۸۴۱ء میں امیر دوست محمد خاں کے لڑکے اکبر خاں نے انگریزی فوج اور شاہ شجاع کو شکست دی۔ اس لڑائی میں شاہ شجاع الملک بھی مارا گیا۔ سولہ ہزار انگریزی فوج میں سے صرف ایک فرد واحد ڈاکٹر برڈن بچکر قندھار کے راستہ ہندوستان پہونچا۔ اس واقعہ سے انگریزی حکومت کے ہوش اڑ گئے۔ مجبوراً امیر دوست محمد خاں سے کلکتہ میں صلح کی اور انہیں بادشاہ افغانستان تسلیم کرکے کلکتہ سے واپس افغانستان بڑی عزت وشان کے ساتھ روانہ کیا۔ امیر دوست محمد خاں واپسی میں لدھیانہ اترے۔ امام العارفین شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور کابل چلنے کیلئے بے حد اصرار کیا۔ امام العارفین نے فرمایا۔ امیر صاحب فقیر بادشاہوں کے حضور میں جاتے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔ آپ اطمینان سے حکومت کیجئے۔ اور اسلام کے احکام پر عمل کیجئے۔ لوگوں کے ساتھ انصاف کیجئے، ظلم وفساد سے اپنے کو بچایئے۔ امیر صاحب پند ونصائح سن کر کابل کی طرف روانہ ہوگئے۔ ؎

نہ تخت وتاج میں نے لشکر وسپاہ میں ہے جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے تعلقات

حضرت امام العارفین شاہ عبدالقادر صاحب لدھیانوی کے حضرت سید احمد صاحب سے بڑے گہرے

تعلقات تھے۔ دوران تعلیم میں بھی سید صاحب کے ساتھ رہے تھے۔ اسکے بعد تبلیغ جہاد کی کوششوں میں بھی حضرت امام العارفین سید صاحب کی اسکیم کے مطابق کچھ دنوں راجستھان میں کام کرتے رہے۔ اور نجیب آباد میں بھی رہے۔ ۱۸۳۶ء میں حضرت سید صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی اہلیہ نے سرحد جانے کی اسکیم کے بارے میں تین خطوط لکھے جو حضرت مولانا شاہ محمد صاحب نے شائع بھی کئے یہ خطوط مولانا مفتی نعیم صاحب (جو حضرت مولانا عبداللہ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں) کے پاس اب تک پاکستان میں محفوظ ہیں:

۲۱ اپریل ۱۹۵۱ء کو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی پٹنہ (بہار) صوبائی کانفرنس کے خطبہ صدارت میں تحریر فرماتے ہیں۔

محترم حضرات۔ آج سے پہلے اگرچہ میں کبھی بہار نہیں آیا، مگر بہار اور خصوصاً پٹنہ سے مجھے اور میرے خاندان کو ایک جذباتی تعلق ضرور رہا ہے، یہ تعلق اپنے ساتھ ایک تاریخ رکھتا ہے، میرے دادا مولانا محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد کئی برس تک گنگا کے کنارے پٹنہ میں کسی مسجد میں گذارے ہیں قیاس یہ کہتا ہے کہ آزادی ہند کی مساعی میں لدھیانہ اور علما پٹنہ کو جو ایک دوسرے سے علاقہ تھا اسی سلسلہ میں کسی آخری کوشش میں آئے ہوں گے مولانا ولایت علی صاحب کا پٹنہ سے سرحد جاتے ہوئے لدھیانہ میں ایک ماہ کا قیام اور میرے پردادا مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے نام حضرت سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ کے خطوط انہیں تعلقات کے سلسلہ کی کڑیاں ہیں، یہ خطوط اب بھی مولانا مفتی محمد نعیم[1] صاحب کے پاس پاکستان میں موجود ہیں۔

---

[1] مفتی محمد نعیم صاحب رشتہ میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے چچا ہیں۔ جو تقسیم ہند تک جمعیتہ علماء ہند کے نائب صدر تھے۔

اسی پٹنہ میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے والد حافظ ضیاء الدین مرحوم نے میرے دادا مولانا محمد صاحب کو ایک رات میں ایک رکعت میں پورا قرآن مجید سنا یا ہے۔ بہار کو جہاں یہ فضیلت ہے کہ یہ علماء و صلحا کا مسکن رہا ہے۔ اس بنا پر وہ ہندوستان اور بیرون ہند کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کی توجہات کو منعطف کراتا ہے، وہیں پٹنہ! میں آزادی ہند کے رہنمائے اسلام و ملک کے زعیم خطیب امت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی جائے پیدائش ہونے کا فخر بھی اسے حاصل ہے اس بنا پر مجھے پٹنہ آنے کی تمنا تھی جہاں حضرت شاہ صاحب پیدا ہوئے اور عمر کے ابتدائی ایام میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی

آزادئ ہند کا پہلا مکتب خیال ــــــ لدھیانہ

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبح گاہی   کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام بادشاہی

۱۸۸۵ء میں کانگریس کا قیام عمل میں آیا ہندوستان کی سیاست میں ایک نئی لہر پیدا ہو گئی۔ کانگریس کے سرگرم حامیوں میں مسٹر طیب جی، علی محمد بھیم جی، رحمت اللہ سیانی تھے۔ جونہی اس جماعت کا قیام ہوا۔ تو ۱۸۸۸ء میں سر آکلینڈ کالون   کے حکم و ارشاد پر سر سید احمد نے کانگریس کے خلاف تقریروں کا سلسلہ شروع کر دیا سر سید نے میرٹھ کی تقریر میں دانش فرنگ کی ترجمانی کرتے ہوئے مسلمانوں کو کانگریس میں شامل ہونے سے قانونی۔ انتظامی۔ سیاسی اور مذہبی دلائل کی بنا پر روکا۔ سر سید کے حواریوں نے کانگریس کے خلاف ہندوستان گیر پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ سر سید کے پروپیگنڈہ کی دو بنیادیں تھیں۔ مذہبی طور سے مسلمانوں سے کہا گیا۔ کہ ہندوؤں کے ساتھ ملکر کانگریس میں کام کرنا مذہباً ناجائز ہے۔ اور سیاسی طور پر مسلمانوں کا کسی جماعت میں شامل ہونا جو آزادانہ طور پر انگریزوں سے حقوق و اختیارات کا مطالبہ کرے اپنی موت پر دستخط کرنا ہے اس مذہبی اور سیاسی مخالفانہ پروپیگنڈے کو انگریزوں نے ہوا دی۔ ہندوستان میں جگہ جگہ اسکے چرچے ہونے لگے اس بے بنیاد پروپیگنڈے کے خلاف جناب طیب جی نے محمد علی بھیم جی کو ہندوستان کے آزاد خیال علماء کی خدمت میں کانگریس کے حق میں فتویٰ لینے کیلئے بھیجا محمد علی بھیم جی بمبئی سے چلکر ۱۸۸۸ء

میں لدھیانہ پہونچے۔ لدھیانہ پہونچکر محمد علی بھیم جی نے مجاہدین اسلام مولانا شاہ محمد صاحب اور قطب وقت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب سے کانگریس کے حق میں فتویٰ دینے کی درخواست کی اس درخواست پر مجاہد اسلام فقیہہ سیاست مفکر امت مولانا شاہ محمد صاحب نے ذیل کے دو سوال جناب محمد علی بھیم جی کی طرف سے مرتب کئے۔

سوال ۱۔ ایک جماعت قومی مسمی "نیشنل کانگریس" جو ہندو اور مسلمان وغیرہ سکنائے ہند کے واسطے رفع تکالیف و جلب منافع دنیاوی چند سال سے قائم ہوئی ہے۔ اور اس کا اصل اصول یہ ہے کہ بحث انہیں امور میں ہو جو کل جماعت ہائے ہند پر مؤثر ہوں لہذا ایسے امر کی بحث سے گریز کیا جائے جو کسی ملت یا مذہب کو مضر ہو۔ یا خلاف سرکار ہو تو ایسی جماعت میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں۔ ؟

سوال ۲۔ سید احمد خاں نیچری سلمہ جو ایک جماعت الیسوسی ایشن قائم کی ہے اور لوگوں کو بذریعہ اعلان مطبوعہ ۸ راگست ۱۸۸۸ء یوں ترغیب دے رہا ہے کہ میری جماعت میں بڑے بڑے ہندو ذی وجاہت مثل راجہ بنارس وغیرہ جو کانگریس کے برخلاف ہیں، ہر وہ شخص جو داخل ہو پانچ پانچ روپیہ چندہ ماہوار میرے نام علیگڈھ یا بنارس راجہ صاحب کے نام روانہ کیا کرے وغیرہ۔ وغیرہ۔ اور اسکی مدد کے واسطے جابجا الیسوسی ایشن اور انجمن اسلامیہ کے نام سے لوگوں نے شہروں میں قایم کی ہیں، جو شخص ان کے ساتھ اتفاق کرنے سے برخلاف معلوم ہوتا ہے۔ اسکے ساتھ طرح طرح کا فساد اور فتنہ برپا کر کے اس کو جبراً ملانا چاہتے ہیں، آیا ایسی جماعت میں مسلمانوں کو شامل ہونا اور ان کی مدد کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں، اور نیچری لوگ بدخواہ اسلام ہیں یا نہیں۔ ؟

فقیہ امت مفکر ملت حضرت مولانا شاہ محمد صاحب نے اپنے بھائی قطب عالم مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کو یہ دونوں سوالات مرتب کر کے دیئے۔ تاکہ وہ جمعہ کے وعظ میں بر سر منبر اعلانیہ

کلمۃ الحق کے مطابق ان سوالوں کا جواب شریعت حقہ کی روشنی میں بیان فرمائیں۔ قطب عالم مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے ان دونوں سوالوں کا جواب بڑی تفصیل کیساتھ بیان فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ کانگریس میں مسلمانوں کو شامل ہونا چاہئے۔ اور سید احمد صاحب کی کسی جماعت یا کام میں مسلمانوں کا شامل ہونا شرعاً حرام ہے۔ قطب عالم مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے ان سوالات کے جوابات کو تفصیلی طور پر درج کرنے سے پہلے ضروری ہے۔ کہ سرسید کے ۱۸۸۶ء میں کیا خیالات تھے۔ انکا مطالعہ بھی کیا جائے۔ ان خیالات کو جانے بغیر علماء لدھیانہ کی مومنانہ فراست سیاسی فہم و تدبر اور مسلمانوں میں پہلے مکتب خیال کی سیاسی اہمیت اور اسکے دور رس نتائج کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

شکایت ہے مجھے یارب خداوندان مکتب سے ‌‌‌‌‌‌‌‌ سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

سرسید کے خیالات

وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو "میری کہانی" کے جلد دوم صفحہ ۲۱۳ پر سرسید کے ذاتی خیالات کے بارے میں انکے ۱۸۶۹ء کے ایک خط کا جو سرسید نے انگلستان سے اپنے دوستوں کو لکھا تھا۔ پورا خط حسب ذیل الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

سرسید پر جو رعب اور چنبھے کی کیفیت یورپ کے پہلے سفر میں طاری ہوئی۔ اسکا نمایاں ثبوت جابجا ملتا ہے۔ ۱۸۶۹ء میں جب انہوں نے انگلستان کا سفر کیا۔ اور وہاں سے جو خطوط انہوں نے لکھے ان میں اپنے تاثرات کا ذکر کیا ہے۔ ایک خط میں وہ لکھتے ہیں۔

اس خط کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کی بداخلاقی اور ہندوستانیوں کو جانوروں سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل سمجھنا گو میرے لئے قابل معافی نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہم لوگوں سے ناواقفیت کی بنا پر وہ ایسا کرتے ہیں۔ اور میرا تو یہ خیال ہے کہ ہم لوگوں کے متعلق جو رائے انہوں نے قائم کی ہے۔ وہ زیادہ غلط بھی نہیں ہے انگریزوں کی بیجا تعریف کئے بغیر میں سچ کہتا ہوں۔ کہ ہندوستانی خواہ اونچے طبقہ کے ہوں یا نیچے طبقہ کے سوداگر ہوں یا معمولی دوکاندار، تعلیم یافتہ ہوں یا جاہل جب انکا مقابلہ تعلیم و اتفاق اور

دیانداری میں انگریزوں سے کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ وہی نسبت ہے، جو ایک گندہ جانور کو ایک خوبصورت اور لائق انسان سے ہوتی ہے۔ انگریز اگر ہندوستانیوں کو بزدل اور جانور سمجھتے ہیں۔ تو ان کے پاس اسکے وجوہ بھی ہیں۔ جو کچھ میں نے یہاں دیکھا اور ہر روز دیکھتا ہوں۔ وہ ہندوستان کے باشندوں کے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ وہ تمام روحانی اور مادی خوبیاں جو ایک انسان میں ہونا چاہیئیں۔ اللہ تعالیٰ نے یورپ کو اور بالخصوص انگلستان کو عطا فرمائی ہیں" ؎

وہ آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن پرکار و سخن ساز ہے نم ناک نہیں ہے "اقبال"

• دسمبر ۱۸۸۷ء میں سر سید نے لکھنؤ میں ایک تقریر کی جس میں سر سید نے ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔

"اگر کوئی گورنمنٹ ملک فتح کرے اور برہما لے لے یا افغانستان سے لڑے۔ اس سے صلح کرے ان سے ہم لوگوں کو جو ملک کے باشندے ہیں کچھ سروکار نہیں ہونا چاہئے۔

اس کونسل میں چند ممبر تنخواہ دار ہیں۔ علاوہ ان کے ہر صوبہ سے جو گورنمنٹ کی دانست میں نہایت ہوشیار اہلکار گورنمنٹ کے ہیں۔ مثلاً کمشنر یا اور کوئی واقف کار حال صوبہ جس نے مدت تک وہاں زندگی بسر کی ہے۔ عدالت کے کام فوجداری کلکٹری کے کام سے اس ملک اور اس ملک کے حال سے واقف ہے ہر صوبہ سے بلاتی ہے پنجاب سے اودھ سے، شمال و مغرب سے، مدراس و بمبئی سے، اور ان کو مشورہ میں شریک کرتی ہے گورنمنٹ ہندوستانی رئیسوں میں سے جن کو وہ اس کرسی پر بیٹھنے کے قابل اور بہ اعتبار عزت مناسب سمجھتی ہے ان کو بھی بلاتی ہے۔ باعتبار عزت کے کیوں بلاتی ہے شاید اس بات پر لوگوں کو شبہ ہوگا کہ باعتبار عزت کے کیوں بلاتی ہے باعتبار لیاقت کے کیوں نہیں بلاتی۔ اسکی بابت اے حضرات میں کچھ بیان کرونگا کیا ہمارے ملک کے رئیس اس کو پسند کریں گے کہ ادنیٰ قوم یا ادنیٰ درجہ کا آدمی خواہ اس نے بی اے-A-B کی

ڈگری بی ہو۔ یا ایم۔ اے (M.A.) کی۔ اور وہ لائق بھی ہو۔ ان پر حکومت کرے۔ ان کے مال، جائداد۔ اور عزت پر حاکم ہو کبھی نہیں۔ کوئی ایک بھی پسند نہیں کرے گا۔ (چیرز)

گورنمنٹ کی کونسل کی کرسی نہایت معزز ہے۔ گورنمنٹ مجبور ہے کہ سوائے معزز کے کسی کو نہیں بٹھا سکتی۔ اور نہ وائسرائے اسکو (مائی کلیگ یا مائی آنریبل کلیگ) یعنی برادر اور یا معزز صاحب کہہ سکتا ہے نہ شاہانہ ڈنروں میں اور نہ شاہی جلسوں میں جہاں ڈیوک اور ارل اور بڑے بڑے معززین شامل ہوتے ہیں، بلایا جا سکتا ہے

بہر حال قانون میں کچھ نقص ہو یا نہ ہو۔ مگر طریقہ بنانے کا ایسا ہے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ گورنمنٹ خود مختاری سے جو کچھ چاہتی ہے۔ وہ کرتی ہے۔ ہم رعایا کی رائے نہیں لیتی نہ سنتی ہے۔ اور جو لوگ عذر کرنا چاہتے ہیں۔ ان پر غور نہیں کرتی۔ بلکہ اس بیان کے بعد میں کہہ سکتا ہوں کہ گورنمنٹ کوئی قانون جاری نہیں کرتی جب تک رعایا اور اخباروں کی رائے نہیں سن لیتی۔ اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا حصہ قانون میں نہیں ہے " بے شک ہے۔ اور بلا شبہ ہے"

سرسید کے ان خیالات سے کوئی بھی منصف مزاج ہندوستانی متفق نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ خیالات اس زمانے میں نہ صرف ہندوستانیوں بلکہ بالخصوص مسلمانوں کیلئے سم قاتل تھے آزاد خیال علماء اور مفکرین سیاست کیلئے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ کمر ہمت باندھ کر سرسید کی پالیسی کو ناکام بنائیں، اور مسلمانوں پر واضح کر دیں۔ کہ سرسید مسلمانوں کو میٹھا زہر یعنی دے رہا ہے، سرسید کے ماننے والے لوگ اکثر اس بات پر چراغ پا ہو جاتے ہیں کہ سرسید کی پالیسی مسلمانوں کے حق میں نہ صرف مفید تھی بلکہ سرسید مسلمانوں کے صحیح معنوں میں سیاسی امام تھے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "سرسید اسکول" کے دو نہایت ہی معتمد سیاسی نمائندوں کے بیان بھی یہاں درج کر دیئے جائیں تاکہ علماء لدھیانہ کے فتویٰ دینے کی اہمیت اور علماء حق کی مومنانہ فراست سے کسی کو انکار کی جرأت نہ ہو۔ سر رضا علی نے تحریک علیگڈھ کے سلسلہ میں اپنی خود نوشت زندگی اعمالنامے کے صفحہ ۱۴۸ پر سرسید کے بارے میں حسب ذیل رائے کا اظہار کیا ہے۔

سر سید پر سر رضا علی کی تنقید

سر سید کا خیال تھا کہ اگر مسلمان گورنمنٹ کے وفادار رہیں اور گورنمنٹ مسلمانوں کے
کے ساتھ بھلائی کرے تو کانگریس کے لیے جوڑے دھڑوں کو نہ کبھی ملک میں قبولیت حاصل
ہوگی نہ انگلستان کے باشندے کانگریس کو کبھی ملک کا صحیح نمائندہ سمجھیں گے۔ مسٹر بیک
بڑی سلجھی ہوئی طبیعت کے آدمی تھے۔ موصوف نے موقعہ سے فائدہ اٹھاکر
سر سید کی دور اندیشی اور سیاسی دانشمندی کے دن رات ملا لگاکر سر سید کی طبیعت میں
ایسا دخل حاصل کر لیا کہ مرنے سے چند سال پہلے علی گڑھ کا واجب الاحترام سیاسی مقتدی
اہم پولیٹیکل معاملات میں جس رائے کا اظہار کرتا تھا۔ وہ آواز تو بیشک اس مقتدی کی ہوتی تھی
مگر خیالات تقریباً تمام مسٹر بیک کے ہوتے تھے"

سید رضا علی اپنے اعمالنامے میں صفحہ ۱۰۳ پر سر سید کے بارے میں کچھ اس رائے
کا اظہار کرتے ہیں"

اس زمانے کے بزرگوں کو مسلمانوں کی سیاسی منزل مقصود کا کچھ پتہ نہ تھا۔ سر سید
کے انتقال کو ابھی پورے تین سال بھی نہ ہونے پائے تھے اور مسلمان بالعموم یہی سمجھتے تھے
کہ اس ملک میں ان کے حقوق کا تحفظ انگریزی حکومت کے قیام پر منحصر ہے۔ سر انٹانی
میکڈانل نے جو پالیسی اپنی لفٹنٹ گورنری کے زمانے میں بنائی
اس سے اس خیال کا بطلان لازم آتا ہے۔ مگر گورنمنٹ پر آنکھیں بند کرکے بھروسہ کرنے
کا جو سبق سر سید احمد اور مسٹر بیک نے مسلمانوں کو عرصہ دراز تک پڑھایا تھا۔ اسکو یک
قلم فراموش کرنا مشکل تھا۔

کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھکو ❊ کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی
مثال ماہ چمکتا تھا جسکا داغِ سجود ❊ خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی
ہوا حریف مہ و آفتاب تو جس سے ❊ رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی"

سرسید کی تعلیمی اور سیاسی پالیسی کے انگریز پرست مسلمانوں پر کیا اثرات تھے۔ سرسید اور ان کے حواری مسلمانوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے سر رضا علی صفحہ ۱۱۲ و ۱۱۳ پر اپنی خود نوشت زندگی "اعمالنامے" میں لکھتے ہیں:

سرسید پارٹی سر رضا علی کی نظر میں

اس زمانہ کے اخباروں میں جو مباحثے مسلمانوں کے تحفظ حقوق اور سیاسی انجمن قائم کرنے کی ضرورت پر ہوئے۔ اسکا مطالعہ علی گڑھ کی مسلم سیاست کو سمجھنے کیلئے فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ جو پراس سیاست کا اثر اتنا گہرا تھا کہ اخبار "پانیئر" مورخہ ۴ اکتوبر ۱۹۵۱ء میں میں نے ایک مضمون لکھا جسکی عبارت حسب ذیل تھی۔

مسلمان رہنماؤں نے گورنمنٹ کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لئے جو گورنمنٹ کو مسلمانوں کی طرف سے غدر ۱۸۵۷ء کے واقعات کے سلسلہ میں پیدا کئے گئے تھے۔ ایک ایسی انوکھی پالیسی اختیار کی جسکا مطلب بالاجمال یہ تھا کہ ان رہنماؤں نے عام مسلمانوں کے ذہن نشین کیا کہ سیاسی مسائل پر مردے کی طرح خاموشی اختیار کرو۔ سیاست بڑا خطرناک کھیل ہے کبھی بھولے سے بھی تم اس کھیل کے قریب نہ جاؤ۔ اس سیاسی درس کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے دلوں سے حوصلہ مندی کے نقوش مٹ گئے اور جب کبھی سیاسی حقوق طلبی کا وقت آیا تو عام مسلمانوں نے اپنے رہنماؤں کے حکم کے اتباع میں کبھی حرف شکوہ و شکایت زبان پر نہ آنے دیا۔ اور سکوت سے کام لیا۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ اس حالت جمود میں ترقی ہوتی گئی تاآنکہ سیاسی خاموشی حصول مقصد کا ایک ذریعہ ہونے کی بجائے اپنی جگہ پر خود ایک مقصد بن گئی اور مسلمانوں کو پولیٹیکل معاملات سے کوئی سروکار نہ رہا۔ منجملہ اور خرابیوں کے اس پالیسی میں دو بڑی قباحتیں تھیں۔ ایک یہ کہ سیاسات سے بے تعلقی کے باعث ان میں اظہار حق کی جرأت باقی نہ رہی۔ اور اسطرح ان کی پولیٹیکل امنگوں اور ولولوں کا خاتمہ ہوگیا۔ دوسری قباحت

یہ ہوئی کہ گورنمنٹ کو مسلمانوں سے یہ توقعات پیدا ہوگئیں۔ کہ مسلمان کوئی ایسا عمل نہ کریں گے۔ جسکے کرنے والے اگر غیر مسلم فرقے یا غیر مسلم افراد ہوں تو انہیں بالکل لائق برداشت اور ناقابل اعتراض خیال کیا جاتا ہے۔ ذرا غور اسی بات میں ہمارے رہنما اس اعلان کی حقوق سمجھتے ہیں۔ کہ مسلمان کانگریس سے علیحدہ ہیں۔ بعض انگریز مدبروں کو روس کے ہندوستان پر حملہ کرنے کے خیال سے اتنا اضطراب پیدا نہیں ہوتا جسقدر بے چینی ہمارے رہنماؤں کو اس افواہ سے ہوتی ہے۔ جو مسلمانوں کے کانگریس میں شرکت کا ارادہ رکھنے سے تعلق رکھتی ہو۔

افرنگ زدہ

تیرا وجود سراپا تجلیٔ افرنگ	کہ تو وہاں کی عمارت گروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکر خاکی خودی سے ہے خالی	فقط نیام ہے تو۔ زرنگار و بے شمشیر

فراستِ مومن

سرسید کی افرنگ زدہ پالیسی کو نباض وقت فقیہہ سیاست مولانا شاہ محمد صاحب لدھیانوی اور قطب عالم حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب لدھیانوی کی مومنانہ فراست نے ۱۸۸۸ء ہی میں بھانپ لیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اسی وقت سرسید کی غلامانہ ذہنیت کے خلاف جرأت عارفانہ کے ساتھ اعلانات کیئے۔ سرسید کی مسلم کش پالیسی کے ذلیل کن اثرات سے آخر اسکا ایک جانشین نواب وقارالملک بھی تڑپ اٹھا۔ اور" بقول مولانا ابوالکلام آزاد"

صرف ایک نواب وقارالملک کا سچا اور مومن قلب تھا۔ جو ان فریب کاریوں کا متحمل نہ ہو سکا۔ اور علیگڑھ کے علائق کی ظلمت اسکے نور ایمان پر غالب نہ آسکی۔ انہوں نے جب اصلیت سے پردہ اٹھایا۔ تو روپیہ دینے والوں کے ہوش و حواس ذرہ ٹھکانے ہوئے اور پیشانیوں کو دیکھا تو پسینہ سے تر تھیں۔ لیکن اب شکوہ و شکایت کا موقعہ نہ تھا۔ وہ اجتماعی جوش اور قومی جذبات جو دوسری قومیں آزادی وطن جیسے مقاصد عالیہ کے لئے صرف

کرتی ہیں ہم ایک لفظ بے معنی کے پیچھے ضائع کر چکے تھے، اور رہزنوں سے پہلے خود ہم ہی نے دل اور جیب دونوں کو لوٹ لیا تھا۔

" ہیچو خراجے کہ بر خراب نویسند

نواب وقار الملک نے ۱۹۰۷ء میں سرسید کی فرنگیانہ سیاست کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا۔

علی گڑھ کا مرد حق پرست نواب وقار الملک

ان حالات کو دیکھکر وہ لوگ بہت متفکر ہو گئے کہ جن کے دل میں اپنے فرقے کا درد تھا، جا بجا باہم مشورے ہونے لگے۔ آخر کار کالج کے ٹرسٹیوں میں سے بعض لوگ سرسید کی تمام طاقت، اثر اور عظمت کے باوجود (جیسی عظمت اور جیسا اثر اب مدتوں تک کسی شخص کو حاصل نہ ہوگا) اس نتیجہ پر پہونچے کہ ہمیں صرف اپنے فرقے کے مفاد کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اور اس عظیم الشان لیڈر کا جو کچھ پاس و لحاظ ہے اسے بالائے طاق رکھ دینا چاہیے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ لاہور کے پیسہ اخبار میں مضامین کا ایک سلسلہ شائع کر دیا جائے۔ یہ مضامین گمنام طور پر نہ بھیجے جائیں بلکہ ایسی شخصیتوں کے دستخطوں سے شائع کر دیے جائیں جیسے۔ نواب محسن الملک، شمس العلماء مولوی خواجہ الطاف حسین حالی اور یہ احقر تھا۔ اس سلسلہ کا پہلا مضمون میں نے لکھا تھا، لکھکر نواب محسن الملک اور شمس العلماء مولوی حالی صاحبان کے پاس بھیجدیا تھا۔ جو کہ اس زمانہ میں غالباً علیگڈھ میں قیام پذیر تھے۔ تاکہ وہ بھی اپنے دستخط کر دیں ناگہاں مجھے سرسید کی وفات کی خبر ملی۔ میں نے نواب محسن الملک کو تار دیا کہ مضامین واپس بھیجدیں۔ کیونکہ اب ان کی وفات کے بعد ہمارے دلمیں ان کی جانب سے ان کی خوبیوں اور ان کی عظمت کے سوا اور کوئی خیال نہیں ہے۔ چونکہ مضامین کے اس سلسلہ کا خیال اسوقت ترک کر دیا گیا تھا، اور ان کے خلاف کوئی شکایت

بھی زبان قلم پر نہ آسکتی تھی۔ اسلئے اتنے عرصہ کی خاموشی کے بعد میں آج ان حالات کا انکشاف محض کالج کی بہبودی کے خیال سے کر رہا ہوں۔

علماء لدھیانہ کے فکر کی تاریخی کامیابی

نواب مشتاق حسین وقار الملک کے اظہار حق اور سر رضا علی کی سرسید کی پالیسی کے خلاف کھلی شہادت اور وہ بھی وہ شہادت جو سرسید کے بطن سیاست سے پیدا ہونے والے فرزند ارجمند نے پورے باون سال کی سیاسی آزمائشوں کے بعد عوامی عدالت میں اپنے جرم ہائے سیاہ کے اوپر پیش کی ہے۔ وہ اپنی جگہ پر خود فقیہ نیاست مفکر ملت مولانا شاہ محمد صاحب اور قطب عالم مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی دوربین فکری رہنمائی اور ان کے مکتب خیال کی تاریخی کامیابی کا بین ثبوت ہے، علی گڑھ کی اس تاریخی سیاست کو سامنے رکھتے ہوئے علماء لدھیانہ کے مکتب خیال کے آغاز پر فتوے کے جوابات آزادی ہند کی سیاست کا بنیادی پتھر ہیں۔

سرسید کی سیاست کے خلاف علماء کا فیصلہ

؎ وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

اللھم ارنا الحق حقاً والباطل باطلاً۔ جب دنیوی معاملات میں شریک ہونا ہنود سے بموجب آیات وحدیث جائز و درست ہے۔ تو اس مجلس (یعنی کانگریس) میں شریک ہونا کیونکر منع ہوگا جیسا کہ بازار جانا جہاں اکثر دوکاندار اہل ہنود ہوں، واسطے کاروبار دنیا کے منع نہیں اس طرح نیشنل کانگریس میں شریک ہونا جائز اور مباح ہے۔ (اقتباس جواب) چونکہ اصول قواعد کانگریس کے جہاں تک دیکھے گئے، مضر اسلام اور موجب عدم ترقی اہل اسلام نہیں ہیں پس اس میں شریک ہونا درست اور جائز ہے۔

سرسید کی اعانت کرنا ان سے علاقہ اور رابطہ پیدا کرنا ہرگز درست نہیں، سرسید احمد خاں کی جماعت الیسوسی ایشن ر جو ۸ راگست ۱۸۸۸ء کو قایم ہوئی ہے۔ اس جماعت میں داخل ہونا۔ اور ان کی مدد کرنا انکی شاخیں شہر بہ شہر قایم کرنا۔ فساد برپا کر کے

لوگوں کو دھمکانا۔ اور سرسید کو اپنا مقتدا دینی و دنیاوی امور میں ٹھیرانا ہرگز ہرگز درست نہیں جو فتوی سرسید نے خود تیار کر کے مسلمانوں کو دھوکا دینے کیلئے نیشنل کانگریس میں داخل ہونے کو کفر اور حرام ثابت کیا ہے۔ یہ سب دلیلیں سرسید احمد خاں نیچری پر ہی عائد ہوتی ہیں۔ کیونکہ نیچری سرسید احمد کی ایسوسی ایشن میں بڑے بڑے متعصب ہندو مثل راجہ بنارس کے شامل ہیں، پس اگر نیشنل کانگریس بہ سبب شمولیت ہنود کے واسطے داخلہ مسلمانوں کے ناجائز قرار دی جائے تو جماعت سرسید احمد خاں میں جو متعصب ہندو اور مرتدین شامل ہیں۔ پھر اس جماعت میں مسلمانوں کا شامل ہونا نہ صرف ناجائز ہے بلکہ حرام ہے۔

سرسید مسلمانوں کو میٹھی زہر پلا رہا ہے۔ سرسید کی جماعت "ایسوسی ایشن" "دام در سبزہ وار آئین" ہے۔ انکا زہر آلود افسوں انجام کار مسلمانوں کو ہلاک کر دے گا۔

دستخط مرتبین فتوی (۱) خادم علماء مولانا محمد عفی عنہ مفتی لدھیانوی (۲) عبدالعزیز عفی عنہ لدھیانوی (۳) مفتی محمد عبداللہ لدھیانوی (۴) مولانا عبدالواحد لدھیانوی۔ مولانا محمد اسمعیل

ان جوابات کو اور پورے فتوے کو محمد علی بھیم جی نے ستمبر ۱۸۸۸ء میں بمبئی میں شائع کرایا اس فتوے کو کلکتہ مدراس خصوصاً۔ الہ آباد لکھنؤ، علیگڈھ۔ اور جہاں کانگریس کی شاخیں قایم ہو چکی تھیں۔ ان سب شاخوں کو بھیجا۔

اس فتوے کے شائع ہونے کے ساتھ ہی فرنگی سیاست کے علیگڈھی مہروں میں سراسیمگی پھیل گئی۔ سرسید اور ان کی پارٹی کو امید نہ تھی کہ اس دور جبر و قہر میں انگریزی سیاست کی اولاد نرینہ کے خلاف کوئی زبان کھول سکیگا سرسید اور ان کی جماعت اپنی جگہ یہ سمجھے ہوئے تھی۔ کہ انگریزی طاقت اور جبروت کے مقابلے میں کون مسلمان ہے جسے زبان ہلانے کی ہمت ہوگی۔ یا اظہار حق کرے گا۔ سرسید کے خلاف چونکہ فتوے کے جوابات کی زبان نہایت سخت تھی۔ اور صحیح معنی میں مردان حر کی ضرب کاری تھی جس سے فرنگی سیاست کے مہرے ماہی بے آب

کی طرح تڑپنے لگے۔

اس ناقابل برداشت ضرب کاری کا جواب دینے کیلئے سر سید کی پارٹی فقیہہ سیاست مفکر ملت مولانا شاہ محمد صاحب اور قطب عالم مولانا عبدالعزیز صاحب کے خلاف فریبکارانہ سوالات بناکر۔ یو۔ پی اور پنجاب کے علماء سے فتویٰ لیکر ہزاروں کی تعداد میں اشتہارات کی صورت میں شائع کر کے تقسیم کرائے اور اپنے اس دام فریب میں شیخ گنگوہی مولانا رشید احمد صاحب کو بھی شامل کر لیا فقیہہ سیاست نباض وقت۔ مفکر ملت مولانا شاہ محمد صاحب نے قطب عالم مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے خلاف فتوے کی طرف شیخ گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کو توجہ دلائی تو شیخ گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے فوراً معذرت نامہ تحریر فرما کر فقیہہ سیاست مولانا محمد صاحب اور قطب عالم مولانا عبدالعزیز صاحب کے پاس لدھیانہ بھیجا۔ شیخ گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے معذرت نامہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

بندے کا جو فتویٰ طبع ہوا ہے۔ اسکے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ سوال مولانا عبدالعزیز صاحب لدھیانوی کی نسبت ہے۔ بندہ راہ راست کہکر مسلمانوں کو مطلع کرتا ہے اور اپنا ذمہ بری کرتا ہے۔ مولوی عبدالعزیز ہرگز ہرگز اس فتوے کے مصداق نہیں اس عبارت میں جو گستاخی کلام نسبت مولوی صاحب کے ہے۔ وہ نہایت نازیبا ہے۔ بندہ کے نزدیک ایسے کلام علماء کی شان میں موجب ہتک اسلام وعلم ہیں پس بندہ معذرت کرتا ہے اور معافی چاہتا ہے۔

رشید احمد گنگوہی عفی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۸۸ء میں علماء خاموش تھے۔ مدارس پر ہیبت طاری تھی۔ خانقاہوں میں سکوت کا عالم تھا لیکن ہر عالم، ہر مدرس، ہر صوفی۔ اپنی جگہ بے چین تھا کہ کس طرح میدان سیاست میں واپس آکر مسلمانان ہند کو فرنگی سیاست کے دام فریب سے بچایا جائے۔ لدھیانہ سے آزادی ہند کے پہلے مکتب خیال کے مفکرین کا میدان سیاست میں جرأت و دلیری کے ساتھ قدم رکھنا

ہی تھا کہ علماء ہند میں جرأت ایثار کے چشمے پھوٹ نکلے۔ سہارنپور، گنگوہ، دیوبند اور دہلی کے
علماء حق جو سیاست فی الحال دیکش و خاموش تھے پھر میدان عمل میں آگئے لدھیانہ سے آزادی ہند کی
سیاست کا جو سورج طلوع ہوا تھا اسکی روشنی اور گرمی ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچی چند ہی
مہینوں میں فقیہہ سیاست مولانا شاہ محمد صاحب اور قطب عالم مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے
فہم و تدبر نے ایک ہزار علماء اور مدرسین کو سرسید کے خلاف میدان عمل میں لا کھڑا کیا۔ اب
کانگریس کی حمایت و تائید میں سینکڑوں عربی مدارس کانگریس کے آفس بن گئے۔ مسجدوں کے
خطیبوں اور خانقاہوں میں کانگریس کی تبلیغ اور اشاعت کا کام زوروں پر ہونے لگا۔ اور
مسلمانوں پر سے فرنگی ہیبت و خوف کے پردے اٹھنے لگے۔ مولانا شاہ محمد صاحب کے فتویٰ کی
تائید میں جن علماء حق و مدرسین نے اور خانقاہوں کے پاک باز اور پاک طینت شیوخ نے
دستخط کئے ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) جوابات مولوی صاحب مذکورہ بسلسلہ شرکت کانگریس جائز ہے، اور سرسید احمد خان
کی جماعت ایسوسی ایشن میں شامل ہونا ناجائز ہے کیونکہ یہ شخص مسلمانوں کو میٹھا زہر پلا رہا ہے۔

(۲) علماء لدھیانہ کے خلاف جو فتویٰ دیا گیا ہے وہ غلط اور فریب کارانہ ہے۔

(۱) مولانا رشید احمد گنگوہی سہارنپوری (۶) مولانا شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبند (۱۱) مولانا عبدالقدیر صاحب دیوبند
(۲) مولانا احمد علی سہارنپوری (۷) مولانا محمد حسن ، دیوبند (۱۲) مولانا محمد ولو ساکن [illegible] ضلع مظفرنگر
(۳) مولانا پیر محمد سہارنپوری (۸) مولانا مولوی عبداللہ خاں دیوبند (۱۳) مولانا ابو محمد عبدالحق دہلوی
(۴) مولانا عنایت الٰہی۔ سہارنپور (۹) مولانا حافظ احمد حسن دیوبند (۱۴) مولانا محمد اسحاق صاحب دہلی
(۵) مولانا ثابت علی " (۱۰) مولانا محمد فضل عظیم دیوبند (۱۵) مولانا غلام رسول امرتسر
(۱۶) مولانا محمد کرامت اللہ دہلی

میں علماء لدھیانہ کو خوب جانتا ہوں اور ان کا معتقد ہوں۔ مولوی صاحبان فضل الٰہی سے
گوہر درج شریعت اور اختر برج ہدایت ہیں ان کی سعی دلیرانہ اور کوشش مردانہ ہے انھوں نے

ملتِ اسلامیہ کے گلشن کو اس قطعہ مختصر لدھیانہ اور اسکے مضافات میں رونق افزا تر و تازہ گل و لالہ کر دکھایا ہے ان کے مخالفین کے دل پر ان کی تقریروں سے ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کوشش حریت کیلئے ان صاحبان کو آفتاب و ماہتاب کہا جائے تو شک و شبہ نہیں۔

نام	مقام	نام	مقام	نام	مقام
(۱) مولانا غلام محمد	کرنال	(۱۶) احمد شاہ صاحب	امرتسر	(۳۱) حافظ علیم الدین	امرتسر
(۲) مولانا مولوی غلام رسول	امرتسر	(۱۷) مولانا عزیز بابا صاحب	״	(۳۲) مولانا عبداللہ شیخ	״
(۳) مولانا غلام مصطفیٰ	امرتسر	(۱۸) مولانا عبدالرحمان صاحب	״	(۳۳) مولانا امر الدین	״
(۴) مولانا عبدالعزیز صاحب	״	(۱۹) مولانا شہاب الدین صاحب	״	(۳۴) مولانا عبدالکبیر صاحب	״
(۵) مولانا غلام محمد صاحب	״	(۲۰) مولانا محمد شاہ صاحب	״	(۳۵) مولانا حضور اللہ صاحب	״
(۶) مولانا غلام محی الدین	״	(۲۱) مولانا عبداللہ صاحب	״	(۳۶) مولانا میاں نبی بخش صاحب	״
(۷) مولانا پیر عبداللہ صاحب	״	(۲۲) مولانا عبدالسلام صاحب	״	(۳۷) مولانا نظام الدین	״
(۸) مولانا غلام محی الدین بیگ	״	(۲۳) مولانا حیدر شاہ ملا جیون	״	(۳۸) مولانا حافظ کریم بخش صاحب	״
(۹) مولانا رسول بابا	״	(۲۴) مولانا احمد اللہ صاحب	״	(۳۹) مولانا انوار احمد صاحب	״
(۱۰) مولانا غلام نبی صاحب قادری	״	(۲۵) مولانا پیر غلام مصطفیٰ کاشمیری	״	(۴۰) مولانا عبداللہ مفتی شہر	لدھیانہ
(۱۱) مولانا فیض محمد صاحب	״	(۲۶) مولانا پیر رسول شاہ کاشمیری	״	(۴۱) مولانا عبدالواحد	״
(۱۲) مولانا حاجی غلام محی الدین صاحب	״	(۲۷) مولانا ابو عبداللہ احمد صاحب	״	(۴۲) مولانا نظام الدین	״
(۱۳) مولانا غنی شاہ صاحب	״	(۲۸) مولانا غلام محی الدین صاحب	״	(۴۳) مولانا رکن الدین	״
(۱۴) مولانا احمد خان	״	(۲۹) مولانا مہدی شیخ	״	(۴۴) مولانا محمد شفیع ناصر	رامپور
(۱۵) مولانا حیدر شاہ صاحب	״	(۳۰) مولانا حافظ حامد صاحب	״	(۴۵) مولانا محمد اسحاق	لدھیانہ

علماء انبالہ

جو جوابات سوالات مذکورہ کے دیئے گئے ہیں۔ صحیح اور درست ہیں۔

(۱) مولانا شیخ کامل پیر سائیں توکل شاہ (۲) مولانا عبدالرحیم خاں (۳) مولانا ظہور الدین صاحب سہارنپور

علمار سہارنپور

جو جوابات سوالات مذکورہ کے دیئے گئے ہیں۔ صحیح اور درست ہیں۔

(۱) مولانا احمد علی محدث سہارنپور (۴) مولانا محمد امیر باز خاں سہارنپور (۷) مولانا قمر الدین سہارنپور

(۲) مولانا ثابت علی صاحب خانپور " (۵) مولانا فضل الرحمان " (۸) مولانا عنایت الہی "

(۳) مولانا ابو الحسن " (۶) مولانا محمد دراز خاں صاحب " (۹) مولانا محمد منفعت علی دیوبند "

(۱۰) مولانا حافظ احمد حسن صاحب دیوبند

علمار پاک پٹن پنجاب

(۱) مولانا محمد سرفراز صاحب پاک پٹن (۲) مولانا غلام قادر پاک پٹن (۳) مولانا شاہ سوار چشتی۔ پاک پٹن

(۴) مولانا محمد عظیم " " (۵) مولانا محمد اسمٰعیل صاحب۔ ساکن جورا کلاں متصل قصور

علمار فیروزپور

جو جوابات مذکورہ سوالات کے دیئے گئے ہیں صحیح اور درست ہیں

(۱) مولانا جمال الدین صاحب فیروزپور (۳) مولانا سراج الدین فیروزپور (۵) مولانا عبد الرحیم فیروزپور

(۲) مولانا جمال الدین موضع امیر (۴) مولانا محمد حسین " (۶) مولانا محمد صدیق "

(۷) مولانا غلام محی الدین فیروزپور

علمار دہلی

جو جوابات مذکورہ سوالات کے دیئے گئے ہیں۔ صحیح اور درست ہیں۔

(۱) مولانا محمد حسین واعظ دہلوی (۳) مولانا گل محمد خاں دہلوی (۵) مولانا حبیب احمد صاحب دہلی

(۲) مولانا شاہ عالم " (۴) مولانا محمد قاسم " (۶) مولانا امام الدین دہلوی

(۷) مولانا حافظ محمد عبد اللہ ولد مولوی نور محمد۔ دہلوی۔

(۸) مولانا محمد ادریس دہلوی (۱۷) مولانا سید احمد دہلوی (۲۶) مولانا احمد یار صاحب دہلوی

(۹) مولانا محمد علاؤ الدین 〃 (۱۸) مولانا مفتی کرامت اللہ 〃 (۲۷) مولانا امام الدین صاحب 〃

(۱۰) مولانا محمد امیر الدین 〃 (۱۹) مولانا فضل الدین 〃 (۲۸) مولانا محمد اسمٰعیل 〃

(۱۱) مولانا قادر علی 〃 (۲۰) مولانا نور الہدیٰ 〃 (۲۹) مولانا محمد حسین 〃

(۱۲) مولانا مصطفےٰ 〃 (۲۱) مولانا محمد حسن صاحب 〃 (۳۰) مولانا حافظ رحیم بخش صاحب 〃

(۱۳) مولانا محمد 〃 (۲۲) مولانا محی الدین صاحب 〃 (۳۱) مولانا محمد عزیز الحسن صاحب 〃

(۱۴) مولانا شمس الدین صاحب 〃 (۲۳) مولانا سید محمود صاحب 〃 (۳۲) مولانا عبد اللہ 〃

(۱۵) مولانا سید مخلص الرحمان 〃 (۲۴) مولانا عبد الغفور صاحب 〃 (۳۳) مولانا محمد ابراہیم 〃

(۱۶) مولانا عبد الرحیم 〃 (۲۵) مولانا غلام محمد صاحب 〃

علماء رامپور

جو جوابات مذکورہ بالا سوالات کے دیئے گئے ہیں صحیح اور درست ہیں۔

(۱) مولانا عبد الواحد صاحب رامپوری (۳) مولانا محمد عبد اللہ رامپوری (۵) مولانا ریاست علی خاں صاحب رامپوری

(۲) مولانا ارشاد حسین صاحب 〃 (۴) مولانا حامد حسین 〃 (۶) مولانا گوہر علی صاحب 〃

علماء ملتان و تونسہ و بٹالہ و جموں

(۱) مولانا حافظ غلام محمد صاحب رئیس قصبہ بٹالہ (۸) مولانا عبد العلیم (ملتان پنجاب) (۱۵) مولانا فقیر خدا بخش صاحب تونسہ

(۲) مولانا غلام رسول صاحب 〃 〃 (۹) مولانا نظام الدین 〃 〃 (۱۶) مولانا فقیر علی صاحب گوہر تونسہ

(۳) مولانا غلام مصطفیٰ صاحب 〃 〃 (۱۰) مولانا غلام محمد سکنہ کوٹ شریف 〃 (۱۷) مولانا یار محمد تونسہ

(۴) مولانا سید محمد شمس الدین بٹالہ (۱۱) مولانا حافظ نور محمد کوٹلی ملتان (۱۸) مولانا نور محمد 〃

(۵) مولانا محمد فیروز الدین 〃 (۱۲) مولانا محمد صدیق 〃 〃 (۱۹) مولانا غلام محی الدین مکھو تونسہ

(۶) مولانا حکیم نور الدین جموں (۱۳) مولانا محمد 〃 〃 (۲۰) مولانا کریم بخش فتح آباد تونسہ

(۷) مولانا عبد الرحمان ملتانی (ملتان پنجاب) (۲۱) مولانا شاہ اللہ بخش صاحب تونسوی

علماء جالندھر و ہشیارپور

جو جوابات مذکورہ بالا سوالات کے دیئے گئے ہیں۔ درست اور صحیح ہیں۔

(۱) مولانا نجم الدین صاحب جالندھر	(۷) مولانا امانت علی نکودر جالندھر	(۱۳) مولانا محمد اشرف علی سلطان پور جالندھر
(۲) مولانا عزیز بخش 〃	(۸) مولانا مصطفیٰ 〃 〃	(۱۴) مولانا امام الدین کپورتھلہ جالندھر
(۳) مولانا سید رکن الدین صاحب 〃	(۹) مولانا عبداللہ خیر اللہ پور 〃	(۱۵) مولانا محبوب عالم ہشیارپور پنجاب
(۴) مولانا غلام محمد صاحب نکودر 〃	(۱۰) مولانا عبدالرحمٰن خیر اللہ پور 〃	(۱۶) مولانا فتح دین 〃 〃
(۵) مولانا عبدالکریم نکودر 〃	(۱۱) مولانا خیر اللہ 〃 〃	(۱۷) مولانا فتح محمد خیر اللہ پور جالندھر
(۶) مولانا نور محمد صاحب نکودر 〃	(۱۲) مولانا شاہ دین شاہ کوٹ 〃	(۱۸) غلام دستگیر قصوری لاہور

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے جواب میں مولانا عبدالعزیز صاحب قطب عالم لدھیانوی نے یہ فرمایا کہ ہندوؤں سے معاملہ کرنا درست ہے اور ایک جماعت مسمی نیشنل کانگریس ہندؤں اور مسلمانوں کے واسطے موقوف کرانے انکم ٹیکس وغیرہ کے قائم ہوئی، اس میں شامل ہونا جائز ہے۔ اور سر سید نے جو جماعت متعصب ہنڈوں اور مسلمانوں کی بنائی ہے، ان سے ملنا اور معاملہ کرنا شرعاً درست نہیں، آیا یہ جواب مولوی عبدالعزیز قطب عالم کا شرع کے مطابق ہے کہ نہیں،

جواب

(۱) ہنود زمانہ سے معاملہ کرنا بہ تحقیق شریعت جائز ہے خصوصاً اس معاملہ میں انہیں شریک کرنا جس میں رفاہ عام نفع انام و حفظ حقوق و مروت مخلوق ہو کہ اس میں خاص انہیں کا فائدہ نہیں بلکہ تمام اہل وطن کا نفع ہے ایسی جماعت میں شامل ہونا جائز ہے۔

(۲) سید احمد زبانی دعویٰ اسلام رکھتے ہیں۔ حقیقت میں دام در سبزہ و مار آستین ہیں۔ ان کا زہر آلود افسون انجام کار لوگوں کو ہلاک کر دیگا۔ اس لئے ان کے ساتھ ملنا شرعاً ناجائز ہے۔

دستخط۔ امام طبقہ علماء بریلوی مولانا احمد رضا خاں بریلوی •

بریلی شہر ۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ مطابق نومبر ۱۸۸۸ء

(مولانا) نیاز محمد خاں نقش بندی مجددی مراد آبادی (مولانا) محمد حسین تمنا مراد آبادی نقش بندی مجددی

علماء لاہور و قصور وغیرہ

جو جوابات مذکورہ بالا سوالات کے دیئے گئے ہیں۔ وہ صحیح اور درست ہیں۔ سرسید کے اقوال و افعال سے اہل اسلام کو انحراف کرنا لازم ہے۔ اور معاملات دنیا میں کانگریس سے شراکت کرنی درست ہے لیکن سرسید کی جماعت سے تعلق رکھنا ہرگز درست نہیں ہے۔

نام	مقام	نام	مقام	نام	مقام
(۱) مولانا غلام مرتضیٰ صاحب	بریلی	(۱۶) مولانا قل احمد	ساکن چک	(۳۱) مولانا محمد شاہ	لاہور
(۲) مولانا شیخ احمد وایکانی	لاہور	(۱۷) مولانا عبدالحق	لاہور	(۳۲) مولانا غلام محمد	؍
(۳) مولانا غلام نبی احمد	؍	(۱۸) مولانا علاء الدین بیا پڑہ	؍	(۳۳) نور احمد	؍
(۴) مولانا محمد نور الدین	؍	(۱۹) مولانا عبدالقادر دیروی	؍	(۳۴) مولانا محمد یار	؍
(۵) مولانا محمد امین	؍	(۲۰) مولانا عبدالغفار	؍	(۳۵) مولانا احمد دین	؍
(۶) مولانا عبدالصمد	؍	(۲۱) محمد مسکین	؍	(۳۶) مولانا محمد عبداللہ مفتی ٹونکوی	؍
(۷) مولانا غلام محی الدین	؍	(۲۲) مولانا ولی محمد	مرالیوار	(۳۷) مولانا سید غلام حسین	قصوری
(۸) مولانا غلام احمد	؍	(۲۳) مولانا غلام محمد صاحب	لاہور	(۳۸) مولانا سید محمد	قصوری
(۹) مولانا محمد عالم	؍	(۲۴) مولانا شیر محمد	؍	(۳۹) مولانا غلام مصطفیٰ	؍
(۱۰) مولانا غلام جیلانی	؍	(۲۵) مولانا خلیل احمد	بہاولپور	(۴۰) مولانا عبدالملک	؍
(۱۱) مولانا عبدالملک	؍	(۲۶) مولانا نذیر احمد صاحب	؍	(۴۱) مولانا محمد فضل حق	؍
(۱۲) مولانا عبدالقادر	؍	(۲۷) مولانا رشید احمد صاحب	؍	(۴۲) مولانا سید محمد عبداللہ	؍
(۱۳) مولانا عبدالعزیز	؍	(۲۸) مولانا محمد غوث	؍	(۴۳) مولانا سید محمد زمان شاہ	؍
(۱۴) مولانا غلام رسول	وارد ؍	(۲۹) مولانا احمد بخش	؍	(۴۴) مولانا عبدالحیٰ	لاہور
(۱۵) مولانا عبدالکریم	قاضی شاہ پور	(۳۰) مولانا مشتاق احمد قادر بخش	؍	(۴۵) مولانا محمد فضل اللہ	؍

(۴۶) مولانا محمد ابراہیم لاہور (۵۵) مولانا خواجہ ضیاء الدین احمد لاہور (۶۴) مولانا سید شبیر علی لاہور

(۴۷) مولانا محمد یوسف ؍؍ (۵۶) مولانا شفیع اللہ محمد کریم اللہ ؍؍ (۶۵) زین العابدین بھوپال ؍؍

(۴۸) مولانا محمد نذیر حسن انبالہ (۵۷) مولانا محمد یعقوب ؍؍ (۶۶) مولانا احمد گل لاہور

(۴۹) مولانا غلام محمد صاحب ہوشیارپور (۵۸) مولانا محمد نور نبی ؍؍ (۶۷) مولانا محمد جان بھوپال

(۵۰) مولانا مسعود حسن دہلوی (۵۹) مولانا محمد حبیب اللہ ؍؍ (۶۸) مولانا عزیز الرحمٰن ؍؍

(۵۱) مولانا شہاب الدین ہوشیارپوری (۶۰) مولانا سید حسن شاہ ؍؍ (۶۹) مولانا سید محمد صاحب ؍؍

(۵۲) مولانا حاجی محمد برکت اللہ ؍؍ (۶۱) مولانا عبد اللہ خاں ؍؍ (۷۰) مولانا سید عبد اللہ ؍؍

(۵۳) مولانا منصور علی لاہور (۶۲) مولانا ظہور الحق ؍؍ (۷۱) مولانا ابو الفضائل سید غلام رسول ؍؍

(۵۴) مولانا ناصر الاسلام ؍؍ (۶۳) مولانا محمد احسن ؍؍ (۷۲) مولانا ذو الفقار احمد لاہور

علماء مدینہ منورہ و بغداد

الجواب کلہا صحیحۃ : تمام مذکورہ جوابات درست ہیں

(۱) مولانا الحاج علی بن یوسف خادم روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ

(۲) مولانا طاہر افندی البغدادی خادم روضہ حضرت شاہ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بغداد

مردِ مسلمان

(۱)
ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
ہمسایۂ جبریل امیں(۳) بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں
قدرت کے مقاصد کا عیار(۵) اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان

(۲)
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
یہ راز کسی کو نہیں(۴) معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
جس سے جگر لالہ میں(۶) ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

فطرت کا سرودِ ازلی[7] اس کے شب و روز | بجتے ہیں مری کارگہِ فکر میں انجم[8]
آہنگ میں یکتا صفت سورہ رحمان | لے اپنے مقدر کے ستاروں کو تو پہچان

فتوے کی کتابی صورت میں ترتیب اور علماء ہند کی تائید

فقیہہ سیاست مفکر ملت مولانا شاہ محمد صاحب لدھیانوی نے ستمبر ۱۸۸۸ء مطابق ۲۶ محرم الحرام ۱۳۰۶ھ کو مذکورہ علماء کے پاس فتوے کو کتابی صورت میں شائع کرنے کیلئے خطوط لکھے جسکے جواب میں مذکورہ علماء نے قطب عالم مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس اپنے تائیدی جوابات بھیج دیئے آخری جواب مولانا احمد رضا خاں صاحب نے نومبر ۱۸۸۸ء مطابق ۱۷ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ کو ارسال کیا۔ ان جوابات کے پہونچتے ہی مفکر ملت فقیہہ سیاست حضرت مولانا شاہ محمد صاحب نے نصرۃ الابرار ... کے نام سے اس فتویٰ کو دسمبر ۱۸۸۸ء کے [illegible] ہفتہ میں کتابی صورت میں شائع کر دیا۔ کیونکہ ۲۲ر دسمبر ۱۸۸۸ء کو کانگریس کا اجلاس الہ آباد میں منعقد ہونے والا تھا اس اجلاس میں تقسیم کرنے کیلئے یہ فتویٰ کتابی صورت میں خواجہ احمد شاہ لدھیانوی نے آزاد خیال رئیس اور حضرت مولانا شاہ محمد کے مرید تھے۔ انکو لدھیانہ شہر سے آل انڈیا کانگریس کا رکن بنا کر الہ آباد ان کے ذریعہ بھیجا گیا اس اجلاس کی پہلے تین اجلاس کے مقابلہ میں خصوصیت یہ تھی کہ اب کے کانگریس کے اجلاس میں ۱۲۴۸ ممبران وارکین شامل ہو رہے تھے۔ چنانچہ فتویٰ کانگریس کے اجلاس اور یو۔پی کے شہروں میں جہاں جہاں سرسید کی جماعت [illegible] یا ان کا اثر تھا تقسیم کیا گیا۔ اس فتوے کے تقسیم ہوتے ہی سرسید کی انگریزی سیاست کے عروج کی تمام کوششیں بیکار ہو گئیں۔ جو کہ وہ تین سال سے متواتر کر رہے تھے۔

فتویٰ نصرۃ الابرار کی تاریخی اہمیت

گذشتہ تیس سال میں کانگریس کی تحریک کے بنیادی ممبران کے تفصیل کے ساتھ جو تذکرے تاریخی نقطۂ نظر سے قلم بند کیئے گئے ہیں۔ ان تذکروں میں نصرۃ الابرار کے فتوے کو سنگ بنیاد کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ مشہور مورخ مولانا سید طفیل احمد کاظمی اپنی کتاب "مسلمانوں کے روشن

مستقبل" میں صفحہ ۹۳ ۲۹۲ پر حسب ذیل الفاظ میں فتوے کو اسطرح پیش کرتے ہیں۔

بعض مسلمانوں نے کانگریس کی شرکت کے عدم جواز کے فتوے شائع کئے اس کے جواب میں مولانا شاہ محمد صاحب لدھیانوی اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب لدھیانوی نے (جو مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب صدر احرار اسلام ہند کے دادا تھے) نصرۃ الابرار کے نام سے فتوؤں کا ایک مجموعہ شائع کیا جس میں۔ لدھیانہ۔ جالندھر ہوشیارپور کپورتھلہ۔ امرتسر۔ چھپر الجرات۔ جموں۔ فیروزپور۔ قصور ملتان۔ پاک پٹن۔ انبالہ سہارنپور گنگوہ۔ مظفرنگر۔ دہلی۔ رامپور۔ بریلی۔ مرادآباد مدینہ منورہ۔ بغداد شریف۔ وغیرہ کے علماء کرام کے دستخط تھے۔ اور دستخط کرنے والوں میں اس زمانے کے تمام نامی علماء مثل مولانا رشید احمد گنگوہی۔ مولوی لطف اللہ علیگڈھی۔ ملا محمد مراد۔ مظفرنگری وغیرہ کے نام شامل تھے۔ ان فتوؤں میں دکھایا گیا تھا۔ کہ دنیوی امور میں ہندوؤں کے ساتھ ملکر کام کرنا جائز ہے۔ مگر چونکہ کانگریس کی عام کارروائی اور تقریریں انگریزی میں ہوتی تھیں اسلئے علماء اس میں حصہ نہ لے سکے۔ دراصل اس زمانہ میں مسلمان بڑی کشاکش میں پڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف تو سرسید جیسی بڑی شخصیت کے لوگ کانگریس کے مخالف تھے اور دوسری طرف بدرالدین طیب جی (صوبہ بمبئی اور مدراس اسکے موافق تھے بمبئی کے تاجر علی محمد بھیم جی تمام ملک میں کانگریس کیلئے دورے کرتے پھرتے تھے طیب جی نے سرسید کو ایک چٹھی لکھی تھی۔ کہ کانگریس نے یہ طے کیا ہے کہ اگر کچھ مسلمان ڈیلی گیٹ کسی امر کے مخالف ہوں گے۔ تو وہ کانگریس میں پیش نہ ہو سکے گا۔ اس کا جواب سرسید نے یہ دیا کہ جب کانگریس ایک سیاسی جماعت ہے تو کوئی اصولی سیاسی مسئلہ ایسا نہیں ہے خصوصًا جن کے لئے کانگریس قایم ہوئی ہے، جو مسلمانوں کے برخلاف نہو۔

علی گڈھ کی پہلی سیاسی انجمن

بالآخر ۱۸۸۸ء میں علیگڈھ میں "یونائیٹڈ انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن" یعنی جماعت محبان

دلمن قایم کیگئی جو ہندو مسلمان دونوں قوموں کی شرکت کی وجہ سے (یونائیٹڈ) کہلاتی تھی۔ اسکے مقاصد یہ تھے۔

الف ممبران پارلیمنٹ اور انگلستان کے لوگوں کو بذریعہ رسائل و اخبارات مطلع کرنا کہ ہندوستان کی کل قومیں رؤسا اور والیان ملک کانگریس میں شریک نہیں ہیں کانگریس کی غلط بیانیوں کی تردید کرنا۔

(ب) مسلمانوں اور ہندؤں کی انجمنوں کے خیالات سے جو کانگریس کے خلاف ہیں ممبران پارلیمنٹ اور انگلستان کے لوگوں کو اطلاع دینا۔

(ج) ہندوستان میں امن و امان اور برٹش گورنمنٹ کے استحکام کی کوشش کرنا۔ کانگریس کے خیالات کو لوگوں کے دلوں سے دور کرنا۔

اس جلسہ میں قرار پایا والیان ملک کو اس جماعت کا سرپرست بنایا جائے۔ انگریزی میں رسالے مرتب کرانے اور انہیں مرتب کرنے اور چھپوانے کیلئے ایک یورپین ایڈیٹر مقرر کیا جائے تاکہ اس جماعت کی پالیسی ایک یورپین کے ہاتھ میں ہو

ان امور کی وجہ سے عام طور پر یہ جماعت "اینٹی کانگریس" کے نام سے مشہور ہوئی کیونکہ اسکا بجز کانگریس کی مخالفت کے اور کچھ کام نہ تھا۔ یہ امر کہ یہ تمام اسکیم مسٹر بیک کے دماغ کا نتیجہ تھی اس اعلان سے عیاں تھا جسمیں شرکت انجمن کے لئے خط و کتابت کرنے کے واسطے علیگڈھ میں مسٹر بیک اور سر سید کے نام شائع کئے گئے تھے۔ اس انجمن کی ایک شاخ انگلستان میں قایم کی گئی تھی۔ جس کا دفتر مسٹر مارلین کے بنگلہ میں تھا زیادہ تر صوبہ متحدہ کے تمام بڑے بڑے مسلمان نواب اور ہندو راجہ رئیس اور انگریز شامل تھے۔ راجہ شیو پرشاد صاحب سی۔ آئی۔ (بنارس) نے تعلقہ داران اودھ کے جلسہ میں دو تجاویز پیش کی تھیں

پہلی یہ کہ ایک "انڈین رائل ایسوسی ایشن" قایم کیا جائے جسکی شاخ پیٹریاٹک ایسوسی ایشن جو علی گڈھ میں قایم ہو چکی تھی قرار دی جائے۔ دوسرے یہ کہ ایک انگریزی زبان میں فساد انگیز

اور بغاوت خیز تقریروں اور تحریروں کا انسداد کرنے کیلئے گورنمنٹ سے درخواست کی جائے جسکا منشا، یہ تھا کہ کانگریس خلاف قانون قرار دی جائے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کانگریس کے جس اجلاس کی مخالفت اس شدومد کے ساتھ کی گئی۔ اور اسکے خلاف "انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن" یعنی محبانِ وطن قائم کی گئی۔ اس اجلاس پر کانگریس نے جو چار تجویز پاس کی تھیں۔ ان میں سے کونسی تجویز ملک کے نفع کے خلاف تھی جس کی مخالفت اس شدومد کے ساتھ کی گئی۔

یہ تجاویز ذیل میں درج ہیں۔

(۱) شراب خوری کو کم کرنے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کی جائیں۔

(۲) تعلیم پر خرچ زیادہ کیا جائے۔ اور اگر یہ نہ ہوسکے تو خرچ گھٹایا نہ جائے۔

(۳) دوامی بندوبست قایم کر دیا جائے

(۴) نمک کا محصول جو گورنمنٹ نے بڑھا دیا ہے۔ اسپر ناپسندیگی کا اظہار کیا جائے

کیا یہ تجاویز ایسی خطرناک تھیں کہ ممبران پارلیمنٹ کو ان کے مضر اثرات بتانے کیلئے دارالاشاعت قایم کرکے اسکی پالیسی ایک یوروپین ایڈیٹر کے ہاتھ میں دینا ضروری سمجھا گیا۔ کیا یہ صریحی ابلہ فریبی نہ تھی دوسرے مورخ ہندوستان کے موجودہ صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے اپنی کتاب "ہندوستان کی سیاسی تاریخ" اور "ہندوستان کا مستقبل" کے عنوان سے یکم جون ۱۹۴۶ء کو انگریزی اور اردو زبان میں شائع ہوئی، میں نصرۃ الابرار کے فتوے کو کانگریس تحریک کے روح رواں کے طور پر حسب ذیل الفاظ میں صفحہ ۲۰۴ پر اسطرح تحریر فرمایا ہے۔

بعض لوگوں نے ایسے مسلمانوں کے خلاف جو کانگریس میں شریک ہوں فتویٰ شائع کر دیا، اس فتوے کے خلاف مولانا شاہ محمد صاحب لدھیانوی نے لدھیانہ۔ جالندھر ہوشیارپور۔ کپورتھلہ۔ امرتسر۔ چھپرا۔ گجرات۔ جونپور۔ فیروزپور۔ قصور۔ مظفرنگر۔ دہلی رامپور۔ بریلی۔ مرادآباد۔ اور مدینہ منورہ اور بغداد کے علماء سے فتویٰ حاصل کرکے شائع

کیا جن علماء نے اس فتویٰ پر دستخط کئے تھے۔ قریب قریب سب اس زمانے کے چوٹی کے علماء تھے۔ فتوے میں یہ مذکور تھا۔ کہ دنیاوی معاملات میں مسلمانوں کیلئے یہ جائز ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ ملکر کانگریس میں کام کریں ان تمام حالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جہاں ایک طرف سر سید کی بڑی شخصیت کانگریس کی مخالف تھی۔ وہاں بمبئی اور مدراس کے مسلمان مسٹر طیب جی اور محمد بھیم جی رحمت اللہ سیانی کی سرکردگی میں کانگریس کے حامی تھے۔ اور تمام علماء اسلام نے اسمیں شرکت کو مسلمانوں کیلئے جائز قرار دیدیا تھا۔

تیسرے مورخ مولانا محمد میاں دیوبندی نائب ناظم جمعیت علماء ہند میں۔ انہوں نے اپنی کتاب "علماء حق" حصہ اول کے صفحہ ۱۰۲ پر حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ گنگوہی کی معذرت کے سلسلہ میں نصرت الابرار کی سیاسی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

۱۸۵۷ء میں جسطرح حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز نے اپنے شیخ طریقت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی زیر قیادت جہاد آزادی میں حصہ لیا تھا۔ اسی طرح لدھیانہ کے اس خاندان نے بھی اس جہاد میں بہت کافی حصہ لیا تھا جسکے ایک رکن مولانا عبدالعزیز صاحب لدھیانوی نقشبندی مجددی تھے۔ اور آج مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی اور مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی اسی حریت پسند خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

۱۸۸۵ء میں جب انڈین نیشنل کانگریس قایم ہوئی تو مولانا موصوف نے اسکی حمایت کی۔ سر سید گروپ نے ان کے برخلاف ایک طوفان اٹھا دیا اور ایک فرضی استفتاء مرتب کرکے علماء سے اسکا جواب حاصل کیا۔ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز سے اس پر دستخط کرائے گئے۔ اور پھر یہ فتویٰ مولانا عبدالعزیز صاحب لدھیانوی پر چسپاں کرکے پروپیگنڈا کیا کہ مولانا عبدالعزیز صاحب لدھیانوی ہندوؤں سے مل گئے۔ ایمان فروش ہیں فاسق ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مولانا عبدالعزیز صاحب لدھیانوی نے جب یہ تماشہ دیکھا تو حیران رہ گئے حضرت مولانا گنگوہی کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ واقعہ کے انکشاف کے بعد حضرت گنگوہی اور تمام حضرات نے (جن کے اسمار گرامی مولانا عبدالعزیز لدھیانوی کے برخلاف ملامت اور نفرت انگیز طریقہ سے استعمال کئے گئے تھے) معذرت کی

فتویٰ ظاہر کرتا ہے کہ ایسے مسلمانوں کے ساتھ اشتراک عمل اور تعلق انتہا درجہ خطرناک ہے، جو اسلام کے نام پر اپنی اغراض اور اپنے ذاتی خیالات کو کامیاب بنائیں

فقیہہ سیاست امام ملت نباض وقت مولانا شاہ محمد صاحب

لدھیانوی اور قطب عالم مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب لدھیانوی نے اپنی مومنانہ فراست سے آنے والے سو برس کے واقعات کا پوری بصیرت سے اندازہ کر لیا تھا۔ انہیں اس بات کا پکا یقین تھا کہ ہندوستان کی غلامی کے بعد انگریزی حکومت، عالم اسلام کو غلام بنانے کے لئے کوئی کسر نہ اٹھا رکھے گی۔ اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ اب ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد مسلمانوں اور ہندوؤں کی مشترکہ جماعت کے بغیر جاری نہیں رہ سکتی۔ جنگ آزادی کے بعد ہندوؤں کو من حیث القوم انگریزی کی سرپرستی سے اس طرح نکالا جا سکتا ہے کہ ہندوؤں کے ملکر جدوجہد آزادی میں حصہ لیا جائے۔

ہندوؤں کو جدوجہد آزادی کیلئے میدان عمل میں لے آنا یا آزادی ہند کی جدوجہد کے لئے صف اول میں رکھنا اس لئے ضروری تھا۔ کہ ہندوستان کے ہندو سیاسی طبقے مغلوں کے دور حکومت کے خاتمہ اور انگریزوں کی آمد کو اپنے لئے باعث نجات اور ہندوستان میں ہندوؤں کی آزادی کا سبب سمجھتے تھے۔ ایسے نازک وقت میں علمار لدھیانہ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ جماعت کے ذریعہ آزادی حاصل کرنے کا فتویٰ دیکر نہ صرف ہندوستان کی آزادی کا سنگ بنیاد رکھا۔ بلکہ عالم اسلام کی محافظت اور آزادی کیلئے تاریخی رہنمائی کی ؎

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی — جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے — بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

علماء لدھیانہ کی آنے والے حالات پر گہری نظر تھی۔ انہیں ہندوستان کی غلامی کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کی غلامی نظر آرہی تھی چنانچہ ۱۸۹۶ء میں انگریزی حکومت نے سوڈان اور مصر پر حملہ کرکے ترکوں کی سلطنت کو ختم کیا، اور دوسری طرف یونان کی جنگ میں ترکوں کے خلاف یونانیوں کو جنگ میں مدد دی عالم اسلام کے خلاف انگریزوں کی اس یورش میں انگریزی سیاست کے ہندوستانی منقاد امام۔ سرسید احمد خاں نے عالم اسلام کے خلاف انگریزی حکمت عملی اور جنگی کارروائیوں کے ملہار گانے شروع کئے۔

مولانا سید طفیل احمد کاظمی مصنف "مسلمانوں کا روشن مستقبل" نے عالم اسلام کو غلام بنانے کی اس خوفناک سازش کو ان الفاظ میں صفحہ ۲۷۳ پر بیان کیا ہے۔

"انگریزوں اور ترکوں کے درمیان ۱۸۸۲ء میں جب مصر کے بارے میں بدمزگی ہوئی۔ تو سرسید نے انگریزوں کی تائید کی۔ اور ان کی تحریک سے مولوی سمیع اللہ خاں صاحب (جو علیگڈھ کالج قائم کرنے میں ان کے دست راست تھے) حکومت کی طرف سے مصر بھیجے گئے۔ انہوں نے مصری نوجوانوں کے خیالات انگریزوں کی طرف سے درست کرنے اور سیاسی امور میں لارڈ کرومر کا ہاتھ بٹانے میں نمایاں حصہ لیا جس کے صلہ میں انہیں سی۔ ایم۔ جی کا خطاب ملا۔

اس زمانے میں جمال الدین افغانی مصر سے ملک بدر ہوکر ہندوستان میں رہنے لگے تھے۔ اور مصریوں کی مخالفت کی بنا پر سرسید احمد خاں اور مولوی سمیع اللہ خاں سے سخت ناراض تھے، عربی رسالوں میں ان کے خلاف مضامین نکالتے تھے۔"

اسکے پندرہ سال بعد ۱۸۹۷ء میں ترکی اور یونان کی جنگ میں جب انگریزوں نے یونانیوں کی حمایت کی تو مسلمانان ہند نے عام طور پر انگریزوں سے ناراضگی کا اظہار کیا۔ اسوقت سرسید اور حاجی اسمٰعیل خاں صاحب رئیس علیگڈھ نے انگریزوں

کی حمایت میں مضامین کا ایک سلسلہ نکالا مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے...
کہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کی رو سے مسلمانوں پر خلیفہ وقت کی اطاعت لازمی ہے اسکے مقابلہ میں سرسید کی طرف سے کہا جاتا تھا کہ اولی الامر منکم میں انگریز حاکم شامل ہیں۔ یہ امور بطور تاریخی واقعات کے یہاں لکھے گئے ہیں۔ اور اب تو نہ خلافت باقی ہے۔ نہ اسکی اطاعت :-

حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی — ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
رہ گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل — خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
کٹ مرا ناداں خیالی دیوتاؤں کیلئے — سکر کی لذت میں تو لٹوا گیا نقد حیات
اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو — آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو ۔ اقبال

موازنہ سیدین

سرسید احمد خاں اور سید جمال الدین افغانی کی نظریاتی آویزش کا تاریخی جائزہ
مفکر کے قلم سے ——— ۲۴ اپریل ۱۹۷۶ء - روزنامہ آفاق لاہور۔

زندگی کی دوڑ میں، افراد کی مانند جب کسی قوم کا راستہ کوئی زیادہ طاقت ور حریف روک لیتا ہے تو سفر جاری رکھنے کے لئے تین میں سے کوئی ایک صورت اختیار کی جاتی ہے

تین سید

یا تو ضعیف فریق اسباب کی کمی، اولوالعزمی کی فراوانی سے پورا کرنے کے زعم میں، شجاعت کی تلوار کھینچ کر حریف سے دست و گریباں ہو جاتا ہے۔ اکثر اپنا سر کٹانے سے دریغ نہیں کرتا۔ اور کبھی فتح یاب بھی ہو جاتا ہے۔ برصغیر کی اسلامی تاریخ میں یہ راہ پہلے سلطان ٹیپو شہیدؒ اور پھر سید احمد شہیدؒ نے اختیار کی۔ محمود بنگلوری کی تحقیق اور مولانا غلام رسول مہر کی کاوش کے طفیل، پاکستان کا اردو خواں طبقہ ان دونوں نامور شہدا سے بخوبی آشنا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی، آزاد قبائلی علاقہ اور

بنگال کے مجاہدین نے، سرفروشی کی ان روایات کا تسلسل قائم رکھا ہنگامہ مسجد کانپور سے لے کر شہید گنج تک مسلمان عوام جس طرح سر دھڑ کی بازی لگا دیتے تھے وہ انہی روایات کا اثر تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ راستہ سنگلاخ، دشوار گزار اور آلام و مصائب سے پر ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کمزور فریق حقیقت پسندانہ روش اختیار کرتے ہوئے اپنے عجز کا اعتراف کر لیتا ہے۔ یگانگت کے تقاضے پورے کرنے کی سکت یا عزم باقی نہ رہے۔ تو یگانگت کے رشتے خود بخود جڑنے لگتے ہیں اس طریقہ کار کی سہولتیں بدیہی ہیں۔ اگرچہ ہمیشہ پائیدار ثابت نہیں ہوتیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں یہ دروازہ سرسید احمد خاں اور مرزا غلام احمد[1] نے کھولا۔ ان دونوں اصحاب کی تصانیف اور سوانحات پر بھی موافق اور مخالف مواد شائع ہو چکا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وقتی طور پر ناتواں فریق، نہ ہتھیار ڈال کر صلح کرتا ہے اور نہ فتح کی مطلوبہ تیاری سے پہلے حریف سے تصادم قبول کرتا ہے۔ اپنے موقف کا سختی سے جائزہ لے کر، ہر باطل عنصر خارج کر دیتا ہے۔ فقط حق پرستی کو شعار بنا لیا جاتا ہے۔ یوں اپنی کمزوری کی علت ترک کر کے، دشمن کے غلبہ کا ہر ہتھیار چھین لینے کا منصوبہ تیار کیا جاتا ہے۔ ہندو پاکستان میں اس تیسرے امکان کی رہنمائی کرنے والا ایک تیسرا سید تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے افغانستان، ایران، ترکی اور مصر میں، فرنگی سے خلاصی حاصل کرنے کی تحریک کی ہر جگہ اولین بنیاد رکھی۔ اس کا نام سید جمال الدین افغانی تھا اس کا مسلک، شجاعت کے ساتھ صبر، علم کے ساتھ تدبر، عصبیت کے کے ساتھ وسعت نظر اور ولولے کے ساتھ موقعہ شناسی کا بھی طالب تھا۔

سرسیّد پر سید افغانی کا محاکمہ

سید جمال الدین افغانی پیرس سے عربی زبان میں "عروۃ الوثقیٰ" کے نام سے اخبار نکالتے تھے۔ اس اخبار کی ۲۸ اگست ۱۸۸۴ء کی اشاعت میں سید افغانی نے "ہندوستانی نیچری" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا اس کے اردو ترجمے سے کچھ عبارات حسب ذیل ہیں۔

---

[1] مرزا غلام احمد قادیانی کے مرتد و کافر اور انگریز کے ایجنٹ ہونے کا فتویٰ بھی ۱۸۸۸ء میں مولانا مفتی محمد عبداللہ اور مولانا شاہ محمد لدھیانوی نے دیا۔ اس وقت دوسرے علماء نے اس فتویٰ کی تائید نہ کی لیکن آخرکار سب علماء نے تائید کی

• انگریز جب ہندوستان پر قابض ہوا تو اس نے یہاں کے حکمرانوں اور معززین سے ایسا کھیل کھیلا جسے دیکھ کر عبرت آموز انسان کی آنکھ سے کبھی ٹپ ٹپ آنسو گرتے ہیں اور کبھی بے اختیار کھلکھلا کر ہنسی نکل جاتی ہے ....

سلطنت مغلیہ کے آثار مٹے۔ تو انگریز نے ملکی حالات کا گہرا جائزہ لیا اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد ہندوستان میں آباد ہے۔ ہر مسلمان کا دل اپنی عظیم سلطنت کی تباہی سے زخمی ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کا دینی رابطہ مشرق و مغرب کے کروڑوں مسلمانوں سے قائم ہے۔ انگریز خوب جانتا تھا کہ جب تک مسلمان قرآن پڑھتا اور سمجھتا ہے جب تک مسلمان اپنے دین پر قایم ہے۔ تب تک مسلمانوں کا اجتماعی لحاظ سے کسی اجنبی سیاسی طاقت کے سامنے مستقل طور پر جھکے رہنا ممکن نہیں۔

پھر اجنبی بھی کیسا اجنبی؟ ایک ایسا مکار اور غدار اجنبی، جس نے محبت اور دوستی کے پردے میں مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنت پر فریب سے قبضہ کر لیا۔

اس لئے انگریز نے مسلمانوں کے دینی اعتقادات سست اور کمزور کرنے کی غرض سے ہر ممکن وسیلے سے مدد لی۔ اپنے پادریوں اور دینی پیشواؤں کو اکسایا کہ اسلام پر اعتراضات گھڑیں رسالے لکھیں۔ حضور صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم پر ناروا بہتان اور الزام تراشیں (برأ اللہ مما قالو) ایک طرف یہ کاروائیاں جاری تھیں۔

دوسری طرف انگریز نے مسلمانوں پر جینا دوبھر بنانے اور اپنی قوت و تشدد کے بل سے مسلمان کو عاجز کرنے کی انتہائی کوشش کی، عام ملازمین کو الگ کر دیا مساجد و مدارس کے اوقاف ضبط کر لئے مسلمان علماء اور اکابر کو جلا وطن کر کے کالے پانی بھیج دیا۔ انگریز کا خیال تھا کہ مسلمان ویسے تو اپنے دین سے برگشتہ ہونے میں نہیں آتا شاید ان طریقوں سے اس کا سخت ایمان کچھ ڈھیلا پڑ جائے۔ غرض ایک طریقہ ناکام رہا تو دوسرا اختیار کیا گیا۔ دوسرے طریقے سے کامیابی میں تاخیر ہوئی تو تیسرا طریقہ اپنایا

گیا۔ انگریز ہر حیلے سے مسلمانوں کو کمزور اور تباہ کرنے کے درپے تھا کیوں کہ ہندوستان میں انگریزی اقتدار کو اصل خطرہ مسلمان سے ہی تھا۔ ملک مسلمانوں سے ہی چھینا گیا تھا۔ حق الٰہی کا غضب ہوا تھا۔

"اتفاقاً ہندوستان کا ایک باشندہ، احمد خاں نامی انگریزوں سے کچھ فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے، ان کی کوٹھیوں کا طواف کرتا تھا۔ (بحوالہ رسالہ لائل محمڈنز آف انڈیا" مولفہ سر سید ۶۱ – ۱۸۶۰ء) اس نے اپنے آپ کو انگریز کی خدمت کے لئے پیش کیا۔ عام مسلمانوں کا اور طریقہ چھوڑ کر انگریز کے عقیدے اور طریقے کی حمایت پر آمادگی ظاہر کی۔ اس سے پہلے ایک تصنیف (تبیین الکلام) میں یہ ثابت کرنا چاہا کہ توریت و انجیل میں کوئی تحریف نہیں ہوئی یہ اپنی موجودہ شکل میں "محفوظ" اور "صحیح" الہامی صحیفے ہیں اس طرح اس نے انگریز کی بارگاہ میں قرب حاصل کرنا چاہا۔

نیچری مسلک

"وہ نیچری مسلک اختیار کر کے یہ ثابت کرنے لگا کہ کائنات میں نیچر (خود کار فطرت) کے سوا اور کوئی بالاتر یا بے مثال حقیقت بروئے کار نہیں ...... اس نے چند خوشحال اور کھاتے پیتے پرجوش مسلمانوں کو ورغلایا۔ کئی جدت پسند طبیعتیں، شریعت کی پابندی سے نجات حاصل کرنے اور مادی فوائد کے لالچ میں، اس کے گرد اکٹھی ہو گئیں۔ انگریز حکام کو مسلمانوں کے دل میں فساد کے بیج بونے کا یہ نیا طریقہ بڑا پسند آیا انھوں نے اس کی عزت اور تکریم شروع کر دی ایک مدرسہ کے قیام میں اس کی مدد کی۔ یہ ایک جال تھا جو مسلمان بچوں کا شکار کر کے ان کی پرورش "احمد خاں بہادر" کے افکار کے مطابق کرنے کے لئے پھیلایا گیا۔

"احمد خاں نے قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی جس میں قرآنی الفاظ کا مطلب توڑ مروڑ کر اللہ کی نازل کردہ کتاب کا مفہوم بدلنے کی سعی کی گئی اس نے ایک رسالہ بھی جاری کیا جس میں مسلمانوں کی عقلوں کو گمراہ کرنے والے، ان کی جمعیت میں تفرقہ ڈالنے والے اور

مختلف مسلمان اقوام میں باہمی پھوٹ کے بیج بونے والے مضامین شائع ہوتے ہیں مسلمانوں کو دیگر ممالک اسلامیہ (خصوصاً خلافت عثمانیہ ترکیہ) سے بدظن کیا جاتا ہے۔

"میں نے اپنے قیام ہندوستان کے دوران "احمد خاں" کے غلط عقائد کے خطرناک نتائج واضح کرنے کی غرض سے عربی اور فارسی زبان میں ایک رسالہ شائع کیا تھا کیوں کہ بعض اہل علم لوگ احمد خاں اور اس کے حاشیہ برداروں کے ریاکارانہ الفاظ و منافقانہ بیانات سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

"...... ہندوستانی نیچری، ایک لحاظ سے یورپ کے نیچریوں سے بالکل مختلف ہیں۔ یورپ کے نیچری 'دینی ناموس' سے بیزار بھی ہوں تو کم از کم وطن وملت کی غیرت سے ہمیشہ جان ومال کی قربانی پر آمادہ رہتے ہیں۔ لیکن یہ ہندوستان کے نیچری ایک طرف لوگوں کو دینی عقاید سے برگشتہ کرتے ہیں اور دوسری جانب قوم یا وطن پر اغیار کے تسلط سے بھی خوش ہیں وہ چاہتے ہیں ملکی مصلحت یا قومی ناموس کے کسی کونے تک انگریز کا ہاتھ نہیں پہنچا۔ تو وہاں بھی اجنبی کی دستبرد کا اہتمام ہو جائے یہ سب کچھ وہ کسی بڑے اجر کی خاطر نہیں بلکہ حقیر معاوضے اور معمولی شاباش کے عوض کرنے پر آمادہ رہتے ہیں"

کانگریس اسکول کے دوسرے امام اور مفکر

علمار لدھیانہ کی مومنانہ فراست فہم صدیقی اور جرأت فاروقی نے میدان سیاست میں جس خیال کا ۱۸۸۱ء میں آغاز کیا تھا اور انگریز کے خلاف جس سیاسی پودے کا بیج بویا تھا آہستہ آہستہ پھلنے اور پھولنے لگا۔ اور اسکی جڑیں ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل گئیں۔ ۱۹۱۲ء میں اسی مکتب خیال کے دوسرے امام اور مفسر مولانا ابوالکلام آزاد فہم صدیقی اور جرأت فاروقی لیکر میدان عمل میں آئے۔ ان کے فکر و عمل اور قلم کی ضرب کاریوں نے علی گڑھ کی تحریک اور سر سید کی سیاست کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے سرکار پرست مسلمانوں کی صفوں

پر خوف طاری ہوگیا۔ مولانا آزاد کے قلم نے رازہائے درونِ پردہ کو جس خوبی سے فاش کیا
جس خوش اسلوبی اور بہادری سے علمار لدھیانہ کے مکتب خیال کی تائید اور تفسیر کی وہ مولانا
آزاد ہی کا حصہ ہے۔ مولانا آزاد نے علیگڈھ کی سیاسی پردہ داریوں کا ان الفاظ میں جائزہ
لیا ہے۔

نشہ شام کی نصف شب

ملت ——— ہم رو سکتے ہیں، مگر اپنے آنسو ہر شخص کو دکھا نہیں سکتے جب
سوچتے ہیں کہ بدبخت ملت کا اس درجہ قیمتی جوش کس بے دردی سے ضائع کردیا
گیا۔ تو "والذی نفسی بیدہ" (انہ لقسم لو تعلمون عظیم)، ۷۵-۷۶، ہمارے دل کے ٹکڑے ٹکڑے
اڑجاتے ہیں۔ اور حیران رہ جاتے ہیں کہ ہم نایاں ملت کی نسبت کیا کہیں! ہمارے
ہمدرد ناصح نصیحت کرتے ہیں کہ نرمی اختیار کرو۔ انہیں ہمارے دل کی سوزش کیا
معلوم؟ یا تو ہماری آنکھ ہمکو دھوکا دیتی ہے۔ یا پھر صاحبانِ نصیحت دنیا میں ناپید
ہوگئے۔

——— : الہلال ۲۵؍اگست یکم ستمبر ۱۲ء

درحقیقت مسلمانوں کی گمراہیوں کی ابتدا اسی وقت سے ہے جب انہوں نے چلنے
کیلئے پہلا قدم اٹھایا تھا۔ بنیادی غلطی یہ تھی کہ اپنے تمام کاموں کیلئے گورنمنٹ
پر اعتماد رکھنے کا راستہ اختیار کیا۔ اور بغیر اس ٹیک کے بیٹھنے کی عادت نہیں ڈالی
جب مرغ دام میں آنیکے لئے مضطرب ہو تو صیاد کیوں غفلت کرے۔ اس روش
کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ابتدا سے لیکر آخیر تک محض ایک کٹھ پتلی بن کر رہ گئے جسکی
ڈوریں پردے کے اندر تھیں۔ اور نچانے والا اپنی بازی گری کے مصالح کے مطابق
جس طرح چاہتا تھا ان کو نچاتا تھا۔

ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ بالکل ایک نئی قسم کی دشمنی کو اپنے سامنے

پاتی تھی۔ ایک طرف وہ فلارڈ منانے کی تعلیم دینے سے انکار نہیں کر سکتی تھی دوسری طرف تعلیم کے تدریجی نتائج اسکے سامنے تھے ملک ابھی حکومت کے خواب کو بھولا نہ تھا آگ بجھ چکی تھی۔ مگر ایک عنصر کی اعانت کی ضرور محتاج تھی۔ جو اپنے ملکی فوائد کو اسکی حکومت کے فوائد پر قربان کر دے۔ مسلمانوں نے اس مقصد کیلئے اپنے تئیں پیش کیا اور نہایت اصرار کے ساتھ اڑ گئے۔ کہ ہم کو اس قربانی سے محروم نہ رکھا جائے۔ یہ مسلمانوں کے (ذبیح اللہ) کی قربانی تو تھی نہیں کہ۔

ع آمد بزیر تیغ و شہیدش نمی کند"

نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان ہندوستان میں تمام ترقیات کیلئے ایک سخت روک اور درمیانی راہ کا ایک پتھر بن کر رہ گئے۔ اور از سرتا پا ان کا وجود ملک کیلئے ایک بدنصیبی ہو گیا۔ گورنمنٹ کو اپنے ملکی مصالح کے لئے جب کسی آلہ عمل کی ضرورت ہوتی۔ تو وہ ان کے وجود کو ایک پتھر کی چٹان کی طرح ہاتھوں میں اٹھا لیتی اور ملکی خواہشوں کے شیشے پر پٹک مارتی۔

انگریزی حکومت کی سیاسی کارفرمائیوں کی جلوہ گری جو سرسید اور علیگڈھ کی سیاست کا نمایاں طرہ امتیاز تھا۔ اور جس سیاست سے مرعوب کرنے کیلئے علی گڈھ کے خداوندان سیاست مسلمانوں پر شب و روز یورش کر رہے تھے۔ اس سیاست کا نقشہ کھینچتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد اس سیاست کے پردوں کو اس طرح چاک کرتے ہیں۔

"یہ ایک شرک جلی تھا۔ جو ایک کھلی بت پرستی کی صورت میں تمام پروان توحید پر مسلط ہو گیا۔ اور ہر شخص جو علیگڈھ کو چندہ دینے کیلئے روپیہ رکھتا تھا ہر وہ شخص جسکے پاس علم کی جگہ چاندی کا سونا تھا ہر دولت مند جو کسی اجتماع کے موقع پر ایک پر تکلف ڈنر دے سکتا تھا ہر رئیس جسکے پاس نذرانوں کیلئے بہت سی اشرفیاں [illegible]

غرضیکہ ہر وہ شے جسکا وزن بھاری ہو، اور رنگ سنہری ہو۔ اس امر کا قدرتی حق رکھتی تھی کہ سات کروڑ انسانوں کا اپنے تئیں معبود دیوتا ظاہر کرے قومی رائے، آزادی خیال حق و صداقت علم و فضل تجربہ و دانش مندی غرضیکہ دنیاوی بزور شمشیر قوت سے جبراً اپنے آگے سجدہ کرائے۔ اسکی رائے حکم شریعت ہو۔ اور اسکی شریعت غیر منسوخ ہو۔ لیفعل ما یشاء و یختار

اور آگے چلکر مولانا موصوف اس تحریک سے متعلق اور اس تحریک کے اثرات سے متعلق فرماتے ہیں۔

درخت سب لگاتے ہیں لیکن ہر شخص کے نصیب میں یہ نہیں ہوتا کہ پھل بھی کھائے پس نہایت مبارک ہے وہ ہاتھ جو تخم پاشی کے بعد ہی اس کے پھلوں کو بھی اپنے دامن میں رکھے مسلمانوں میں نئی حرکت کی تاریخ تقسیم بنگال کی منسوخی سے شروع ہوتی ہے، اس سے پہلے صرف خال خال اشخاص تھے جن کو کانگریسی، باغی، بے وفائے قوم مفسد اور اس طرح کی بعض اصطلاحات خاص سے یاد کیا جاتا تھا۔ مگر قوم صرف اس شریعت پر عامل تھی کہ لیڈروں کی گاڑی کھینچے۔ ان کے حکم پر سمعنا و اطعنا۔ کہکر سر بسجود ہو جائے مسلمانوں کیلئے غلامی اور استعباد کی جو شریعت (پالیسی) انھوں نے مقرر کر دی تھی۔ اس سے سر مو تجاوز نہ کیجئے کہ "حکم شرع آب خوردن خطا است"

پھر غور کیجئے کہ اس نئی حرکت کے بیج کو جگر کھینے اور پھوٹ کر ابھرنے کے لئے کتنی مدت ملی۔ اسباب ظاہری میں سے کیا سامان تھا جو اسے میسر ہوا؟ زمین یکسر ناموافق تھی۔ اور چند آوازوں کے سوا جنکو دبانے کیلئے۔ دولت۔ اجتماع سازش اور یکسانہ و حاکمانہ اقتدار تمام قوتیں مستعد تھیں۔ کون تھا جس نے آبپاشی کی ہو۔ اغراض ظاہری اور رسوخ دنیوی جن ہاتھوں میں سے ان میں سے ایک

بھی نہ تھا جس نے ساتھ دیا ہو۔ مگر ہم بتائیں آپ نے لکھنؤ میں دیکھا کہ درخت پیدا ہو چکا ہے۔ اسکی شاخیں قوی اور تنومند ہیں۔ یہ بلی بی الحقیقت ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اور احسان ہے۔ جسکے شکر میں گردنوں کو سر بسجود اور زبان کو زمزمہ سنج و تقدس ہو جانا چاہیئے۔

حق و صداقت کا اعلان کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اسکے لئے بہت بڑے صبر و انتظار، تحمل و ضبط کی ضرورت ہوتی ہے کتنی پاک ہستیاں ہیں جنہوں نے دنیا میں اسکے بیج بوئے اور اپنی بڑی بڑی زندگیاں اسکی آبپاشی میں قربان کر دیں۔ پھر کتنے جاں فروشانِ حق و صداقت ہیں جنہوں نے اپنے اشک ہائے امید، اور خونہائے حسرت و آرزو سے اس بیج کے پودے کو سینچا۔ مگر یہ اس بھوان کی آنکھوں کو اسکے برگ و بار کا منظر دیکھنا نصیب نہ ہوا نسلوں پر نسلیں گذر گئیں جب کہیں جاکر یہ بیج بارآور ہوئے۔

آج مسلمانوں کی زندگی کی ہر شاخ میں جو حالت ہو رہی ہے وہ حامیان حق و صداقت سے ایسی ہی قربانیوں کی طالب ہے جو صبر و انتظار کی انتہائی قوت اپنے اندر رکھتی ہو۔ اور نتیجہ کے لئے بے صبر نہ ہوں بلکہ اپنے کام میں منہمک اور مشغول ہوں ہم ایک پوری قوم کو چاہتے ہیں کہ از فرق تا بقدم بدل دیں انسانی اعمال و معتقدات کا ایک نقشہ ہمارے سامنے ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ یکسر الٹ دیں۔ ہمارے سامنے ایک سر بہ فلک عمارت ہے جسکی دیواریں پہاڑوں کی چٹانوں سے اور جسکی چھتیں لوہے کی سلاخوں سے بنائی گئیں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں اسکو مسمار کر دیں۔ اور ایک ایسی نئی عمارت بنائیں جسکی چھت ہی نہیں بلکہ بنیاد بھی نئی ہو۔

پھر اگر یہ ارادہ عظیم ہے، تو ضروری ہے، کہ انتظار وقت کی شدت اور صبر کلیا لہ [illegible] اس راہ کے مسافر کی تسکین کیلئے بس کرتا ہے۔ کہ راہ صحیح اور موصل الی۔

المقصود ہو۔ کچھ ضروری نہیں کہ ہمارے قدم منزل مقصود تک پہونچیں ہم نہ ہونگے مگر ہمارے نقش قدم پر چلنے والے منزل مقصود تک پہونچیں گے اور جو سفر کا خط ہم نے کھینچ دیا ہے۔ وہ ان کی کامیابی کے آخری نشان تک رہنمائی کرے گا۔

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ　　　　اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ

"صبح امید" صفحہ ۱۵۰ تا ۱۶۴

ہندوستان کی قومی زندگی میں سرسید نے مسلمانوں کو دانش فرنگ کا سبق پڑھایا اور شاہیں بچوں کو خاک بازی کا ایسا سبق دیگئے کہ پھر علیگڈھ یونیورسٹی کی آغوش عافیت کوش سے نکلنے والے نوجوان انگریز کی غلامی کی نشے میں مست ہو کر نکلتے رہے۔ تحریک حریت میں ہر ہر قدم پر انگریز کے شانہ بشانہ حقِ غلامی کو ادا کرنا علیگڈھ کے فرزندان ارجمند کا کام تھا۔

سید جمال الدین افغانی اور علماء لدھیانہ کی سیاسی بصیرت مولانا آزاد کے فہم و تدبر نے علیگڈھ کے زہریلے اثرات کو ختم کرنے کی مسلسل کوششوں نے عام مسلمانوں کی عزت و آبرو بچالی اور میدان عمل میں برادران وطن کے دوش بدوش عام مسلمانوں کو لاکر کھڑا کیا ۱۸۸۵ء میں علماء لدھیانہ نے کانگریس کو مقبول بنانے میں جو رہنمائی کی تھی وہ آج مسلمانان ہند کا ایک تاریخی سرمایہ ہے جس پر ہندوستان کے مسلمان جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ علماء لدھیانہ کے فکر و عمل کی کامیابی کا اس سے بڑا ثبوت اب اور کیا ہوگا کہ آج علیگڈھ یونیورسٹی میں سرسید کی سیاست کا جنازہ نکل چکا ہے اور علماء لدھیانہ کے فکر و عمل کی بنیاد پر علیگڈھ یونیورسٹی کی از سر نو تنظیم کی جا رہی ہے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ
كَانَ زَهُوْقًا۔

لدھیانہ کی تاریخی حیثیت

اور

سیاسی اہمیت

لدھیانہ

۱۸۳۶ء تا ۱۸۵۷ء

مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کی زیر کمان پنجاب کی تمام انقلابی فوجوں کا مرکز رہا۔

۱۸۶۰ء تا ۱۸۸۵ء

کانگرس کے حق میں ۱۸۸۵ء میں مولانا شاہ محمد مولانا شاہ عبدالعزیز و مولانا شاہ عبداللہ نے فتویٰ دیکر پہلے سیاسی مکتب خیال کا آغاز کیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف ۱۸۸۵ء میں مولانا شاہ عبداللہ و مولانا شاہ محمد و مولانا شاہ عبدالعزیز نے کفر کا فتویٰ دیا اور مرزا کو انگریز کا ایجنٹ اور جاسوس قرار دیا۔

۱۹۱۴ء تا ۱۹۵۶ء

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی مسلسل چالیس سال تک ہندوستان کی آزادی کے لئے استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ کام کرتے رہے۔ جو بیک وقت سیاسی مفکر اور مجاہدانہ کردار کے حامل تھے۔

لدھیانہ میں بہترین مدبر بہترین مفکر پایئہ کے مقرر اور سیاست دان اعلیٰ درجے کے تاجر اور بہترین کاریگر پیدا ہوئے۔

لدھیانہ کے عوام نے ۱۵ ستمبر ۱۹۴۷ء تک ہندوستان کی جنگ آزادی میں شاندار ریکارڈ قایم کیا۔

لدھیانہ شہر

لدھیانہ شہر کی سیاسی زندگی کا دور ۱۸۳۶ء سے شروع ہوا۔ امام العارفین مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے دینی فیضان کے ساتھ ساتھ ان کی سیاسی جدوجہد نے لدھیانہ کو پنجاب کا سیاسی دل و دماغ بنا دیا پنجاب کی سیاست کے تمام سرچشمے اسی شہر سے جاری ہوئے سیاسی فکر و عمل دینی علوم و فنون اور روحانی فیض کا جو سلسلہ ۱۸۳۶ء سے شروع ہوا۔ وہ ۱۵ ستمبر ۱۹۴۷ء تک برابر جاری رہا اس پورے ایکسو گیارہ (۱۱۱) برس میں لدھیانہ کے سیاسی اور انقلابی تحریکوں کے اثرات تمام پنجاب کیا۔ ہندوستان بلکہ بغداد اور مدینہ تک پہونچے۔ اس ایکسو گیارہ (۱۱۱) برس میں ایک دن بھی ایسا نہیں آیا جسمیں علماء لدھیانہ کے خاندان میں سے کسی ایک فرد نے بھی سیاسی اور انقلابی میدان میں ایک منٹ کے لئے بھی کمزوری کا اظہار کیا ہو فکر و نظر عمل کے میدان میں لدھیانہ کے خاندان کا ایک خاص درجہ رہا ہے جسے ہندوستان کے مستند مورخین نے صفحات تاریخ میں نمایاں اور شاندار جگہ دی ہے۔

(۱) مسٹر ساورکر جنہوں نے سب سے پہلے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی تاریخ انگریزی میں لکھی جسپر انہیں پچیس سال تک قید و بند کے مصائب برداشت کرنا پڑے۔ علماء لدھیانہ اور لدھیانہ شہر کی سیاسی اہمیت کے بارے میں اپنی کتاب "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء" صفحہ ۱۵۵ پر "لدھیانہ" کے عنوان سے لکھتے ہیں ——

جالندھر دوآبہ کے فوجیوں نے ایک منظم بغاوت کرنا طے کیا تھا طے پایا تھا کہ یہ فوجی ایک رسالہ کی صورت میں جالندھر سے روانہ ہوں اور دہلی جاتے ہوئے پھلور اور لدھیانہ کے فوجی رجمنٹ (Regment) کے بھائیوں کو اپنی معیت میں نے لیں۔ اور اس طرح دہلی پر یلغار شروع کیجائے۔ یہ سارا پلان انتہائی خفیہ رکھنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن جب فوجیوں نے لدھیانہ کی طرف رخ کیا۔ تو کسی طرح فرنگی افسروں کو لدھیانہ میں اس بات کی اطلاع مل گئی جب رات کے

وقت یہ سارا رسالہ دریائے ستلج پار کر رہا تھا۔ تو فرنگی فوج سے جسمیں سکھ سپاہی شامل تھے اس رسالہ کی باقاعدہ جنگ ہوئی۔ لیکن قوم پرست فوجوں کی ایک گولی کا فرنگی کمانڈر کے جگر سے پار ہونا تھا کہ ساری انگریزی اور سکھ فوج پسپا ہو کر واپس ہو گئی۔

سکھ اور فرنگی فوجوں کے خلاف اپنی اس تازہ فتح کی خوشی اور مسرت سے سرشار ہو کر قوم پرست فوجی رسالہ دوپہر کے وقت لدھیانہ شہر میں داخل ہوا۔ شہر میں ایک با اثر مولوی تھے۔ جو ہمیشہ وہاں کے لوگوں کو فرنگی طوق غلامی کو اتار پھینکنے اور سوراج قائم کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے اس مولوی کی تقریروں کا یہ اثر تھا۔ کہ یہ شہر پنجاب کی انقلابی پارٹیوں کا ایک مضبوط مرکز بن گیا تھا۔ جب فرنگیوں کی غلامی کی زنجیروں پر ضرب آخر لگانے کا وقت آیا۔ تو سارا شہر مولوی صاحب کے اشارے پر بیدار ہو گیا، سرکاری گوداموں کو لوٹا اور آگ لگا دی گئی۔ گرجا گھر۔ فرنگیوں کے مکانات۔ پریس۔ غرضیکہ ہر چیز کو نذر آتش کر دیا گیا۔ شہریوں میں ایک خاص جذبہ جوش ارتقایت تھا۔ کہ ان فوجیوں کا بیش از بیش ساتھ دے کر فرنگیوں کے ٹھکانوں اور بالخصوص ان غداروں کی نشاندہی کرے۔ جو اپنے انگریز آقاؤں کی سرپرستی پر گھمنڈ کیا کرتے تھے جیلیں توڑ دی گئی تھیں ہر وہ چیز جو سرکاری یا فرنگیوں کی تھی۔ نذر آتش کر دی گئی۔ جو چیز جلائی نہ جا سکی وہ کسی نہ کسی طرح برباد کر دی گئی پس اسطرح لدھیانہ میں بھی انقلاب کی آگ لگی جالندھر پھلور۔ اور لدھیانہ کی انقلابی افواج اور شہریوں کی قومی فوج مولوی صاحب کی زیر کمان دلی کی طرف روانہ ہو گئی۔

لدھیانہ چونکہ فوجی اور انقلابی لحاظ سے پنجاب کا ایک اہم مرکز تھا اگر لدھیانہ کے مولوی صاحب دہلی جانے کی بجائے لدھیانہ ہی کو فوجی مرکز بنا کر پنجاب کی انگریز اور سکھ سپاہ کو پسپا کر دیتے۔ تو لدھیانہ سے پشاور تک انگریزی سپاہ کا خاتمہ ہو جاتا جو دہلی پر انگریزی افواج کی جو تعداد ملتی حملہ کرنے کیلئے بعد میں گئیں۔ وہ دہلی نہ جا سکتیں

کامیاب نہ ہوتیں، اسطرح صرف لدھیانہ کو ہی فوجی مرکز بنائے رکھنے سے دہلی کا قومی
انقلاب کامیاب ہو جاتا۔ چونکہ فوجی حملہ کا پلان دہلی میں تیار ہوا تھا اس لئے اسی پلان
کے تحت مولوی صاحب افواج کو لیکر دہلی روانہ ہو گئے

دوسرے مورخ "پنڈت سندرلال" اپنی کتاب "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء" جوکہ اردو میں
ہے۔ اور انگریزی دور حکومت میں ضبط رہی اسکے صفحہ ۱۲۳ پر لکھتے ہیں۔

جالندھر اور پھلور کی فاتح فوجیں دوپہر کے وقت لدھیانہ شہر میں داخل ہوئیں
لدھیانہ کا شہر پنجاب میں جنگ آزادی کا ایک خاص مرکز تھا۔ شہر میں اس دن بڑا
جوش و خروش تھا۔ جیل خانہ توڑ دیا گیا تھا۔ سرکاری خزانہ پر قبضہ کر لیا گیا تھا۔ ۱۱ جون
۱۸۵۷ء کا دن تھا۔ جالندھر، لدھیانہ اور پھلور کی فوجیں ملکر جنگ آزادی میں حصہ لینے کیلئے
دہلی کی طرف روانہ ہو گئیں۔

"جنگ آزادی ۱۸۵۷ء" کے مصنف خورشید مصطفٰے رضوی امروہوی اپنی کتاب کے صفحہ
۲۳۶ پر ۱۸۵۷ء میں لدھیانہ کی قومی اور انقلابی حالت پر لکھتے ہیں۔

مولانا عبدالقادر نے شہری عوام کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ ان کے دلوں میں آزادی
کی تڑپ پیدا کی۔ چنانچہ دوبار ہنگامہ ہوتے ہوتے بچا۔ ڈپٹی کمشنر نے شہریوں سے
ہتھیار چھین لئے۔ لیکن مولوی صاحب اپنے ساتھیوں کو لیکر دہلی روانہ ہو گئے۔ کہا
جاتا ہے کہ یہاں سکھ بھی باغیانہ رجحان رکھتے تھے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب
لدھیانوی کا خاندان آج بھی آپکی یادگار کے طور پر دہلی میں موجود رہے،

یہی مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۷۱ پر علماء لدھیانہ کے خاندان کے بارے میں
لکھتا ہے ـــــ

مولانا عبدالقادر لدھیانوی بن مولانا عبدالوارث کا خاندان علم و فضل میں
ممتاز تھا۔ آپ نے دینی تعلیم کی تکمیل کی۔ انگریزی حکام کی خواہش پر بھی کوئی عہدہ

قبول نہ کیا، پنجاب میں انقلابی تحریک کو پروان چڑھایا ۱۸۵۷ء میں مع اپنے بیٹوں کے حصہ لیا۔ مع متعلقین دہلی آ گئے۔ اور مسجد فتحپوری میں قیام کیا شکست دہلی کے بعد روپوش ہو گئے، حکومت کی تلاش کے باوجود پتہ نہ ملا۔ کانگریس کے قیام پر اسکی حمایت میں فتوی دیا۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی مرحوم آپ ہی کے پوتے تھے۔ یہ خاندان اب دہلی میں آباد ہے۔

(۴) مولانا غلام رسول مہر اپنی تصنیف "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء" جو کہ انہوں نے پاکستان سے شائع کی ہے کے صفحہ ــــــ پر لدھیانہ کے فوجی انقلاب اور انقلابی افواج کی نمبروار تفصیل بیان کرتے ہیں۔ گورنمنٹ کی میونٹی رپورٹ (Mutiny Report) جلد ہشتم حصہ اول صفحہ ۱۰۷ و ۱۰۷ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

افواج کی تفصیل

(۱) سفر منیا پوری رجمنٹ لدھیانہ مع توپ خانہ (۲) پیادہ مسلح ۳۶ رجمنٹ جالندھر

(۳) پیادہ مسلح ۶۱ رجمنٹ جالندھر (۴) پیادہ ۳ رجمنٹ پھلور۔ ضلع جالندھر

لدھیانہ میں شروع ہی سے تشویشناک صورت پیدا ہو گئی تھی۔ وہاں کے ڈپٹی کمشنر نے ضلع کے سکھ رسالوں کی امداد لیکر حالات پر قابو رکھنے کی ناکام کوشش کی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مولوی صاحب نے شہر کی آبادی کو بہت بھڑکایا تھا۔ اور دو مرتبہ ایسی صورت پیدا کر دی تھی۔ کہ ہنگامہ برپا ہو جائے۔ لدھیانہ میں کابل کے شدوزئی شہزادے بھی رہتے تھے۔ وہ مولوی صاحب کے بہت معتقد تھے اور گوجروں میں موصوف کو بہت اثر و رسوخ حاصل تھا۔ جب ادھر اُدھر سے مزید فوجی سرکشی کر کے آئے۔ تو مولوی صاحب نے اپنے معتقدوں کو ان کے ساتھ شامل ہو جانے کی ہدایت کی۔ اور ایک جھنڈا تیار کیا۔ اور فوجوں کو لیکر دہلی روانہ ہو گئے شہر میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور سکھ بھی مولوی صاحب کے زیر اثر تھے۔ مولوی صاحب کے دہلی جانے کے بعد ۵ آدمیوں کو توپ میں ٹھیک کیا گیا۔ اور سولہ آدمیوں کو پھانسی دی گئی۔

(مطابق گورنمنٹ بھارت)

نوٹ: مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے بیان کے مطابق لدھیانہ میں دو سو مسلمانوں کو پھانسی دی گئی ہے اور پانچ سو مسلمان انگریزی اور سکھ فوجوں کے ساتھ معرکہ آرائی میں شہید ہوئے۔

۵۔ مسٹر خلیق نظامی پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی اپنی کتاب ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ کے صفحہ ۱۹۷ پر لدھیانہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

مولانا عبدالقادر بن مولانا عبدالوارث لدھیانہ کے ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے مع اپنے بیٹوں کے جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا۔ لدھیانہ سے آکر یہاں مسجد فتحپوری میں قیام کیا تھا۔ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ان ہی کے پوتے تھے۔ مختصر حالات کیلئے ملاحظہ ہو ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء مصنفہ انتظام اللہ شہابی۔

مولانا شاہ عبدالقادر لدھیانوی

مولانا شاہ عبدالقادر ابن مولانا عبدالوارث لدھیانوی پنجاب میں یہ خاندان علم و فضل کے اعتبار سے بھی بلند پایہ رکھتا ہے مولانا شاہ عبدالقادر ۱۷۹۶ء میں لدھیانہ سے تحصیل علم کے لئے روانہ ہوئے اور دلی آکر مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کے درس میں شریک ہوئے۔ تکمیل کی اور تربیت روحانی پائی۔ ۱۸۰۳ء میں وطن واپس آئے اور رشد و ہدایت میں لگ گئے۔

اس زمانہ میں احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ زماں اور شجاع الملک انگریزی سیاست کا شکار ہو کر کابل سے لائے گئے۔ اور لدھیانہ میں نظر بند ہوئے۔ وہ حضرت شاہ عبدالقادر کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ مولانا کو انگریزوں سے دلی نفرت تھی۔ ڈپٹی کمشنر چاہتا تھا کہ مولانا اعلیٰ عہدہ قبول کرلیں۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا مولانا کے حلقۂ اثر میں انقلابی تحریک پنجاب کے علاقہ میں پھیل رہی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں مولانا اور آپ کے فاضل بیٹوں مولانا سیف الرحمن

مولانا محمد عبداللہ مولانا شاہ عبدالعزیز نے سرگرمی سے حصہ لیا۔ مولانا مع اہل و عیال کے اپنے مریدوں کو لیکر دہلی جنگ آزادی میں شرکت کرنے کیلئے تشریف لائے اور مسجد فتحپوری کے حجرے میں قیام کیا یہیں پر ان کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوا جن کو صحن مسجد میں دفن کیا گیا۔

چونکہ پانسہ پلٹ چکا تھا اس لئے مولانا پھر وطن واپس ہوئے۔ اور عرصہ تک خلوت گزیں رہے۔ گورنمنٹ نے بہت تلاش کرایا۔ مگر خدا نے بچائے رکھا۔ آپ نے نیشنل کانگریس کی شرکت کیلئے فتویٰ شائع فرمایا۔

آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبداللہ اور شیخ احمد جان تاجر دہلوی کو جو کہ اسلحہ کے تاجر تھے۔ حکومت نے افغانستان سے سازباز کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ فسیح صاحب جیل میں سڑ رہے۔ یہ لوگ مقدمے سے بری ہو گئے۔ مولانا محمد کے صاحبزادے محمد زکریا تھے۔ جنکے خلف الرشید فخر احرار مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی ہیں جن کی سیاسی مساعی روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ میرے دوست حکیم مولوی محمد عبدالحفیظ صاحب ابن مولانا عبداللہ نواسہ مولانا عبدالعزیز ہیں جو ایک عرصہ تک مجلس احرار دہلی کے صدر رہے۔ مولانا شاہ عبدالقادر نے ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا۔ (پٹیالہ) میں دفن ہوئے۔ (ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء مصنفہ انتظام اللہ شہابی)۔

۶۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی نے ۱۲ دسمبر ۱۹۴۱ء کو سنٹرل جیل منٹگمری میں اپنے خاندانی حالات پر کچھ یادداشتیں قلم بند کی تھیں۔ یہ تاریخی یادداشتیں کاپی سائز کے ۲۰ اوراق پر تحریر ہیں۔ رئیس الاحرار اپنی ان یادداشتوں میں ۱۸۵۷ء کے انقلابی دور کے حالات اسطرح تحریر فرماتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں پردادا مرحوم (شاہ عبدالقادر صاحب نے مع اپنے بیوی بچوں اور اولاد کے پورا حصہ لیا۔ آپ کے چار بیٹے تھے۔ مولانا سیف الرحمن، مولانا محمد، مولانا عبداللہ، مولانا عبدالعزیز، اور خاندان کے کل افراد بھائی اور بہن کی اولاد بھی آپ کے ساتھ

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں شریک تھی۔ لدھیانہ میں مولانا سیف الرحمٰن مرحوم نے جیل
خانہ توڑ دیا۔ اور شہر میں آزاد حکومت قائم کر دی تھی۔ لدھیانہ کے انگریز افسر ڈر گئے
شہر کے ہندو مسلمان متحد طور پر مولانا کے ساتھ شریک ہو گئے۔ اسکے بعد لدھیانہ کی
پوری فوج بھی مولانا کی کمان میں آگئی۔ جونہی جالندھر اور پھلور کی فوجیں لدھیانہ
پہنچیں پردادا مرحوم ان تمام فوجوں اور مجاہدین کو لیکر پورے ساز و سامان اور اسلحہ
کے ساتھ دلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور چند ہی دنوں کے بعد دلی کی انقلابی اور قومی
افواج کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور دلی میں اس پورے انقلابی دور میں رہے
دلی میں دادا مرحوم اور پورے خاندان کا قیام مسجد فتحپوری میں تھا۔ یہیں پردادی
مرحومہ کا انتقال ہوا۔ اور مسجد فتحپوری دہلی کے صحن میں ان کی تجہیز و تدفین عمل میں
آئی۔ مسجد فتحپوری کے صحن میں جو چار قبریں ہیں ان میں پردادی مرحومہ کی قبر ہے۔

بادشاہ کی گرفتاری اور قومی افواج کی شکست کے بعد پردادا مرحوم مع اپنے پورے
خاندان کے دلی سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ انگریزی حکومت نے ان سب کو گرفتار
کرنے کی پوری کوشش کی۔ اور انعام بھی مقرر کئے۔ لیکن پردادا مرحوم اور خاندان کا
کوئی فرد انگریزی حکومت کے ہاتھ نہ آسکا۔

اس دوران میں ایک بڑا عجیب اور سبق آموز واقعہ پیش آیا۔ پردادا مرحوم کا
ایک مرید ہمیشہ آپ سے کہا کرتا تھا۔ کہ آپ میرے مکان پر تشریف لے چلیں آپ
اس سے فرمایا کرتے تھے۔ کہ جب ہم تمہارے مکان پر آئیں گے۔ تو تم ہمیں ٹھہراؤ گے
نہیں آپ اسی زمانے میں دلی سے نکلنے کے بعد اسکے مکان پر گئے۔ اس نے کھانا
کھلایا۔ اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ آپ سچ کہا کرتے تھے کہ میں اپنے مکان پر ٹھہرا نہ
سکونگا۔ اسکے بعد آپ ستلانہ کے جنگلات میں پہونچے۔ ان جنگلات سے ستلانہ
کے راجپوت آپکو اور آپکے خاندان کو اپنے گاؤں میں لے آئے۔ گاؤں کے لوگوں

بےخود اعت ہو جاتی ہے کے ساتھ تمام خاندان کی حفاظت کی یہ تاریخ کی ایک قابل قدر
مثال ہے یہ لوگ ان پڑھ تھے۔ غیر سیاسی تھے۔ لیکن شرافت دار بھی باوجود تھے
جب انگریزی حکومت کو یہ اطلاع مل گئی کہ علمار لدھیانوی کا خاندان یہاں موجود
ہے۔ تو پولیس اور افواج نے گاؤں کو گھیر لیا۔ اور گاؤں کے چھوٹے بڑے سے پوچھ گچھ
ہوئی تو تمام گاؤں کے لوگوں نے ایک زبان ہو کر انکار کر دیا، اور یہ تحریر لکھ کر دی
کہ لدھیانہ کے مولویوں میں سے کوئی آدمی ہمارے گاؤں میں نکل آئے تو حکومت
ہمیں جو سزا چاہے۔ دے سکتی ہے، اس پر بھی پولیس اور فوج نے گاؤں کے ایک ایک
گھر کی تلاشی لی، لیکن علمار لدھیانہ کا پولیس اور فوج کو کہیں سراغ نہ ملا۔ چونکہ راجپوت
عورتوں نے علمار لدھیانہ اور انکے خاندان کی عورتوں اور بچوں کو گندم کے ایسے تہہ
خانوں میں بند کر دیا تھا جسکا راستہ ان عورتوں کے علاوہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ گاؤں
کے لوگ ان پڑھ اور دینی فرائض سے ناواقف تھے۔ پردادا مرحوم کے فیض صحبت سے
گاؤں کا گاؤں متقی اور پرہیزگار بن گیا۔ آج بھی اس گاؤں میں تقوے اور پرہیزگاری
کے آثار نظر آتے ہیں، پردادا مرحوم کا اسی گاؤں میں انتقال ہوا۔ پردادا مرحوم کی قبر کچی
اور ایک عام قبروں جیسی بھی نہیں ہے۔ یہ ایک عام بات ہے، کہ جس بزرگ کے لوگ
مرید ہوں۔ اسکی قبر عام طور سے پکی ہو جاتی ہے، اور اسپر ہنگامہ آرائیاں شروع ہو جاتی
ہیں، لوگ نذر و نیاز چڑھانے اور مرادیں مانگنے لگتے ہیں۔ میں جب ۱۹۳۹ء میں قبر کو دیکھنے
گیا۔ ایک عام مسلمان کی قبر جیسی بھی نہ تھی۔ اور کسی قسم کی آمد و رفت بھی وہاں نہ تھی لیکن
گاؤں میں ان کے اثر کا عالم یہ تھا کہ جیسے ہی گاؤں والوں نے یہ سنا کہ مولانا عبدالقادر
کے پوتے آئے ہیں۔ تو گاؤں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اور تمام گاؤں کے لوگ جوق
در جوق میرے گرد جمع ہو گئے۔ اور تمام گاؤں کے لوگوں نے مجھ سے کہا۔ آپ کے
دادا جی کی برکتیں تمام گاؤں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور انہیں برکتوں سے ہم لوگ

آج تک فاتحہ انھارہے ہیں۔ میں نے جب یہ واقعہ اپنے پیر و مرشد سیدی و مولائی مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری دامت برکاتہم کو بتایا جو اس وقت اہل اللہ میں قطب عالم کا درجہ رکھتے ہیں۔ تو انھوں نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے، کہ صاحب قبر کی نسبت توحید بہت مضبوط تھی۔ یہ اسی نسبت توحید کے روحانی تصرف کا نتیجہ ہے کہ لوگ قبر کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔

مولانا سیف الرحمٰن مرحوم جو سب سے بڑے بیٹے تھے ۱۸۵۷ء کے قومی انقلاب کے بعد اپنے پھوپی زاد بھائی مولانا اسمٰعیل صاحب و مولانا فضل الدین صاحب لاہوری (حکیم محمد حسن صاحب قریشی پرنسپل طبیہ کالج لاہور کے والد تھے) کابل پہونچ گئے مولانا اسمٰعیل صاحب اور مولانا فضل الدین صاحب واپس آگئے۔ مگر مولانا سیف الرحمٰن صاحب کو امیر دولت محمد خاں والئے کابل نے روک لیا کیونکہ وہ ان کے پیر کے بیٹے تھے۔ امیر دوست محمد خاں نے ان کو بڑی تکریم و عزت سے اپنے پاس رکھا۔ اور پھر انہیں کچھ جاگیر اور ایک اچھا عہدہ دیکر بھیج دیا ۱۹۱۳ء تک ان کے خطوط ملنے سے لدھیانہ آتے رہے انھوں نے وہاں شادی بھی کی تھی اور دو بچے ان کے یہاں پیدا ہوئے۔ مولانا سیف الرحمٰن نے اپنے لڑکے کا نام محمد اسحاق اور لڑکی کا نام فاطمہ رکھا۔

لدھیانہ میں بھی ان کے دو ہی بچے تھے۔ لڑکے کا نام مولوی محمد آفاق مرحوم تھا اور لڑکی کا نام فاطمہ تھا۔ مولانا سیف الرحمان چھ فٹ کے فوجی جوان تھے۔ ان کو پوری فوجی ٹریننگ حاصل تھی۔ لدھیانہ سے قومی افواج کی دہلی کی طرف روانگی کے وقت مولانا سیف الرحمٰن کو متفقہ طور پر قومی افواج نے اپنے کمانڈر بنایا تھا۔ مولانا سیف الرحمٰن کی شجاعت اور فراست کے اب تک قصے ہمارے خاندان میں مشہور ہیں۔

پردادا مرحوم نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں پنجاب کی تمام انگریزی حکومت کی وطنی افواج سے پورا واسطہ پیدا کر لیا تھا۔ تمام اطلاعات تا حکمات پروگرام تربیۓ

سے لدھیانہ پہونچتے۔ اور وہاں سے تمام افواج کو بھیجے جاتے تھے۔ اس طرح
لدھیانہ قومی افواج کا خفیہ ہیڈکوارٹر (اور کنٹرول روم
) تھا۔ یہ ہیڈکوارٹر پردادا مرحوم نے اپنی مسجد دومنزلی میں
قایم کیا تھا (مسجد دومنزلی محلہ موچپورہ لدھیانہ میں واقع ہے) اور اسی مسجد دو
منزلی میں ہتھیاروں کی سپلائی عام مجاہدین کو کی جاتی تھی۔ یہ اسلحہ قومی آزادی کی
مددگار پوربی افواج سے حاصل کیا جاتا تھا۔ پردادا مرحوم کی تقریریں جہاد کا اثر
رکھتی تھیں۔ اور ان کی ولایت کا کمال تھا کہ پنجاب کی تمام انقلابی قومیں ان کے
گرد اکٹھی ہوگئیں۔ اور ادھر دہلی کے لال قلعہ کے انقلابی ہیڈکوارٹر کا پورا اعتماد
پردادا مرحوم کو حاصل تھا۔ پردادا مرحوم کو دلی کے انقلابی ہیڈکوارٹر سے جو حکم بھی ملا
انھوں نے اس حکم کے مطابق تمام پنجاب کی افواج کو اطلاعات دیں۔ اور پروگرام
کو منظم کیا۔

لدھیانہ کی تاریخی اور سیاسی اہمیت اور فوجی انقلاب کا مرکز ہونے کے
بارے میں تمام مورخین نے امام العارفین مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کو پنجاب
میں قومی انقلاب کو منظم کرنے والا لیڈر تسلیم کیا۔ لیکن ساتھ ہی ان کے فوجی پلان
کے سلسلہ میں مسٹر ساور کرنے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ لدھیانہ کے مولوی صاحبان اگر
لدھیانہ کے انقلابی مرکز ہی میں فوجیں جمع کرکے انگریزوں سکھوں اور پنجابی مسلمان ٹوانوں کی
افواج کو دریائے ستلج پر مورچہ بنا کر روک لیتے تو دہلی میں پہونچنے والی انگریز سکھ اور ٹوانوں کی افواج
کے راستے مسدود ہو جاتے۔ اور وہ پنجاب ہی میں پسپا ہو جاتے۔ اس طرح دہلی کا قومی انقلاب کامیاب
ہو جاتا مگر امام العارفین مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے سامنے فوجی نقشہ اور پلان بنانے
سے زیادہ اہمیت لال قلعہ کے قومی انقلابی ہیڈکوارٹر کے احکامات کی تعمیل تھی۔ وہ کوئی ایسا
کام نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کہ کسی تاریخی بدنامی کا داغ ان کے دامن پر آ جائے۔ اور آئے

والے مورخین یہ نشاندہی نہ کر سکیں۔ کہ لدھیانہ میں قومی انقلابی کا میر دبروقت فوجیں دہلی سے جاتا تو دہلی کا انقلاب کامیاب ہوتا۔

لدھیانہ میں ۱۵؍مئی ۱۸۵۷ء کو انقلاب کر کے آزاد حکومت قایم کر لی گئی تھی۔ لیکن یکم جون کو دلی انقلابی ہیڈ کوارٹر سے دو اعلان پنجاب کی افواج کے نام مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے پاس پہونچے جنہیں انہوں نے لدھیانہ سے آگے پھلور۔ جالندھر۔ فیروزپور اور دوسری فوجی چھاونیوں میں فوجی انقلابی سپاہیوں کے پاس فوراً بھیجدیا۔ تاکہ پنجاب کی افواج جلد سے جلد علم آزادی بلند کر کے دہلی کی طرف مارچ کرنے کیلئے لدھیانہ جمع ہو جائیں۔ چنانچہ ذیل کے اعلانات کا پہونچنا تھا کہ جالندھر اور پھلور کی فوجوں نے علم آزادی بلند کیا۔ اور ۱۱؍جون ۱۸۵۷ء تک لدھیانہ پہونچ گئیں۔ جہاں سے انہوں نے ۱۲؍جون ۱۸۵۷ء کو مولانا کی رہنمائی میں دلی کی طرف مارچ کیا۔

اعلانات از طرف انقلابی ہیڈ کوارٹر لال قلعہ دلی

بنام مولانا شاہ عبدالقادر صاحب لدھیانوی امیر لدھیانہ انقلابی ہیڈ کوارٹر۔

اعلان نمبر۱ یہ اعلان وہ لوگ جاری کرا رہے ہیں۔ جو بغیر کسی ذاتی مقصد برآری یا دنیاوی فائدے کیلئے اپنے مذہب کیلئے لڑ رہے ہیں۔ جنہوں نے ظالم اور سفاک انگریزوں کو جو ان کے مذہب کے دشمن ہیں۔ تباہ کرنے کی ٹھان لی ہے۔ اور اپنے اس جہاد کو محض دین کی خاطر جاری رکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری امداد کرے کہ ہم ان ظالموں کو ملک سے باہر نکالدیں ہندوؤں اور مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ ہندوستان کی فوجوں نے بڑی وفاداری سے لندن کے بادشاہ اور آنریبل کمپنی کیلئے لڑائیاں لڑیں اور تمام ممالک جو کلکتے سے پشاور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کو فتح کیا۔ ان خدمات کا صلہ انگریزوں اور ان کے بادشاہ نے ہمیں یہ دیا۔ کہ:-

۱۔ جہاں مالگذاری کے دو سو روپیہ لیتے تھے، وہاں تین سو وصول کئے اور جہاں چار سو لیتے تھے، وہاں پانچسو کا تقاضہ کرنے لگے۔ اب مزید سعی رہتے ہیں کہ انہیں بھی کسی طرح اضافہ کیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ تباہ و برباد ہو جائیں گے

۲۔ انہوں نے چوکیدار ٹیکس پہلے دگنا پھر چوگنا۔ پھر دس گنا کر دیا اور لوگوں کو تباہ کرنے کی ٹھان لی۔

۳۔ شرفاء اعلیٰ خاندان کے لوگ اور طبقہ علماء اپنے روزگار سے محروم ہو چکے ہیں لاکھوں آدمی ایسے ہیں جنہیں ضروریات زندگی میسر نہیں جب کوئی آدمی تلاش روزگار میں ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں جانا چاہتا ہے۔ تو اس سے چھ پائی راہداری اور چار آنے سے آٹھ آنے تک گاؤں کا کرایہ وصول کیا جاتا ہے ایسی حالت میں وہ لوگ آمد و رفت کر سکتے ہیں جو استطاعت والے ہوں۔

ظالموں کے مظالم کو کہاں تک گنایا جائے۔ اب تو صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ اس نے ہمارے مذہب کو بھی تباہ کرنے کی ٹھان لی ہے۔ اسی لئے ہندوستان کی تمام افواج ہندو اور مسلمان کلکتہ سے پشاور تک اٹھ کھڑی ہوئے وہ کہتے ہیں کہ انسان ایک ہی مرتبہ مرتا ہے۔ اور مذہب سے منکر ہو کر مرنا دونوں جہان میں روسیاہی کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ اور ہمیں توفیق دے کہ ہم ظالموں اور دشمنوں کو تباہ کر دیں۔ شہادت اور پھر جنت کا اس سے سیدھا راستہ کونسا ہو سکتا ہے۔ اسی خیال پر ہندو اور مسلمان فوجیں دہلی اور دیگر مقامات پر جمع ہو گئی ہیں تا کہ آسانی سے اپنے مذہب کے لئے لڑ سکیں اگر مذہب قایم رہا تو ہم خود بھی قایم رہیں گے۔ اور مذہب نہ رہا تو مر جانا بہتر ہے اگر ہمارے مذہب کے دشمن اس مرحلے پر ہم سے صلح کرنا چاہیں۔ اور وعدے وعید کر کے اس آگ کو بجھانا چاہیں۔ تو حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ہرگز

اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔ وہ دغاباز ہیں۔ ان کے وعدوں کی کوئی وقعت نہیں ہر آدمی کو ہوشیار رہنا چاہیئے۔ کہ ان کے دام تزویر میں نہ آئے۔

پنجاب کے باشندوں کو نیند سے چونکنا چاہیئے اور سمجھنا چاہیئے کہ اگر اس حکومت نے ہندوستان کو بھاری ٹیکسوں اور لگانوں سے تباہ کر دیا۔ اور اب مذہب کے بھی دشمن ہو گئے ہیں۔ تو پنجاب کا بھی ان نتائج سے بچنا ممکن نہیں۔ اگر پنجابیوں نے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا تو وہ یاد رکھیں۔ کہ پھر بالکل بے بس ہو جائیں گے ہماری فوجیں بہت ہیں۔ اور انگریزی فوج کل چار یا پانچ ہزار گوروں پر مشتمل ہے ان میں سے بھی کچھ بیمار ہیں۔ خدا کیلئے عورتوں کے سے کپڑے اتار کے پھینک دو۔ اور مردوں کا لباس پہن کر ہمارے ساتھ ہو جاؤ گورنمنٹ کے خزانے میں ایک کوڑی بھی نہ دو۔ جو آدمی ہماری بادشاہت قایم ہونے سے پہلے لگان دیگا۔ وہ پچھتائے گا جو کسی کو تنگ کریگا۔ یا مسافروں کو لوٹے گا اسکا گھر اور جائداد ضبط کیجائیگی اور سزا ملیگی۔ یہ فیصلہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ فیصلہ ہے۔ جو اسکی خلاف ورزی کرے گا۔ سزا پائیگا۔ لیکن جو ہمارے دین و دھرم کے دشمنوں کو لوٹے گا۔ اس سے محاسبہ نہیں۔ وہ نیک نامی حاصل کرے گا۔

معلوم ہو کہ لکھنؤ وغیرہ کی بھی ساری فوجیں دین کی حفاظت میں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ اور دہلی میں جمع ہو گئی ہیں۔ انگریزوں کے پاس بہت تھوڑے سپاہی رہ گئے ہیں اور اگر ہم میں سے ہر ایک ان پر ایک مٹھی ریت پھینکے تو اللہ کی مہربانی سے ان کا نام و نشاں مٹ سکتا ہے۔ اور وہ نیست و نابود ہو جائیں گے۔ کوئی ہندو مسلمان نہ گھبرائے اللہ پر بھروسہ رکھو اپنے ارادے کو متزلزل نہ ہونے دو اللہ ہی پر بھروسہ اور اسی کی یاد ہونی چاہیئے۔ اسی کی تائید سے ہمیں فتح نصیب ہوگی۔ جو ہندو یا مسلمان دین کے دشمنوں کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف لڑے گا اسکا

دونوں جہان میں منہ کالا ہوگا۔ اسے کبھی قرار نہ ملے گا۔ اس لئے کہ یہ لڑائی دین کی لڑائی ہے۔ انگریزوں سے ہم صرف یہ کہتے ہیں۔ کہ اپنے چھوٹوں کو اشتہار پڑھنے سے نہ روکو۔ جیسے تم اعلانات جاری کرتے ہو۔ ویسے ہی ہم اعلانات جاری کرتے ہیں۔ اور یہ حق ہمیں بھی حاصل ہے۔ جیسے تم تیاریوں میں مشغول ہو ویسے ہی ہم بھی مشغول ہیں۔ نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یاد رکھو۔ جو ظلم تم نے توڑے ہیں وہ منتقم حقیقی ضرور تم سے ان کا بدلہ لے گا۔

اعلان ۱۲ یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ اگرچہ ہم نے اپنے مذہب کی خاطر بڑی کوششوں سے اس جہاد کے انتظامات کئے۔ جگہ جگہ کی ٹھوکریں کھائیں۔ اور کامیابی حاصل کر کے خدا کی مدد سے تمام یورپین سپاہیوں کو مارا جو ہمارے دین کے دشمن تھے۔ آپ لوگ ہیں کہ ہمارے بھائی ہیں۔ رشتہ دار ہیں اور فوجی ہونے کی حیثیت سے ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر بھی وہاں پر بے دست و پا ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ بات آپ کو زیب نہیں۔ جس طرح بن پڑے ان دشمنوں کو تباہ کر دو۔ اور دہلی پہونچ جاؤ۔ کلکتہ سے پشاور تک کے بہادر سپاہی دہلی میں جمع ہو رہے ہیں۔ دین کی حفاظت میں لڑنا اصلی سعادت ہے تنخواہوں کا ہرگز فکر نہ کرو۔ بارہ روپیہ ماہوار کی نوکری بہر صورت مل جائے گی۔ اب تو دین کی خدمت کرو کھاؤ مسلمان مارے گئے تو شہید کہلائیں گے۔ ہندو مارے گئے تو بیکنٹھ و شیش ہو جائیں گے۔ ڈرو نہیں فوراً چلے آؤ۔ سارا ملک ہمارے ساتھ ہے۔ یہ اعلان خود بھی پڑھو اور دوسروں کو بھی پڑھواؤ اسکی نقلیں کر کے چھاؤنیوں میں لگا دو تاکہ دونوں قومیں پڑھیں۔ اور حالات سے آگاہ ہو کر اپنا فرض ادا کریں۔ اس امر میں ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہئے۔

ایک سپاہی کے دست و بازو اسکے ہتھیار ہوتے ہیں اسلئے ہتھیاروں کو

ضائع نہ کرو۔ اور دہلی پہونچو۔ جہاں ہم سب لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں۔ تم دیر کیوں کر رہے ہو۔ ان اوپر کی ہدایت پر عمل کرو۔"

آفریں ہے ان مسلمان شجاعوں اور ہندو سورماؤں پر جنہوں نے سلامتی اور لالچ کو ملک اور دین کیلئے اٹھا کر پیچھے پھینک دیا چپہ چپہ پر جانیں دیں۔ ہر موڑ پر لڑے ہر بلندی پر جھپٹے آبادیوں اور جنگلوں کو اپنے خون سے لالہ زار کر دیا۔ آخر لڑتے لڑتے بے چارگی اور بیکسی کی انتہا کو پہونچ گئے۔ جنگلات میں۔ برسات۔ جاڑے اور گرمیوں کی سختیوں میں جھاڑیوں کی اوٹوں میں رہے، اور پتے کھا کھا کر زندگی گذار دی۔ مگر جذبہ آزادی کو سرد نہ ہونے دیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن   خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد

دہلی میں قومی انقلاب کی ناکامی کے بعد ہندوستان کے تمام شہروں دیہاتوں چھاؤنیوں میں انگریزی افواج نے اندھا دھند مظالم ڈھانے شروع کئے۔ لوگوں کو زندہ جلایا۔ برسرِ عام سولیاں اور پھانسیاں دی گئیں۔ لوگوں کو گولیوں سے اڑایا گیا، اسی ضمن میں لدھیانہ شہر میں قلعہ کے قریب جو محلے آباد تھے۔ اور جن لوگوں نے۔ جالندھر پھلور لدھیانہ کی فوجوں کے کھانے پینے کا انتظام اور استقبال کیا تھا۔ وہ تمام محلہ انگریزی افواج نے گرا کر زمین کے برابر کر دیا، جو آج درلیسی کے میدان کے نام سے مشہور ہے۔ یہ رقبہ تقریباً آدھا میل لمبا پانچ فرلانگ چوڑا ہے۔

لدھیانہ شہر میں گرجا گھر کے چوک چوڑا بازار گھاس منڈی میں دو پھانسی گھر انگریزی افواج نے بنائے تھے جسمیں روزانہ ہندو مسلمان مشترکہ پھانسی پر لٹکائے جاتے تھے۔

کشمیری عورت کی جرأت ایمانی

دو کشمیری نوجوان رحیم جو اور کریم جو کو جب گھاس منڈی کے چوک میں پھانسی لگائی جانے لگی۔ پھانسی سے پہلے ان کو ایک ہندو لالہ پولو رام نے پانی کے دو گلاس پینے کے لئے دیئے۔ انگریزی فوج کے کمانڈر نے اس جرم پر لالہ پولو رام کو بھی ان کے ساتھ پھانسی پر لٹکا دیا۔ کریم جو اور رحیم جو کی والدہ کا نام زنتو تھا۔ یہ بڑی بہادر عورت تھی۔ اسکے دونوں جوان بیٹوں کو اسکے سامنے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ جب انہیں پھانسی کی طرف لیجایا جانے لگا تو اس نے باآواز بلند اپنے بیٹوں سے کہا۔ بیٹو فکر نہ کرو۔ تم شہید کئے جا رہے ہو۔ میں خوشی سے تمہیں خدا کے سپرد کر رہی ہوں۔

لدھیانہ کی مسجد دو منزلی اسکے اردگرد کے مکانات کو پہلے انگریزی افواج نے آگ لگائی پھر مسجد سمیت تمام مکانات کو مسمار کر دیا۔ دیہ دو منزلی مسجد دوبارہ علمار لدھیانہ نے واپسی پر ۱۸۶۲ء میں تعمیر کی ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد دو خاندان لدھیانہ میں لاکر نظر بند کئے گئے۔ ایک نواب عبدالرحمان خاں صاحب شہید والئی جھجر کا خاندان تھا۔ جن کو جھجر میں انگریزی فوج نے تھانے کے سامنے پھانسی دی تھی۔ ان کے لڑکے نواب امین الرحمان خاں ان کی بیوہ قمر زمانی لدھیانہ ہی میں رہے۔ انہیں واپس جھجر جانے کی کبھی اجازت نہ ملی۔ دوسرا خاندان نواب لوہارو۔ اور نواب پٹودی کا تھا۔ اس خاندان کے کچھ لوگ لدھیانہ میں آکر رہے۔ کالی بیگم نواب ابراہیم خاں آف پٹودی کی بیوہ تھیں۔ جن کے نام سے دلی میں کلاں محل بنا ہوا ہے۔ کالی بیگم کے داماد نواب نظام الدین مع اپنے پورے خاندان کے حکومت انگریزی کے معتوب خاندان ہونے کی حیثیت سے ۱۴ ستمبر ۱۹۴۷ء تک مقیم رہے۔ لدھیانہ میں ان دونوں خاندانوں کے آنے سے لدھیانہ کی عام تہذیبی اور تمدنی زندگی پر بہت اثر پڑا۔ یہ دونوں گھرانے لدھیانہ کے عام شہریوں کیلئے تہذیبی اور تمدنی درسگاہ بن گئے۔ بڑی بات ان خاندانوں میں یہ تھی کہ باوجود مفلسی

اور تنگ ذہنی کے انہوں نے اپنے رکھ رکھاؤ، تہذیب و تمدن نشست و برخاست میں ۱۹۲۴ء تک بھی کوئی فرق نہ آنے دیا تھا۔

تیسرا آزاد خیال خاندان علما لدھیانہ کے مرید اور بیعت ہونے کی وجہ سے ۱۸۹۵ء میں میدان سیاست میں آیا یہ خواجہ صاحبان کے خاندان سے مشہور تھا خواجہ احمد شاہ اور خواجہ خلیل شاہ شال اور قالین کے بہت بڑے تاجر تھے دونوں حافظ قرآن تھے۔ ان کے قالین و شال فرانس جاتے تھے۔ لیکن جب فرانسیسی حکومت نے الجزائر میں پاؤں پھیلانے شروع کئے تو ہندوستان میں فرانسیسیوں کے خلاف مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی علما لدھیانہ کی اپیل پر عربوں کیلئے لدھیانہ میں چندہ ہوا۔ وہ عرب ممالک میں بھیجا گیا، فرانسیسی حکومت کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے خواجہ خلیل شاہ اور احمد شاہ کی فرم کے تمام آرڈر منسوخ کر دیئے جس سے ان دونوں بھائیوں کو تقریباً ایک لاکھ روپیہ کا نقصان ہوا چونکہ یہ دونوں بھائی بہت جری اور بہادر تھے۔ انہوں نے اسکی کوئی پرواہ نہ کی۔

فروری ۱۸۹۶ء میں خواجہ احمد شاہ نے "علن تھرافسٹ" PHILANTH
ہفتہ وار اخبار انگریزی میں لدھیانہ سے دستی پریس پر جاری کیا۔ یہ پہلا انگریزی ہفتہ وار اخبار تھا جس نے کھلم کھلا حکومت ہند پر نکتہ چینی کی۔ یہ پنجاب میں بہت جلد مقبول ہوا۔ اسکی مقبولیت اور افادیت کے پیش نظر خواجہ احمد شاہ نے ہفتہ وار اخبار کی بجائے روزنامہ "آبزرور" جاری کیا ( ) پہلے ایڈیٹر شیخ عبدالقادر تھے۔ جو بعد کو سر عبدالقادر کے نام سے مشہور ہوئے آبزرور کے ادارہ تحریر میں میاں میری شاہ آف گوجرہ میاں فضل حسین آف بٹالہ اور میاں محمد شفیع آف باغبانپورہ تھے اس زمانے میں یہ چاروں اصحاب انگریزی کے بہترین لکھنے والے اور آزاد خیال جرنلسٹ ( ) مانے جاتے تھے۔ میاں فضل حسین ایک عرصہ تک پنجاب کانگریس کے صدر بھی رہے۔

۱۹۰۲ء میں خواجہ احمد شاہ نے آبزرور چھاپنے کیلئے لندن سے برقی پریس منگوا کر لاہور

میں نکلتا جس سے اس اخبار کی اشاعت بڑھ گئی۔ تمام ہندوستان کے انگریزی داں مسلمان اسی اخبار کو پڑھتے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں حکومت ہند نے اس اخبار کو آزاد خیالی کی بنا پر بند کر دیا پریس ضبط کر کے نیلام کر دیا گیا۔ اخبار بند کرنے سے پہلے گورنر پنجاب نے ۱۹۱۸ء میں خواجہ احمد شاہ پر ایک جھوٹا مقدمہ قائم کیا خواجہ احمد شاہ نے اس مقدمہ کی ڈٹ کر پیروی کی۔ ایڈواٹر جیسے ظالم گورنر کو شکست ہوئی پریوی کونسل نے خواجہ صاحب کو بری کر دیا، مقدمہ کے دوران گورنر پنجاب نے خواجہ احمد شاہ سے صلح کرنے کی بڑی کوشش کی۔ ۱۹۱۹ء میں انبالہ سرکٹ ہاؤس میں گورنر پنجاب نے میاں فضل حسین کی معرفت ڈاکٹر عبدالرحمن۔ مولانا محمد ذکریا اور خواجہ احمد شاہ سے ملاقات کی خواجہ صاحب نے گورنر کی ہر تجویز کو مسترد کر دیا۔ اور کسی بھی قسم کی صلح کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

خواجہ احمد شاہ ۱۸۸۸ء سے آل انڈیا کانگریس کے ممبر بنے ۱۹۱۰ء میں ایک آزاد خیال کانگریسی کی حیثیت سے منٹو مارلے اسکیم کے مطابق مرکزی کونسل میں ممبر منتخب ہوئے۔ اور نو سال تک ممبر رہے۔ ۱۹۱۹ء میں جلیان والے باغ کے واقعہ کے بعد سے خواجہ احمد شاہ کا مکان مفرور انقلابیوں کے ٹھہرنے کا اڈا بن گیا۔ مسلم مرہٹہ لیڈر ڈاکٹر سیف الدین کچلو مفروری کے زمانے میں لدھیانہ میں ان کے مکان میں روپوش رہے۔

۱۹۲۱ء میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی رہنمائی میں خواجہ احمد شاہ کے چاروں بیٹے خلافت تحریک میں سرگرم کارکن بن گئے۔ ان کے نام خواجہ محمد یوسف خواجہ محمد اکرم۔ خواجہ محمد اسلم اور خواجہ محمد اعظم ہیں۔ ۱۹۲۱ء میں علی برادران کی والدہ "بی اماں" جب لدھیانہ تشریف لائیں۔ تو خواجہ محمد یوسف صاحب نے اپنی کار میں انھیں بٹھایا اور جلوس میں خود کار چلاتے رہے، ان کے والد خواجہ احمد شاہ حیات تھے۔ لیکن کسی کام میں حصہ نہ لیتے تھے۔ خواجہ احمد شاہ صاحب ۱۹۲۳ء میں تیرسٹھ ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے خواجہ احمد شاہ کو لدھیانہ کے خواص و عوام میں بڑی عزت حاصل تھی۔ چھبیس ۲۶ سال تک میونسپل کمیٹی

لدھیانہ کے ممبر بھی رہے۔ ان کی جرأت بہادری لوگوں سے میل جول عوام سے ان کی محبت ان کے دستر خوان کی وسعت بلا امتیاز امیر و غریب سے ان کی دوستی اور الفت لدھیانہ شہر اور پنجاب میں ایک قابل قدر مثال تھی۔ خواجہ احمد شاہ مرحوم کے لڑکوں میں سے خواجہ محمد یوسف خواجہ محمد اعظم صاحب ۱۹۱۹ء سے لیکر ۶ ستمبر ۱۹۴۷ء تک کانگریس کی سرگرم سیاست میں شامل رہے۔ لدھیانہ شہر کی شہری سیاسیات اور میونسپل کمیٹی لدھیانہ کی پوری سیاست خواجہ محمد یوسف اور خواجہ محمد اعظم صاحب کے قبضہ میں رہی۔

۱۹۲۴ء میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے ارشاد پر خواجہ محمد یوسف صاحب نے ہفتہ وار اخبار انیس نکالا۔ انیس اخبار نے حکومت ہند پر آزادانہ نکتہ چینی شروع کی۔ اس اخبار میں ہر ہفتہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے باغیانہ مضامین شائع ہوتے۔ ان مضامین کی وجہ سے حکومت کیلئے یہ اخبار نا قابل برداشت ہو گیا۔ اخبار کو بحق سرکار انگریزی ضبط کر لیا گیا۔ اخبار کے ایڈیٹر انیس الرحمان امروہوی کو دو سال کی قید ہو گئی۔ خواجہ محمد یوسف صاحب کا پریس ضمانت نہ دینے کی سزا پر ضبط کر لیا گیا۔ پریس کی مالیت کم و بیش دس ہزار کی تھی۔ خواجہ محمد یوسف صاحب چودہ سال میونسپل کمیٹی لدھیانہ کے صدر رہے۔ نو سال تک پنجاب کونسل کے ممبر رہے ۱۹۲۵ء میں گورنر پنجاب نے جب لدھیانہ میں گورنری دربار کرنا چاہا تو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے دربار کے بائیکاٹ کا اعلان کیا اور پنجاب کے مشہور رہنما لالہ لاجپت رائے کو تار دیکر لدھیانہ بلایا۔ گورنر کے مقابلہ میں لالہ جی کا جلوس شاندار طریقے سے نکالا۔ لدھیانہ میں صبح کو آٹھ بجے گورنر پنجاب پہونچ رہا تھا عین اسی وقت لالہ لاجپت رائے موٹر کے ذریعہ صبح آٹھ بجے لدھیانہ پہونچ گئے لدھیانہ بڈھے نالا کے پل پر پچاس ہزار آدمیوں نے لالہ جی کا استقبال کیا یہاں سے جلوس کی شکل میں مجمع شہر کی طرف روانہ ہوا۔ جلوس کے تمام انتظامات رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی کے صاحبزادے مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانوی کر رہے تھے۔ اور وہی جلوس کے رہنما بھی تھے

جب یہ جلوس چوڑے بازار میں سبزی والے چوک پر پہونچا تو ایک انسپکٹر پولیس جلوس کو روکنے کیلئے آگے بڑھا، مولانا خلیل الرحمان نے انسپکٹر کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا، اور اٹھاکر ایک بڑی نالی میں پھینکدیا۔

خالصہ اسکول اسلامیہ اسکول آریہ اسکول اور دوسرے گورنمنٹ اسکولوں کے طلبا کو گورنر پنجاب کے استقبال کیلئے تیار کیا گیا تھا۔ وہ سب کے سب طلبا بینڈ باجوں کے ساتھ لالہ جی کے جلوس میں شامل ہو گئے۔ میونسپل کمیٹی کے اصغر علی ہال کو جہاں گورنر پنجاب میلکم ہیلی کو آنا تھا، لوگوں نے گھیر لیا۔ ہال پر اصغر علی ڈپٹی کمشنر کا جو پتھر لگا ہوا تھا۔ اسے توڑ دیا گیا پتھر توڑنے کی رہنمائی لدھیانہ کے دو مشہور میونسپل کمشنر کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام چودھری عبدالرحیم عرف چھوٹو تھا اور دوسرے کا نام سید لیٰسین شاہ تھا۔ گورنر پنجاب میونسپل کمیٹی میں نہ آسکے۔ ان کی جگہ لالہ لاجپت رائے نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی کی صدارت میں اسی اسٹیج پر تقریر کی جس پر گورنر پنجاب کو دربار کرنا تھا۔

جلسہ محمد لیٰسین کانگری نظم خواں اور مشہور نعت خواں کی نظم سے شروع ہوا۔

سر دینے کی جا ہو سر دیں گے زر دینے کی جا ہو زر دیں گے
آزاد وطن کو کر لیں گے
صیاد کا کھٹکا جائیگا۔ گلچیں بھی نہ آنے پائے ..... گا
اللہ کا ہوگا فضل و کرم۔ گلزار وطن کو کر دیں گے
ہر دیس سے پودے پھولوں کے ہم لاکر اسمیں بھر دیں گے
آزاد وطن کو کر لیں گے
سر دینے کی جا ہو سر دیں گے زر دینے کی جا ہو زر دیں گے

گورنر پنجاب نے اپنی ذلت اور ناکامی پر پردہ ڈالنے کیلئے لدھیانہ میونسپل کمیٹی کو توڑ دیا۔ اور تمام ممبران کو نااہل ممبر قرار دیا گیا ۱۹۳۲ء میں آل انڈیا مسلم کشمیر کانفرنس لدھیانہ

میں ہوئی۔ اسکی صدارت کیلئے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے خواجہ محمد یوسف صاحب کے ذریعہ پنڈت موتی لعل نہرو کو کشمیر کانفرنس کا صدر بنایا کانفرنس میں بڑے بڑے مسلمان کشمیری لیڈروں نے پنڈت موتی لعل کی گاڑی اپنے ہاتھ سے کھینچی۔ ایک لاکھ ہندو اور مسلمان نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ نہرو رپورٹ کی وجہ سے پنجاب میں پنڈت موتی لعل نہرو کی ہندوؤں سکھوں اور مسلمانوں میں سخت مخالفت ہو رہی تھی۔ لیکن رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی کی اس تدبیر سیاست نے ہوا کا رخ پلٹ دیا۔ پنجاب کے عام ہندو مسلمان اور سکھوں نے پنڈت جی کی تعریف کرنا شروع کی۔ پنجاب کے اخبارات کا رخ بھی بدل گیا۔ پنڈت موتی لعل مولانا کی اس تدبیر سیاست سے بہت خوش ہوئے۔ اور جب تک زندہ رہے برابر پنڈت جی نے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کو اپنے دوستوں اور خاص مشیروں کی فہرست میں رکھا۔

۱۹۳۸ء میں اسٹیٹ پیپل کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے جب پنڈت جواہر لعل نہرو لدھیانہ تشریف لائے۔ اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے والد حضرت مولانا ذکریا مرحوم کی دعوت چائے منظور کی۔ چائے کی دعوت پر پنڈت جی کے علاوہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مولانا کے دونوں بھائی مولانا محمد حسن مولانا محمد یحییٰ صاحب اور بیٹوں میں سے عزیز الرحمٰن تھے۔ اس موقعہ پر پنڈت جی کو مولانا ذکریا مرحوم نے نصرۃ الابرار کا وہ فتویٰ پیش کیا۔ جو ۱۸۸۸ء میں حضرت قطب عالم مولانا شاہ عبدالعزیز لدھیانوی اور فقیہہ سیاست بناض وقت مولانا شاہ محمد لدھیانوی نے کانگریس کی شمولیت کے بارے میں دیا تھا۔ پنڈت جی اس فتویٰ کی تاریخی حیثیت دیکھکر بہت متاثر ہوئے۔ اور مولانا محمد ذکریا صاحب کو مبارکباد دی۔ اس موقعہ پر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے مسکراتے ہوئے پنڈت جی سے کہا کہ ہندوستان میں ہزاروں لیڈروں کو کانگریس تحریک نے جنم دیا لیکن میرے آباؤ اجداد خود کانگریس کے خالق رہے تھے۔

لدھیانہ شہر کی تعلیمی حالت

علماء لدھیانہ نے ۱۸۳۶ء سے لوگوں کو تعلیم دینے کا کام شروع کیا۔ ۱۴ ستمبر ۱۹۴۷ء تک علماء لدھیانہ کے خاندان نے "نسلاً بعد نسل" لوگوں کو تعلیم دینے کا سلسلہ جاری رکھا۔ شہر کے مسلمان مرد عورت بچے پچانوے ۹۵ فیصدی اردو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ قرآن مجید کی تعلیم عام طور پر سب کو حاصل تھی۔ لوگوں کو اپنے بچوں کو قرآن حفظ کرانے کا بہت شوق تھا۔ امراء سے لیکر غربا تک تمام لوگ انگریزی تعلیم سے پہلے اپنے بچوں کو قرآن شریف حفظ کرانے کے لئے شہر کے حفاظ کے پاس بھیجتے تھے۔ اس ذوق و شوق کا یہ نتیجہ ہوا کہ لدھیانہ میں عام طور سے نوجوانوں میں قاری اور حافظ ہو گئے تھے۔ حفظ قرآن کے استادوں میں مشہور استاد حافظ محمد قاسم، حافظ محمد عبد اللہ، حافظ عبد الرحیم تھے۔ یہ تینوں حافظ قطب عالم مولانا شاہ عبد العزیز صاحب سے بیعت تھے۔

۱۸۵۷ء میں لدھیانہ کی آبادی تیس ہزار افراد پر مشتمل تھی جسمیں اسّی فیصدی مسلمان تھے۔ یہ آبادی بڑھتے بڑھتے ۱۹۴۷ء میں ایک لاکھ بیس ہزار تک پہونچ گئی تھی۔ اسّی ہزار مسلمانوں کی آبادی میں تیس ہزار آدمی ضلع سہارنپور، مراد آباد، بجنور کے تھے جنہوں نے کپڑے کی صنعت کا مرکز ہونے کی وجہ سے لدھیانہ کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ ۱۴ ستمبر ۱۹۴۷ء تک لدھیانہ کے مسلم محلوں میں تین سو مسجدیں تھیں۔ کم و بیش ایک سو چوبیس' ابتدائی عربی اردو کے مدرسے تھے۔ اور ستّر کے قریب ایسے پرائمری مدرسے تھے۔ جن میں ایک وقت سرکاری نصاب کے مطابق تعلیم ہوتی اور دوسرے وقت دینی نصاب کے مطابق مسلمان بچوں کو دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ مشترکہ تعلیم کا نصاب اور نظامِ تعلیم مولانا نور محمد صاحب (موجد نورانی قاعدے) نے بنایا تھا۔ انہوں نے جس وقت یہ مشترکہ نصاب تعلیم اور مشترکہ نظامِ تعلیم کے تحت بطور تجربہ اپنا مدرسہ کھولا، اسوقت انہوں نے مدرسہ کا نام ام المدارس رکھا اس نام میں کچھ ایسی برکت ہوئی کہ اسی ڈھنگ پر لدھیانہ میں تمام مدرسے جاری ہوئے۔ اسی مدرسے میں کام کرنے والے استادوں نے نئے مدرسے کھولے ام المدارس

بیس برس کے بعد صحیح معنوں میں ام المدارس بن گیا۔ ابتدائی تعلیم کے علاوہ عربی تعلیم کے دس اعلیٰ مدرسے بھی قائم تھے۔ جن میں۔ مدرسہ عزیزیہ۔ مدرسہ قاسمیہ۔ مدرسہ محمودیہ۔ مدرسہ امیہ۔ مدرسہ فیض عام۔ مدرسہ اہلحدیث۔ مدرسہ رشیدیہ۔ نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ ان مدرسوں کی خصوصیت یہ تھی۔ کہ ان میں ابتدائی صرف و نحو سے لیکر فقہ، ہدایہ تک پڑھائی جاتی تھی۔ فارسی دیوان حافظ تک۔ البتہ حدیث کی تعلیم کیلیے۔ طلبار کو یہاں سے دیوبند سہارنپور اور دہلی بھیجدیا جاتا۔ اگرچہ یہاں علمار میں محدث اور حافظ حدیث بھی تھے لیکن ان کے نزدیک حدیث کی مرکزی درسگاہیں سہارنپور دیوبند اور دہلی میں تھیں اس لئے ان طلبار کو سند حدیث حاصل کرنے کیلئے ان درسگاہوں میں بھیج دیا جاتا ۱۸۸۰ء سے لیکر ۱۹ ستمبر ۱۹۴۷ء تک دس ہزار طلبا نے علم دین ان مدرسوں سے حاصل کیا۔ اور سند حدیث لیکر فارغ التحصیل عالم ہو گئے۔

لدھیانہ کی اقتصادی حالت

لدھیانہ شہر میں کپڑے سوئٹر اور دری کی صنعت کو گھریلو دستکاری کا درجہ حاصل تھا۔ لدھیانہ معمولی سے معمولی کاریگر کی یومیہ آمدنی پانچ روپے یومیہ تھی۔ عورتیں گھروں میں مشینوں پر کام کر کے دو روپیہ یومیہ کی مزدوری کر لیتی تھیں۔ کام کرنے میں کوئی گھر خالی نہ تھا۔ فالتو وقت میں بچے بھی اپنے ماں باپ کا ہاتھ بٹاتے تھے لدھیانہ امریکن عیسائی مشنری کا ۱۸۳۴ء سے مرکز تھا۔ مشنری مرکز کے تحت عورتوں کیلئے براؤن اسپتال کے نام سے ایک اسپتال قایم کیا گیا۔ اس اسپتال کو ایک عورت ڈاکٹر مس براؤن نے جو لندن کی رہنے والی تھی قایم کیا تھا۔ اپنی تیس سال کی کوشش کے بعد مس براؤن نے اسپتال کے ساتھ لیڈی ڈاکٹری کالج بھی قایم کیا۔ اسپتال میں بیک وقت ایک ہزار مریضوں کے رہنے کی گنجائش تھی۔ مس براؤن ٹھنڈے مزاج کی گہری مشنری عورت تھی۔ اس نے لدھیانہ شہر میں مشنری تعلیم و تبلیغ کا کوئی کام نہیں کیا۔ کیونکہ وہ علمار لدھیانہ کے اقتدار کی وجہ سے

خنزری ضلع کو شہر میں جاری نہ کرسکی۔ باقی تمام پنجاب میں مس براؤن نے خنزری عورتوں کے ذریعہ عیسائیت کا جال پھیلا دیا تھا۔ تیس برس میں پچاس ہزار عورتوں کو پنجاب اور سرحد میں عیسائی بنایا گیا لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ مس براؤن کا اخلاق اور خدمت ایسی تھی کہ اس خدمت کو دیکھ کر رشک آتا تھا کہ کاش ہندوستان کے لوگ اس خدمت کو اپنائیں۔ اور سیکھ لیں۔ اسپتال کی مشہور لیڈی ڈاکٹروں میں ڈاکٹر براؤن کے علاوہ ڈاکٹر لیکر۔ ڈاکٹر مس سنگھ ڈاکٹر مس ڈور۔ ڈاکٹر مس رزاق۔ ڈاکٹر لیکر اور مس ڈور امریکن تھیں، مس سنگھ۔ مس رزاق ہندوستانی عیسائی تھیں۔ ڈاکٹر مس رزاق نے محبت اور خدمت سے راقم الحروف کو ہمیشہ کیلئے ممنون احسان بنالیا تو

حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی

لدھیانہ ڈسٹرکٹ کانگریس اور سٹی کانگریس کی صدارت پنجاب کانگرس کی سیاست کا اہم مرکز تھا۔ ۱۹۳۰ء میں حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی صدارت چھوڑنے کے بعد سٹی کانگرس کے صدر منتخب ہوئے پنجاب کانگرس کی رہنمائی میں مفتی صاحب نے نمایاں حصہ لیا۔ مفتی صاحب کی قابلیت فہم و تدبر سیاست و سیادت پر پنجاب کے تمام کانگرسی متفق تھے۔ مفتی صاحب سیاسیات میں جو بات کہتے وہ جچی تلی ہوتی۔

قصہ خوانی بازار پشاور میں جب سرخ پوشوں پر گولی چلائی گئی تو آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی طرف سے پٹیل تحقیقاتی کمیٹی مقرر ہوئی جسکے ایک ممبر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے پٹیل کمیٹی کے سکریٹری حضرت مولانا مفتی نعیم صاحب مقرر ہوئے کمیٹی کا اجلاس راولپنڈی میں شروع ہوا کیونکہ حکومت سرحد نے پٹیل کمیٹی کا داخلہ سرحد میں ممنوع قرار دیدیا تھا۔ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب نے ۸۸ شہادتیں قلم بند کر کے سردار پٹیل کے سامنے پیش کیں جن شہادتوں کی بنیاد پر پٹیل کمیٹی کی رپورٹ مرتب ہو کر شائع ہوئی اور ضبط کر لی گئی پٹیل کمیٹی کی رپورٹ میں یہ بات جلی حروف میں تحریر کی گئی تھی کہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں سرحد کے سرخ پوش خدائی خدمتگاروں نے جو قربانیاں پیش کی ہیں اور [illegible] پٹھان

جس ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ سر بازار سینوں پر گولیاں کھا کھا کر شہید ہوئے ایسی مثال ہندوستان کے کسی صوبہ میں کسی قوم کی طرف سے پیش نہیں کی گئی۔ اور ہندوستان کی تمام قوموں کی قربانیوں کی طویل داستان سرخ پوشوں کی قربانیوں کے مقابلے میں ایک ادنیٰ سی کہانی بن کر رہ گئی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب نے پٹیل کمیٹی کی رپورٹ مرتب کرنے میں جس فہم و تدبر کا ثبوت دیا وہ صدر پٹیل کے الفاظ میں ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر مولانا مفتی محمد نعیم صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں۔

علماء لدھیانہ نے تاریخ کے ہر دور میں جو قدم اٹھایا وہ ہندوستانی سیاسیات میں اولیت کا درجہ رکھتا ہے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور حضرت مولانا مفتی نعیم صاحب لدھیانوی اپنے فکر و نظر اور کردار و عمل سے تاریخ کے ان اصحاب میں شمار ہوتے ہیں جو بقول علامہ ابن خلدون تاریخ لوگوں کو اپنی آغوش میں پالتی ہے۔ لیکن بعض لوگ دنیا میں ایسے بھی پیدا ہوتے ہیں جنکے کردار اور فکر و عمل سے تاریخ خود جنم لیتی ہے

لدھیانہ کانگریس اور میونسپل کمیٹی

لدھیانہ کی میونسپل کمیٹی کی سیاست پر ہمیشہ خواجہ صاحبان کا قبضہ رہا۔ وہ اس سیاست کو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے مشورہ سے چلاتے رہے۔ لدھیانہ کی کانگریس سیاست میں مولانا عبدالغنی ڈار شامل ہوئے، مولانا عبدالغنی ڈار بھی کانگریس لیڈروں میں صف اول کے لیڈر بن گئے ڈار صاحب نے پنجاب کانگریس اور آل انڈیا کانگریس میں ممتاز درجہ حاصل کر لیا۔ مولانا عبدالغنی ڈار کے بھائی محمد یامین ڈار اور مرحوم منشی احمد الدین امرتسری کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا لدھیانہ ہی ان تینوں کی سیاست کا مرکزی دائرہ عمل رہا۔ مولانا عبدالغنی صرف کانگریسی اور سیاسی کارکن ہیں۔ بھائی محمد یامین تشدد پسند انقلابی تھے۔ ان پر مقدمات تشدد کے مقدمے چلائے گئے سنہ ۴۲ء میں جیل ہی میں انتقال ہوا۔

منشی احمدالدین کا ہندوستان کی جنگ آزادی میں بہت بڑا حصہ ہے، اگرچہ وہ عملی طور پر تشدد پسند نہیں ہیں لیکن ان کی تقریریں انگریزوں کے خلاف آتش فشاں پہاڑ کے لاوے کی طرح ہوتی تھیں۔ ان آتشیں سیال تقریروں کی بدولت منشی احمدالدین کو کم و بیش بتیس[32] سال تک قید فرنگ کے مصائب برداشت کرنے پڑے منشی جی کی زندگی کے ساتھ انگریزی حکومت کے ظلم و ستم کی طویل داستان وابستہ ہے جسکی تفصیلات پر ایک مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ مولانا عبدالغنی ڈار اور بھائی محمد یامین ڈار کی زندگیاں بھی ہندوستان کی جنگ آزادی کی دو مستقل کتابیں ہیں۔ مولانا عبدالغنی ڈار بے نظیر مقرر دل کے سخی اور ہاتھ کے غنی ہیں۔ ان کی بہادری اور حق گوئی انگریزی حکومت سے لیکر آزاد ہندوستان کی کانگریسی حکومت تک اپنے ساتھ پوری تاریخ رکھتی ہے۔ (کانگریس خطرے میں ہے) یہ کتاب انکی کتاب زندگی کا آخری اور بہادرانہ باب ہے منشی احمدالدین اور مولانا عبدالغنی ڈار میں جس دوستی کا آغاز ۱۹۲۰ء سے لدھیانہ میں شروع ہوا تھا۔ آزاد ہندوستان میں بھی اسی طرح قایم ہے۔ جماعتی اختلاف کے باوجود دونوں میں ذہنی اور فکری اتحاد جو ۱۹۲۰ء میں تھا۔ دسمبر ۱۹۶۲ء تک اسی طرح قائم ہے۔ فراشخانہ پھاٹک دھوبیاں کے ایک مکان میں ہندوستان کی آزادی کے دو جانباز سپاہی تعمیر ہندوستان کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مستقبل پر گہری اور دور رس نظر رکھتے ہیں۔ وہ اپنی رائے کے اظہار میں اتنے ہی بے خوف و بے باک ہیں۔ جتنے وہ غلام ہندوستان میں انگریزی سنگینوں کے سائے میں بے باک و بے خوف رائے رکھتے تھے۔

محترم منشی احمدین صاحب اور مولانا عبدالغنی ڈار ہندوستان کی تحریک آزادی کے بارے میں بہت سے ایسے واقعات کو سامنے لا سکتے ہیں جو ابھی تک سامنے نہیں آئے تاریخ آزادی ہند کے لکھنے کا حق دراصل انہیں لوگوں کو پہنچتا ہے۔ جو ہندوستان کی تحریک آزادی میں قربانیاں دیتے رہے ہیں۔

رئیس الاحرار

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی

کی

سیاسی زندگی کا شاندار آغاز و انجام

امیرِ کارواں

تبسم علی پوری (سونی پت)

اے سفیرِ امن و راحت، اے امیرِ کارواں
رونق بزم گلستاں، اے وطن کے پاسباں

گونج اٹھا ہے زمانے میں تکلم پھر ترا
رقص فرما ہے فضاؤں میں ترنم پھر ترا

موج زن ہے تیرے دل میں جذبۂ حبِ وطن
خون دے کر تو نے سینچا ہے گلستانِ وطن

تو سراپا منہمک ہے ملک کی تعمیر میں
تیری صورت ہے نمایاں ملک کی تصویر میں

ملک و ملت کیلئے اے رازداں جیتا ہے تو
رات دن چاک گریباں قوم کا سیتا ہے تو

ہر لمحہ پیش نظر ہے خدمتِ ہندوستاں
شمس بن کے تاکہ چمکے عظمتِ ہندوستاں

مرحبا اے پیر و مرشد مرحبا اے راہبر
زندگی میں تو نے منزل کو پکارا رہگذر

ذرے ذرے کو پیام آشتی تو نے دیا
بچے بچے کو پیام راستی تو نے دیا

وقف کر دی زندگی تو نے وطن کے واسطے
ہر مصیبت مول لی تو نے وطن کے واسطے

نکتہ سنج و نکتہ داں و صاحبِ عالی کمال
سر بسجدہ ہیں ملائک دیکھ کر تیرا جلال

تیرے دم سے سرزمینِ ہند کا ہے سربلند
ناز کرتا ہے سیادت پر تری ہر ہوشمند

کاوشوں سے مشکلوں کو تو نے آساں کر دیا
یاس کے ماروں کی قسمت کو درخشاں کر دیا

تیری آمد پر اے ساقی آگیا خم آگیا
صحن گلشن میں بھی پھولوں پر تبسم آگیا

بموقعۂ واپسی بیت اللہ شریف بخدمت عالی رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مولانا حبیب الرحمٰن ــــــــــ چٹانوں کا تحمل

چھوٹے چھوٹے فقروں میں گہرائی کی بات کہہ جاتے ہیں۔ استعارہ نہ تشبیہ سورج کی تیز کرنوں کی مانند بات میں روشنی ہوتی ہے، اور جو بات بھی بولتے ہیں ناپ تول کر بولتے ہیں۔ خیالات آپکے یہاں پہلا درجہ رکھتے ہیں۔ اسلوب ثانوی اور زبان مؤخر لیکن آواز میں وہ گھن گرج موجود ہے کہ کبھی تلوار کی شوخی کا گماں ہوتا ہے۔ اور کبھی بجلی کی کڑک معلوم ہوتی ہے، تقریر میں موضوع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور الفاظ کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دماغ سے مشورہ کر کے زبان پر آ رہے ہیں روانی کی نسبت تحمل زیادہ ہے۔ حاضر جوابی کی صفت مزاج کا جزو اعظم ہے۔ ان میں ظرافت عنقا ہے۔ شاعری سے لگاؤ نہیں لیکن اپنی تقریر میں با موقع ایسا شعر کہہ جاتے ہیں۔ جیسے حیا آلود ہونٹوں پر کوئی شریر مسکراہٹ کھیلے۔ غالب نے آپ ہی کیلئے کہا ہے۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

"شورش کاشمیری"

خاندان کے نسبی اور علمی حالات

حضرت مولانا محمد نعیم مفتی صاحب کے بیان کے مطابق خاندان کا شجرۂ نسبت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب بن مولانا محمد وارث بن خلیفہ جان محمد صاحب جالندھری تک تحریری یادداشتوں میں محفوظ ہے۔ مولانا محمد وارث صاحب سے علم خضری کی ابتدا ہوئی مولانا محمد وارث صاحب نابینا تھے۔ وہ حصولِ علم کے شوق میں گھر سے پیدل ہی اپنے گاؤں سے شہر جالندھر کی طرف چلدئے۔ اور چلتے چلتے راستے میں ایک دیہاتی کنوئیں میں گر گئے۔ فوراً ہی کسی شخص نے انہیں باہر نکالا اور پوچھا کہ تم کہاں جانا چاہتے ہو۔ مولانا محمد وارث صاحب نے فرمایا کہ میں علم دین کے شوق میں گھر سے نکلا ہوں۔ اور جالندھر شہر میں مولانا جان محمد صاحب کے درس میں جانا چاہتا ہوں۔ تو اس مددگارِ غیبی نے ان کو اپنے سینے سے لگایا اور کہا منہ کھولو۔ اور ان کے منہ میں اپنے لب لگادئے۔ جونہی مددگارِ غیبی نے یہ عمل کیا تو مولانا محمد وارث صاحب نے اپنے اندر روحانی اور علمی کیفیات محسوس کیں۔ ابھی وہ اپنے مددگار غیبی سے کچھ پوچھنے بھی نہ پائے تھے۔ کہ انہیں محسوس ہوا۔ کہ وہ جالندھر میں مولانا جان محمد صاحب کے درس کے قریب ہی کھڑے ہیں۔ اور خود انکی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ وہ چند منٹ بعد اپنی منزلِ مقصود پر کیسے پہنچ گئے۔ مولانا محمد وارث صاحب مولانا جان محمد صاحب کے درس میں شریک ہوئے۔ اور دو ہی سال میں حفظِ قرآن کے علاوہ درس نظامیہ کے تمام علوم و فنون میں کمال حاصل کر لیا تحصیلِ علم کے بعد مولانا محمد وارث صاحب کی شادی مولانا محمد عبداللہ صاحب دانگوی کے ہاں ہوئی۔ دانگو ایک بہت بڑا قصبہ تھا جو دریائے ستلج کے کنارے لدھیانہ سے بارہ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اسی زمانہ میں دانگو کو دریائے ستلج کے سیلاب نے کاٹ کر چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ دانگو کے ایک حصے کا نام بعد میں دلی آباد پڑ گیا۔ اور دلیہا آباد بگڑتے بگڑتے بلیا آباد کے نام سے مشہور ہو گیا۔

مولانا عبداللہ دانگوی مولانا شاہ لطف اللہ صاحب سے بیعت تھے اور ان کے خلیفہ تھے۔ مولانا شاہ لطف اللہ صاحب سہارنپوری سلوک و تصوّف کے ان شیوخ میں سے ہیں جو اس زمانے میں ولایت کے درجۂ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ مولانا شاہ لطف اللہ صاحب مرزا مظہر جانِ جاناں کے خلیفہ بھی تھے۔ ایک دفعہ مولانا شاہ لطف اللہ صاحب دہلی میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب جو کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے والد تھے۔ ان سے ملنے کیلئے دہلی تشریف لائے، عصر کی نماز کا وقت تھا۔ شاہ عبدالرحیم صاحب نے مولانا شاہ لطف اللہ صاحب سے فرمایا۔ آپ نماز پڑھائیں۔ مولانا شاہ لطف اللہ صاحب نے عصر کی نماز پڑھائی۔ نماز ختم ہونے کے بعد شاہ عبدالرحیم نے نمازیوں سے پوچھا۔ نماز میں تم لوگوں نے کیا دیکھا۔ تمام نمازیوں نے یہ یک زبان کہا کہ آخری رکعت کے سجدے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔

مولانا عبداللہ صاحب دانگوی نے مولانا شاہ لطف اللہ صاحب سے سلوک و تصوّف کی تمام منزلیں طے کیں۔ اور قصبہ دانگو کے لوگوں نے مولانا عبداللہ صاحب سے علمی روحانی فیض حاصل کئے۔ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب لدھیانوی نے اپنے نانا ہی کی گود میں پرورش پائی۔ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب جب ذرا ہوش مند ہوئے۔ اور دینی علوم و فنون کی ابتدائی کتابیں پڑھ چکے۔ تو نانا اور والد نے انہیں۔ مولانا عبداللہ صاحب جے راجپوری کرنالوی کی خدمت میں تحصیلِ علم کیلئے بھیجا مولانا عبدالقادر صاحب کے علمی اور روحانی شعور کو دیکھتے ہی مولانا عبداللہ صاحب جے راجپوری نے خاص توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔ شاگرد نے بھی پوری توجہ اور محنت سے نہ صرف علوم و فنون حدیث و فقہ میں پوری دستگاہ حاصل کی بلکہ اپنے استاد سے بیعت ہوئے اور فارغ التحصیل ہونے کے ساتھ ساتھ استاد نے انہیں خلافت بھی عطا کی۔ مولانا عبداللہ صاحب جے راجپوری کرنالوی مولانا شاہ عبدالقادر صاحب جو ہندی میں ترجمہ قرآنِ مجید کے امام مانے جاتے ہیں خلیفہ اور شاگرد تھے۔ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب یہاں سے فارغ ہو کر دہلی پہنچے اور کچھ عرصہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب

کے درس میں حضرت سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہے۔ دہلی سے مولانا عبدالقادر صاحب کچھ عرصہ کے لئے سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی سکیم کے تحت راجستھان گئے راجستھان کے قیام کے بعد پیلی بھیت میں کسی عربی مدرسے کے صدر مدرس مقرر ہوئے یہاں انکے علم وفضل کی بہت شہرت ہوئی طلبا کثیر تعداد میں مولانا شاہ عبدالقادر لدھیانوی کے درس میں جمع ہو گئے۔

ایک روز مولانا شاہ عبدالقادر صاحب لدھیانوی نے درس میں فرمایا کہ مجھے اپنے درس کے لئے فن حدیث میں ایک کتاب کی ضرورت ہے۔ جو جالندھر میں مولانا جان محمد صاحب کے کتب خانے میں موجود ہے۔ لیکن جالندھر آنے اور جانے کا راستہ تین ماہ کا ہے۔ اگر کوئی طالب علم ہمت کرے تو میرا خط لے کر وہ کتاب لے آئے۔ ایک طالب علم نے عرض کی کہ آپ خط لکھ کر مجھے دیجیے میں کتاب لا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کتاب کیلئے خط تحریر کر دیا۔ اور وہ خط اس طالب علم کو دے دیا۔ دوسرے روز مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کو بڑی حیرت ہوئی کہ جس طالب علم کو انہوں نے وہ خط دیا تھا اس نے وہ کتاب پیش کر دی۔ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے اس طالب علم کو تخلیہ میں بلایا۔ اور پوچھا کہ تم کس مخلوق سے تعلق رکھتے ہو۔ طالب علم نے عرض کیا میں جنات میں سے ہوں۔ اور آپ کی خدمت میں ایک عرصہ سے علمِ دین حاصل کر رہا ہوں۔ اور میری خواہش ہے کہ آپ مجھے بیعت بھی کر لیں۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے اسے بیعت کر لیا۔ اور پھر وہ طالب علم سفر و حضر میں ہمیشہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ساتھ رہا۔

پیلی بھیت کے قیام کے بعد مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نجیب آباد تشریف لے گئے اور پٹھانوں کی ایک مسجد میں قیام کیا اور مسائلِ فقہ کی مشہور کتاب "درِ مختار" کو اپنے قلم سے قلمی نسخے میں تبدیل کیا۔ قیام مراد آباد کے بعد وہ اپنے وطن ولیہا آباد کو لوٹ آئے۔

ولیہا آباد یا بلّیا آباد میں درس و تدریس اور ارشاد و ہدایت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور دور دور تک ان کے فیض روحانی کی شعاعوں سے لوگوں کے قلوب منور ہو گئے۔ علاقہ میں قرب و جوار کے ہزاروں لوگوں نے مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اٹھارہ سو چھتیس میں شاہ زمان الملک کی درخواست پر مولانا شاہ عبدالقادر صاحب لدھیانہ تشریف لے گئے۔ اور محلہ موچپورہ میں خود ایک چھوٹی سی مسجد بنا کر قیام کیا۔ وہ مسجد اب دو منزلی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے خطبات جمعہ اور وعظ ہمیشہ کمپنی کی انگریزی حکومت کے خلاف ہوا کرتے تھے۔ بقول مسٹر ساور کر لدھیانہ کے اس بڑے مولوی کی تقریریں کمپنی کی حکومت اور انگریزوں کے خلاف شعلہ انگیز ہوتیں جس کی وجہ سے پنجاب کے تمام شہریوں اور آزاد خیال فوجوں میں "بڑے مولوی صاحب" کا اثر و رسوخ قائم ہو گیا۔

انگریزی کمپنی کی حکومت نے انگریز ڈپٹی کمشنر کے ذریعے دوبارہ پنجاب کے قاضی کی (جسٹس کے عہدہ کے برابر کا عہدہ تھا) پیشکش کی اس عہدہ کی پیش کش کو ایک دفعہ تو مولانا عبدالقادر صاحب نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ چونکہ رمضان کا مہینہ ہے اور ہماری مسجد میں کوئی حافظ نہیں ہے۔ اسلئے میں قرآن مجید کا روزانہ ایک سپارہ رات کو حفظ کر کے سناتا ہوں چنانچہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے اسی زمانہ میں تیس ۳۰ دن میں قرآن مجید حفظ کیا اور تراویح میں سنایا۔

رمضان شریف کے بعد انگریز حاکم ضلع نے پنجاب کی عدالت عالیہ کا عہدہ پھر پیش کیا۔ تو اس عہدہ کی پیش کش کے جواب میں یہ شرائط تحریر کیں۔

۱۔ میں تمام فیصلے قانونِ شریعت کے مطابق کروں گا۔
۲۔ اور مسجد ہی میں یہ فیصلے کیا کروں گا۔
۳۔ اور تمام فیصلے نمازوں کے اوقات کے علاوہ جب وقت ملے گا کروں گا۔

۴۔ جمعہ کے روز نہ کوئی مقدمہ سنوں گا نہ فیصلہ کروں گا۔

انگریز حاکم ضلع نے یہ شرائط منظور کرلیں اور لکھا کہ کمپنی کی حکومت کو آپ کی شرائط منظور ہیں۔ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے جب یہ جواب دیکھا تو انگریز ڈپٹی کمشنر کو لکھ دیا کہ میں نے یہ شرائط اس لئے لگائی تھیں کہ آپ میری یہ شرائط منظور نہ کریں گے اور اس طرح مجھے آپ کی ملازمت نہ کرنی پڑے گی۔ لیکن چونکہ اب آپ نے شرائط منظور کر لی ہیں۔ اس لئے اب صاف طور پر میرا جواب یہ ہے کہ اگر میں نے انگریز کی ملازمت قبول کر لی تو آئندہ چل کر میری اولاد انگریز کی غلام ہو جائے گی۔ اور علم دین میرے گھرانے سے نکل جائے گا۔ اس لئے میں انگریزی ملازمت اور اس عہدہ کو کسی صورت میں بھی قبول نہیں کر سکتا۔ اس جواب کو سن کر انگریز ڈپٹی کمشنر چپ ہو گیا اور انگریز حکومت کو اپنی سکیم میں بڑی ناکامی ہوئی۔

علم خضری

مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کو اپنے والد کی طرف سے علم خضری کی نسبت حاصل ہوئی اور نانا صاحب کی طرف سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے فیوض و برکات کی نعمت حاصل ہوئی اور اسناد حدیث میں مولانا عبداللہ جے پوری کے واسطے سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی خاندان کی سندات حدیث کا تسلسل حاصل ہو گیا۔ ان تینوں علمی اور روحانی سلسلوں کے واسطے سے مولانا شاہ عبدالقادر صاحب لدھیانوی کے خاندان میں علم دین کا شوق جہاد کا جذبہ اور روحانیت میں وقت کے اعلیٰ مشائخ سے بیعت ہونے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کی بڑی پوتی رقیہ بیگم نے بخاری تک فقہ و حدیث کی تمام کتابیں پڑھیں۔ اور حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے لدھیانہ جا کر رقیہ بیگم کا امتحان لیا اور انھیں سند حدیث عطا کی۔ اس طرح علماء سہارنپور اور دیوبند سے ایک خاص تعلق اس خاندان سے ہمیشہ چلا آتا ہے۔

[illegible] سے ۱۸۶۹ء کے درمیانی عرصے میں مولانا شاہ محمد عبداللہ لدھیانوی کے والد مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی ضلع سہارنپور میں تشریف لے گئے اور وہاں مولانا علی حسین کے نام سے مشہور ہوئے۔ انہوں نے ضلع سہارنپور کے مواضعات کا سفر کرتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت سے مالا مال کرتے۔ ضلع سہارنپور کے ہزاروں لوگ حضرت مولانا شاہ عبداللہ صاحب سے بیعت ہوئے اور سہارنپور میں تبلیغ دین کا جوش و خروش ہر طرف پھیل گیا۔ انہی کی وجہ سے ضلع سہارنپور کے لوگ انہیں راجستانی مولانا علی حسین کے نام سے پکارتے۔ بالآخر [illegible]ء میں مولانا شاہ عبداللہ صاحب واپس لدھیانہ تشریف لے گئے۔ اور لدھیانہ جاتے ہی گرفتار ہو گئے۔ چونکہ معافیوں کا اعلان عام ہو چکا تھا اس لئے جلد ہی رہا بھی کر دیئے گئے۔ ان کے ساتھ ان کے بڑے بھائی مولانا شاہ محمد صاحب اور چھوٹے بھائی شاہ مولانا عبدالعزیز صاحب بھی اسی زمانے میں گرفتار ہوئے اور انہیں کے ساتھ بری بھی کر دیئے گئے۔

بریت کا عجیب واقعہ

مولانا شاہ محمد صاحب، مولانا شاہ عبداللہ صاحب اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے خلاف جب انگریز مجسٹریٹ فیصلہ لکھنے کے لئے بر سر عدالت بیٹھا تو چند ہی لفظ لکھنے کے بعد پاگل ہو گیا اور کرسی سے نیچے گر گیا۔ اور انگریزی میں کچھ اول فول بکنے لگا۔ اسے فوری مشن ہسپتال پہونچایا گیا ڈاکٹروں نے رائے دی کہ مجسٹریٹ پاگل ہو گیا ہے جب اس کی جگہ دوسرا مجسٹریٹ مقرر کیا گیا تو اس نے بیٹھتے ہی یہ کہہ کر فیصلہ سنایا کہ آپ پنجاب میں بڑے پوپ پادری ہیں اس لئے ہم آپ کو بری کرتا ہے اور آپ کی عزت کرتا ہے۔

مولانا شاہ محمد صاحب کا پٹنہ میں قیام

۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۰ء کے درمیانی عرصے میں مولانا شاہ محمد صاحب سہارنپور دیوبند ہوتے ہوئے کانپور تشریف لے گئے۔ کانپور میں عربی کی کتابوں کی تصحیح کا کام ایک مطبع میں کرتے رہے۔ اور نجی طور پر طلبہ کو پڑھاتے رہے۔ مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کے والد مولانا شاہ محمد صاحب سے ملے اور ان کے علم و فضل کے معتقد ہو گئے۔ یہاں سے ایک سال کے بعد پٹنہ عظیم آباد تشریف لے گئے اور وہاں دریا کے کنارے ایک مسجد میں قیام کیا۔ اور تین سال تک پٹنہ ہی میں رہے ۱۸۶۴ء میں پٹنہ سے لدھیانہ واپس پہونچے اور مدرسہ عربیہ اللہ والا قائم کیا۔ پنجاب کے طلباء کے علاوہ اس مدرسے میں مولانا احمد حسن صاحب کانپوری اور مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری مولانا شاہ محمد صاحب سے پڑھنے کے لئے تشریف لائے اور علوم دینیہ کی تمام ابتدائی کتابوں سے لے کر حدیث و فقہ اور فنون کی تمام کتابیں ان دونوں بزرگوں نے مولانا شاہ محمد صاحب سے پڑھیں۔

علماء لدھیانہ سے ان دونوں بزرگوں کے تعلقات ہمیشہ قائم رہے مولانا احمد حسن صاحب کانپوری نے جب کانپور میں اپنا مدرسہ کھولا تو دور دور سے لوگ فنون اور منطق کی کتابیں پڑھنے کے لئے کانپور جاتے حضرت مولانا شاہ محمد صاحب لدھیانوی کے صاحبزادے مولانا حافظ محمد ذکریا حضرت مولانا احمد حسن صاحب کے پاس گئے اور وہیں انھوں نے درس نظامیہ کی پوری کتابیں پڑھیں۔ کانپور میں حضرت مولانا محمد ذکریا صاحب کے ہم سبق ساتھیوں میں مولانا حسرت موہانی قاری عبدالرحمان الہ آبادی تھے۔ ان دونوں بزرگوں سے ہمیشہ بڑے گہرے مراسم قائم رہے۔ مولانا حسرت موہانی نے اپنا ایک دیوان مولانا حافظ محمد ذکریا کے نام سے منسوب

کیا ہے ۱۹۲۰ء میں مولانا حسرت موہانی اپنے سیاسی مشن پر تشریف لائے اور
ایک ہفتہ تک لدھیانہ میں مسجد دو منزلی میں قیام کیا۔ اور قاری عبدالرحمان
صاحب اکثر لدھیانہ تشریف لاتے رہتے اور مسجد دو منزلی ہی میں قیام پذیر ہوتے۔

مولانا شاہ عبداللہ صاحب کی سہارنپور واپسی

مولانا شاہ عبداللہ صاحب ۱۸۶۷ء میں پھر لدھیانہ سے سہارنپور تشریف لیگئے
اور سال کا اکثر حصہ اپنے مریدین اور متبعین ہی میں گذار دیا اور انہیں تمام لوگ
اصلی نام سے پہچان گئے تھے۔ لدھیانہ میں قیام کا عرصہ بہت ہی مختصر ہوتا ایک دفعہ
لدھیانہ میں مختصر قیام کے زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی لدھیانہ آیا اور اس نے
اپنے مجدد ہونے کا دعوی کیا تو مولانا شاہ عبداللہ صاحب مرزا غلام احمد کی قیام گاہ
پر گئے اور مرزا کو دیکھتے ہی فرمایا یہ شخص کافر اور مرتد ہے اس کی بیعت مت کرو
یہ اپنے آپ کو مجدد نہیں بلکہ نبی اور پیغمبر ثابت کرنا چاہتا ہے۔ مرزا کی مجلس
میں اس طرح اعلان حق پر بڑا شور ہوا کہ بلا کسی دلیل کے مولانا شاہ محمد عبداللہ نے
مرزا کو کافر اور مرتد قرار دیدیا ہے اس وقت مرزا کی کتاب براہین احمدیہ چھپ
چکی تھی مولانا شاہ محمد صاحب نے رات بھر میں اس کتاب کا مطالعہ کیا اور صبح
کو مرزا کی تحریروں کی بنیاد پر مکمل فتوے لکھ کر شائع کر دیا کہ ان تحریروں کی بناء پر
مرزا کافر اور مرتد ہے۔ اس جرأت آمیز اعلان پر سارے ہندوستان میں سنسنی
پھیل گئی۔ ہندوستان کے تمام بڑے بڑے علماء حتیٰ کہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر
بھی مرزا کے کفر و ارتداد کے بارے میں کئی برس تک کوئی فیصلہ نہ دے سکے تھے
لیکن آخر کار مرزا کے روز بروز نبیٔ سے نئے الہامات کے اعلانات نے تمام ہندوستان
کے علماء کو علماء لدھیانہ کی رائے سے اتفاق کرنے پر مجبور کر دیا کہ مرزا کافر اور مرتد ہے

مرزا غلام احمد نے اپنی کتابوں میں اور اپنے اعلانات اور الہامات میں سب سے زیادہ گالیاں علماء لدھیانہ ہی کو دیں۔ جو علماء لدھیانہ کے خاندان کیلئے یقیناً توشہ آخرت ہے۔

مولانا شاہ محمد عبداللہ صاحبؒ کا کشف اور انتقال

آخری دفعہ جب مولانا شاہ محمد عبداللہ صاحب لدھیانہ تشریف لائے تو انہیں اس امر کا کشف ہوا کہ میری موت سہارنپور میں ہوگی چنانچہ وہ فوراً ہی لدھیانہ سے سہارنپور تشریف لے گئے اور جاتے ہوئے اپنے دوستوں سے فرما گئے کہ میں شاید لدھیانہ واپس نہ آؤں کیونکہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرا انتقال سہارنپور ہی میں ہوگا۔ چنانچہ کئی مہینوں کے بعد سہارنپور میں یہی واقعہ پیش آیا۔ مولانا عبداللہ جان صاحب لدھیانوی جو سہارنپور میں وکالت کرتے تھے اور مولانا شاہ عبداللہ صاحب کے شاگرد تھے وہ مولانا شاہ عبداللہ صاحب کو اپنے مکان پر لے گئے اور اپنے مکان ہی پر غسل دیا جنازے میں علماء سہارنپور اور عربی مدارس کے طلباء کے علاوہ شہر کے ہزاروں لوگ شامل ہوئے۔ اور آپ کو میاں شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری کے مزار کے پاس دفن کیا گیا کیونکہ میاں شاہ عبدالرحیم صاحب بھی ۱۸۵۷ء کے مجاہدین میں سے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ لدھیانوی مجاہد کی قبر سہارنپوری مجاہد کی قبر کے پاس ہی ہونی چاہیئے دفناتے وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ خود لدھیانوی مجاہد کی بھی یہی خواہش تھی کہ ان کی قبر میاں شاہ عبدالرحیم صاحب ہی کی قبر کے پاس بنائی جائے۔ میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا مزار سہارنپور میں انبالہ سرساوا روڈ پر ریل کے پھاٹک سے تقریباً چار فرلانگ پر بائیں جانب واقع ہے جہاں مزاروں کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔ اور مولانا شاہ عبداللہ صاحب کی قبر آم کے درخت کے نیچے ہے

میاں صاحب شاہ عبدالرحیم اپنے زمانے کے ولی کامل اور مجاہد کبیر تھے مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری میاں صاحب ہی سے بیعت اور آن کے خلیفہ تھے رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری سے آخری وقت میں بیعت ہوئے۔ اور اس کے بعد وصال ہو گیا۔

مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں علماء لدھیانہ کے خاندان کی ہمیشہ سرپرستی فرمائی لدھیانہ اکثر تشریف لاتے رہے اور دو منزلی مسجد میں قیام فرماتے رہے جہاں انھوں نے طالب علمی کے زمانے میں علم دین حاصل کیا تھا حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے بعد حضرت کے جانشین خلیفہ مرشدی و مولائی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دامت برکاتہم سے علماء لدھیانہ کے قریباً تمام افراد بیعت ہیں۔ اور حضرت اقدس نے خصوصیت سے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی روحانی تربیت فرمائی اور حضرت رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اپنے شیخ کامل کی اطاعت گذاری کرتے رہے اور اب بھی حضرت اقدس علماء لدھیانہ کے تمام خاندان کی سرپرستی فرما رہے ہیں۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے تمام صاحبزادوں کو اپنے پوتوں کے درجے میں سمجھتے ہیں اور نہایت ہی شفقت اور محبت فرماتے ہیں اور پاکستان میں رئیس الاحرار کے صاحبزادے انیس الرحمٰن کو انھوں نے دستار خلافت عطا فرمائی ہے اور لوگوں کو ان کی طرف رجوع ہونے کا بارہا مجلس میں ارشاد فرمایا ہے۔

علم خضری کے اثرات

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے اپنی خود نوشت یادداشتوں میں تحریر فرمایا ہے کہ خاندان کے مورث اعلیٰ کو علم دین حضرت خضر علیہ السلام کی توجہ سے حاصل ہوا تھا۔ نسبت خضری کے اثرات کی وجہ سے علم دین سات پشتوں سے خاندان میں چلا آرہا ہے۔ اب ساتویں پشت میں چوبیس عالم آٹھ حافظ قرآن تین قاری موجود ہیں۔ بقول مولانا سید سلیمان ندوی نسبت خضری ہی کا اثر ہے کہ علماء لدھیانہ کے خاندان میں علم دین نسلاً بعد نسل چلا آرہا ہے، ورنہ علم کسی خاندان کی میراث نہیں۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ علم دو سے زیادہ نسلوں میں آگے نہیں چلتا۔ لیکن پشت در پشت سے یہ علم دین کی وراثت کا سلسلہ جو میں آج مولانا حبیب الرحمٰن کے خاندان میں دیکھ رہا ہوں اس کی مثال آج کے دور میں کسی اور خاندان میں نہیں ملتی۔ یہ دیکھ کر اور بھی خوشی ہوئی کہ مولانا حبیب الرحمٰن کے لڑکے اور دوسرے خاندان کے نوجوان دیوبند و سہارنپور میں علم دین حاصل کر رہے ہیں۔ گویا علم دین کا یہ سلسلہ آٹھویں پشت میں داخل ہوگیا۔ (تقریر مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم دسمبر ۱۹۳۵ء شاہی مسجد لدھیانہ)

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اپنی خود نوشت یادداشتوں میں جو انہوں نے منٹگمری جیل میں تحریر کی تھیں اپنی پیدائش اور تعلیم و تربیت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

میری پیدائش ۳ جولائی ۱۸۹۲ء مطابق ۸ اصفر ۱۳۱۰ھ بروز اتوار صبح کے وقت ہوئی۔ میرے والد مولانا محمد زکریا صاحب اپنے والد کے ایک ہی بیٹے تھے۔ اور میں پہلا بچہ تھا۔ اس لئے دادا اور دادی کو پوتے سے جو قدرتی پیار ہونا چاہیئے وہ پیار مجھے دادا دادی کی آغوش میں میسر ہوا۔ دونوں مجھے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ میری دادی مرحومہ بہت ہی بزرگ

اور صاحب نسبت تھیں۔ اور خود دادا مرحوم وقت کے فقیہ، ولی اور مجاہد تھے
دادا مرحوم مجھے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے۔ جب میں کچھ بڑا ہوا تو مجھے تقریر
اور وعظ سکھایا کرتے۔ مجھے خالی وقت میں ممبر پر بٹھا کر خود مراقب ہو کر بیٹھ
جاتے اور مجھ سے فرماتے بیٹا تقریر کرو۔ میں دن بھر جو کچھ باتیں ان سے
سنا کرتا وہی کہنی شروع کر دیتا۔ وہ میری تقریر بہت توجہ سے سنتے تھے۔

دادا مرحوم کی تربیت اور توجہ کا یہ اثر ہوا کہ مجھے اسلام سے والہانہ محبت اور
انگریز کی غلامی سے انتہائی نفرت ہو گئی۔ اس طرح دادا مرحوم نے میری ابتدائی
تعلیم و تربیت پر پوری توجہ دی۔ ان کی تعلیم و تربیت و شفقت ۱۹۰۳ء
تک مجھے نصیب رہی۔ ۱۹۰۳ء کے رمضان المبارک میں دادا مرحوم کے چھوٹے
بھائی مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کا انتقال ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد
۱۳ رمضان المبارک کو تیرہ دن بعد دادا کا انتقال ہو گیا میں ان کی شفقت
اور فیضان نظر سے محروم ہو گیا۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے دادا مرحوم سے مشورہ کر کے انتقال
سے ایک ماہ قبل اپنی لڑکیوں کی نسبت اور نکاح خاندان کے لڑکوں سے
کر دیئے۔ میری نسبت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی چھوٹی صاحبزادی
شفاعت بی بی سے ہوئی۔ میری اور میری اہلیہ کی عمر بہت کم تھی۔ ایک مدت
تک ہم دونوں یہ نہ سمجھ سکے کہ ہمارا آپس میں کیا رشتہ ہے۔ ہم دونوں ایک
مدرسہ میں ساتھ پڑھتے تھے۔ لیکن آپس کے رشتہ کا کسی کو علم نہ تھا۔

ابتدائی تعلیم

قرآن مجید وسعدی تک ابتدائی تعلیم گھر کے مدرسہ لدھیانہ میں ہی پائی۔

تیس کلاس تک کی تعلیم مدرسہ حقانی میں حاصل کی۔ جو مولانا نور محمد صاحب نے جاری کیا تھا۔ طالب علمی کے زمانے میں میری والدہ مرحومہ بیمار ہو گئیں۔ کئی ماہ تک شدید بیمار رہیں۔ میرے والد کے ماموں مولانا عبدالواحد صاحب والدہ کو اپنے گھر لے گئے۔ والدہ مرحومہ کا علاج انہوں نے خود کیا۔ مولانا عبدالواحد صاحب ولی کامل ہونے کے علاوہ بہت اچھے حکیم بھی تھے۔ میرے چھوٹے بھائی مولانا محمد یحییٰ ابتدائی کتابیں پڑھتے تھے۔

میں بچپن ہی سے زیادہ سوچنے کا عادی تھا۔ اپنے گھر کی مالی مشکلات غربت وافلاس کو دیکھ کر اس کے مطابق اپنی زندگی کو چلاتا تھا۔ والدہ کی صحت کے بعد مجھے پڑھنے کی طرف زیادہ دھیان ہوا۔ تب میرے والد نے مجھے نکودر ضلع جالندھر کے عربی مدرسہ میں داخل کر دیا۔ مجھ سے پہلے اس مدرسہ میں مولانا عبداللہ صاحب (جو میرے ہم زلف بھی ہیں) داخل ہو چکے تھے ہمارے استاد وقت کے بہت بڑے درویش اور بزرگ حافظ محمد صالح صاحب۔ اس مدرسہ کے مہتم تھے۔ گلاؤٹھی کے مشہور عالم مولانا عبداللہ صاحب اس مدرسہ کے صدر مدرس تھے۔ میرے ساتھیوں میں مولانا احمد حسین رائپوری۔ مولانا خیر محمد صاحب (جو اس وقت پنجاب کے مشہور عالم اور مفتی ہیں) مدرسہ خیر المدارس کے شیخ الحدیث ہیں۔ میرے ہم جماعت تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی ساتھی تھے۔ جن کا میں نام بھول گیا ہوں۔ میرے رشتہ داروں میں مولانا قاری عبدالرحمان میرے ساتھ پڑھتے تھے۔ ان ہی دنوں مولانا عبداللہ صاحب فاروقی کوٹلوی بھی مدرس ہو کر تشریف لائے۔ مولانا عبداللہ صاحب کے والد میرے دادا مرحوم کے شاگرد تھے۔ اس لئے انہوں نے مجھے بجائے مدرسہ کے اپنے گھر پر رہنے کیلئے کہا۔ میں ان کے گھر رہنے لگا۔ کچھ چھوٹی کتابوں کا سبق بھی ان سے پڑھتا رہا۔

اگرچہ مولانا عبداللہ صاحب مجھ سے عمر میں بڑے ہیں۔ لیکن آج وہ میرے عزیز دوست اور پیر بھائی ہیں۔ دو سال تک اس مدرسہ میں پڑھتا رہا۔ اس کے بعد والد صاحب نے مجھے امرتسر مولانا نور احمد صاحب مرحوم کی خدمت میں پڑھنے کو بھیج دیا۔ حضرت مولانا کا مدرسہ۔ شیخ بڈھے کی مسجد چوک فرید میں تھا۔ اسی مسجد میں مولانا خود بھی رہتے تھے۔

مولانا نور احمد صاحب پسرور ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے اپنے زمانے کے شیخ محدث اور شب بیدار بزرگ تھے۔ حضرت مولانا نور احمد صاحب کئی سال مکہ معظمہ میں رہے تھے مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی کے شاگرد تھے اور حاجی امداد اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ مولانا نور احمد صاحب کے پڑھانے میں کچھ ایسی برکت تھی کہ سبق پڑھتے ہی پڑھتے یاد ہوجاتا تھا۔ میرے ساتھ مفتی محمد نعیم صاحب مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب جو اس وقت مدرسہ انوریہ کے مہتمم ہیں۔ مولانا عبداللہ میرے پھوپی زاد بھائی مولانا عتیق الرحمٰن جو میرے رشتہ میں بھائی ہوتے ہیں۔ میرے ساتھ پڑھتے تھے۔ مولانا نور احمد صاحب نے مجھے ایک نابینا حافظ سے علم تجوید کے مطابق قرآن مجید پڑھنے کی مشق کروائی۔

لدھیانہ میں پہلی تقریر!

۱۹۱۲ء تک مولانا نور احمد صاحب کے مدرسہ میں ہی میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ بلقان وار کے زمانے میں لدھیانہ میں آیا ہوا تھا۔ ترکوں پر انگریزی مظالم کی خبریں پڑھ کر میرا دل و دماغ بڑا بے چین رہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ انگریزوں کے خلاف کچھ کردوں۔ لیکن میری سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ کہ کیا

کروں اپنی اس بے بسی پر گھنٹوں مسجد میں بیٹھ کر دعا کر کے رویا کرتا تھا کہ
کوئی راستہ انگریزوں کے خلاف کام کرنے کا ملے۔ ایک دن شہر کے چند نوجوان
دوستوں اور ساتھیوں سے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ تو انھوں نے میری باتیں
سنکر شہر میں اسلامیہ اسکول کے سامنے والے میدان میں جلسہ کرنے کا
اعلان کر دیا۔ جلسہ کا عنوان تھا " آج مولانا حبیب الرحمٰن کا وعظ ہوگا۔
اور ترکوں کی ہمدردی میں بھی تقریریں ہوں گی" اس اعلان کا ہونا تھا
کہ شہر کے ہندو مسلمان ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ جلسہ میں شہر
کے امراء۔ روسار۔ وکلاء ڈاکٹر غرضکہ ہر طبقہ خیال کے لوگ موجود تھے۔
سی۔ آئی۔ ڈی کے رپورٹر بھی خاصی تعداد میں موجود تھے۔ اسٹیج پر میں تھا۔
یا میرے چند نوجوان ساتھی۔ اور کسی کو یہ توفیق یا ہمت نہ تھی کہ وہ اسٹیج
پر آکر بیٹھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک ترکوں کی حمایت میں میری تقریر ہوئی
تقریر سن کر لوگوں کے دلوں میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد اپنی
نوعیت کا یہ پہلا جلسہ تھا۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد میں گھر آگیا۔ رات بھر
مجھے بڑی خوشی رہی۔ اسی رات میرے والد صاحب کے پاس ان کے ایک
دوست آئے۔ اور کہا کہ آپ کے صاحبزادے حبیب الرحمٰن دادا۔
پر دادا کے رنگ پر جا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ صاحبزادہ پر جذبۂ
شہادت سوار ہے۔ پھانسی سے کم ان کو سزا نہ ہوگی۔ اس لئے آپ انہیں
مناسب طریقہ پر چلائیے۔ حالات ایسے نہیں ہیں کہ اتنی تیزی دکھائی
جائے۔ والد صاحب نے ان سے تو کچھ نہیں کہا۔ لیکن دوسری صبح کو مجھے
لیکر دیوبند روانہ ہو گئے۔

دیوبند میں داخلہ

دیوبند میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی میں مجھے دارالعلوم میں داخل کرادیا۔ میری تقریر کا سارا قصہ مہتمم صاحب کو سُنادیا۔ مہتمم صاحب نے اس بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ انہوں نے میری دیکھ بھال اور نگرانی کچھ اس انداز سے کی۔ جس کی وجہ سے میں انہیں اپنا پہلا سیاسی استاد مانتا ہوں۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند میرے جذبات کی بڑی قدر کرتے تھے۔ سیاسی رموز و نکات سمجھایا کرتے۔ اکثر پرانے بزرگوں کے سیاسی حالات ان سے سنے۔ مدرسہ میں مجھے اطمینان اور سکون قلب حاصل ہوا۔ مدرسہ میں اندرونی طور پر نہایت گہری سیاسی تنظیم اور تحریک چل رہی تھی۔ جو میرے جذبات کے عین مطابق تھی۔

حضرت شاہ صاحب کی شفقت

تعلیم کے سلسلہ میں میرے اسباق حضرت شیخ الاسلام خاتم المحدثین حضرت مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس تھے۔ مجھے فہم قرآن اور علم حدیث میں جو کچھ بھی حاصل ہوا۔ وہ سب حضرت شاہ صاحب کی خاص توجہ اور فیضان محبت کا نتیجہ ہے میں سبق کے بعد شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر رہتا۔ شاہ صاحب بڑی شفقت و محبت سے مجھے خدمت کرنے کا موقعہ دیتے۔ مولانا محمد ادریس صاحب سکروڈوی حضرت شاہ صاحب کے خاص خدمت گذاروں میں تھے ان سے بہت بے تکلفی اور دوستی ہوگئی۔ شام کی چائے پر مولانا محمد ادریس

صاحب مجھے بھی شاہ صاحب کے ساتھ چائے پلاتے حضرت شاہ صاحب کو میری طالب علمی کے زمانے ہی سے مجھ سے اور میرے خاندان سے اس قدر انسیت پیدا ہو گئی کہ سیاسی زندگی میں سرگرم حصہ لینے کے زمانے میں جیل میں بھی شاہ صاحب مجھ سے ملنے تشریف لائے۔ اور سال میں ایک مرتبہ ضرور لدھیانہ میں میرے گھر تشریف لاتے۔ اور کئی کئی دن قیام فرماتے۔

ایک دفعہ میں جیل تھا حضرت شاہ صاحب بلا کسی اطلاع کے گھر میں تشریف لے آئے۔ اور بیٹھک میں آکر سامان رکھا اور خود ہی مولانا ادریس صاحب کے ساتھ بیٹھک کی صفائی فرمانے لگے۔ گھر میں میرے بچوں کو بھی علم نہ تھا۔ کہ حضرت شاہ صاحب تشریف لائے ہیں۔ اچانک میری چھوٹی بچی نے شاہ صاحب کو دیکھ لیا معذرت کی۔ اور فوراً ہی بیٹھک کی ضروری صفائی کرنے لگی۔ شاہ صاحب فرمانے لگے۔ بیٹا یہ میرا گھر ہے۔ گھر والے خود ہی اپنے گھر کی صفائی کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے تحریک خلافت کے زمانے سے لے کر تحریک احرار کے زمانے تک میری اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سرپرستی فرمائی۔ قادیانیوں کے بارے میں جماعت احرار کا نقطۂ نظر اسلام میں ختم نبوت کی بنیادی اہمیت سمجھانے کے لئے سر ڈاکٹر اقبال سے ملاقات کی۔ ڈاکٹر اقبال کو اپنا ختم نبوت کا رسالہ پڑھ کر سنایا۔ اس کے فوراً بعد ہی ڈاکٹر اقبال نے کشمیری کمیٹی کی ممبری سے استعفاء دے دیا۔ جس کے صدر مرزا بشیر الدین محمود قادیانی تھے۔ اس طرح ڈاکٹر اقبال نے مرزائیت کے چنگل سے نجات پائی۔ اور اسلام کے صحیح اعتقادات پر عقیدہ رکھنے کی ڈاکٹر صاحب کو توفیق حاصل ہوئی۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے قادیانیوں کے خلاف مضامین لکھے۔ اور اکثر ملاقاتوں

میں ڈاکٹر اقبال کہا کرتے تھے کہ علم و فضل میں شاہ صاحب سے بڑا شخص میری نظر سے نہیں گذرا

امام الہند اور امیر شریعت

حضرت انور شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے انجمن خدام دین لاہور کے مشہور جلسے میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو "امیر شریعت" کا خطاب دیا۔ اور سید عطاء اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا اعلان فرمایا جب حضرت انور شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی طرف بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ تو سید عطاء اللہ شاہ نے رقت آمیز لہجہ میں کہا کہ مجھے اپنے ہاتھ پر بیعت ہونے کی اجازت دیجئے مولانا ابوالکلام آزاد کو جمعیت علماء الہند کے ایک جلسہ میں حضرت شاہ صاحب نے "امام الہند" کے خطاب سے نوازا۔ علماء کی بھری مجلس میں فرمایا۔ کہ میں مولانا آزاد کو امام الہند کے خطاب کا مستحق سمجھتا ہوں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ عالم تھا۔ کہ جب کبھی مولانا آزاد حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں دلی میں حاضر ہوئے۔ تو اُن کے سامنے دو زانو با ادب ایک ایک گھنٹہ بیٹھے رہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہی تھے۔ جن کی خدمت میں حاضر ہونے کو مولانا آزاد اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی پر ٹھیرے ہوئے تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے مولانا آزاد سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مولانا آزاد کو معلوم ہوا تو فوراً ہی موٹر پر حضرت شاہ صاحب کی خدمت حاضر ہو گئے۔

علماء دیوبند

دیوبند کے زمانہ تعلیم میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب۔ مولانا سراج احمد صاحب، میاں اصغر حسین صاحب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی۔ حافظ مولانا احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند غرضکہ سب ہی بزرگ اس وقت حیات تھے۔ ہر نئے آنے والے کو دارالعلوم دیوبند کے مدرسہ میں نورانیت کا احساس ہوتا تھا۔ دارالعلوم کے طلبا کی اکثریت ایسی تھی۔ جو صاحب نسبت اور شب بیدار تھی۔ مدرسین دیوبند کی یہ خواہش رہتی تھی۔ کہ جو طالب علم بھی دیوبند کے مدرسہ سے فارغ ہو تو وہ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ زندگی کا ایک نمونہ بن کر نکلے۔ اور جوہر آبدار کی طرح دنیا میں چمکے۔ اور طلباء کی یہ خواہش شروع سے ہوتی تھی کہ وہ کتابی نصاب تعلیم کے ساتھ ساتھ بزرگوں کے فیضان صحبت اور فیضان نظر کی برکتوں سے پوری روحانی غذائے کر یہاں سے جائیں۔

سیاسی زندگی کا آغاز

۱۹۱۹ء کے شروع میں میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے ساتھ سیاسی جلسوں میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی اجازت اور شاہ صاحب کے ارشاد پر جانے لگا۔ والد صاحب تک جب یہ خبر پہونچی۔ تو وہ دیوبند تشریف لائے۔ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم دیوبند سے میرے سیاسی کام کرنے

کے بارے میں بات کی. مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ آپ کے صاحبزادے حبیب' پھانسی سے تو بچ گئے ہیں. لیکن جیل سے نہیں بچ سکتے۔ اس لئے اب انہیں سیاسی کام سے روکنا مناسب نہیں اس طرح میری سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔

قید و بند

یوں بسر کی زندگی ہم نے اسیری میں جگر
ہر طریقہ داخل آداب زنداں ہوگیا

۱۹۱۹ء میں جب گاندھی جی نے کانگریس کی تحریک ستیہ گرہ کا آغاز کیا. جلیان والا باغ میں ہزاروں ہندو مسلمان سکھ بے گناہ انگریزوں نے مشین گنوں سے بھون دیئے. تو ہندوستان میں کہرام مچ گیا انگریزوں کے خلاف ہندوستانیوں کے جذبات بھڑک اٹھے. دسمبر ۱۹۱۹ء میں کانگریس کا اجلاس امرتسر میں ہوا۔ کانگریس کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ اور جمیعتہ العلماً کا اجلاس بھی امرتسر ہی میں ہوا. کانگریس کے صدر پنڈت موتی لعل نہرو اور مسلم لیگ کے صدر حکیم اجمل خاں تھے۔ اس وقت کانگریس. مسلم لیگ جمیعتہ علماء ہند ایک ہی بات کہہ رہی تھیں. اور تینوں جماعتیں ایک ہی راستہ پر گامزن تھیں. مسلم لیگ کے اجلاس میں یہ تجویز یا تفاق رائے منظور ہوئی. کہ مسلمان کو گائے کی قربانی بند کردینی چاہیئے. علی برادران اس وقت جیل سے سیدھے امرتسر پہونچے. تمام جماعتوں اور امرتسر کے ہندو مسلمان، سکھ نے علی برادران کا شاندار اور تاریخی استقبال کیا۔ امرتسر اتحاد کا مرکز بن گیا تھا ہندوؤں مسلمانوں اور سکھوں نے مل کر ایک

دوسرے کی عبادت گاہوں کا احترام کرنیکا عہد کیا۔ کانگریس پنڈال کے باہر پانچوں وقت ہزارہا مسلمان نماز باجماعت پڑھتے تھے۔ ہندو سکھ رضاکار نماز کے انتظامات کرتے تھے۔ پنڈت مدن موہن مالویہ نے رات کو کانگریس کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ آج مسلمانوں کو نماز باجماعت پڑھتے دیکھا ہے جس سے میرے دل و دماغ پر روحانی کیفیت طاری ہو گئی۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ ہندو بھی ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔

امرتسر کا اجلاس ہندو مسلمان سکھوں کے اتحاد کی ایسی تاریخ ہے جو پھر واپس نہیں آئی۔ شہیدان جلیان والا کے خون نے ہندوستانیوں کو ایک ایسے رنگ میں رنگ دیا تھا جس کے اثرات اس قدر جذبات انگیز تھے۔ کہ انگریزی حکومت گھبرا گئی اور اچانک وئیسرائے ہند نے ایک آرڈیننس جاری کیا کہ جو شخص خلافت کانگریس اور جمیعتہ علماء کا والنٹیر بنے اس کو چھ ماہ قید اور جو والنٹیر بنائے اس کو تین سال کی قید ہو گی۔ گاندھی جی نے جب آرڈیننس کو پڑھا تو لوگوں کا بیان ہے کہ خوشی کے مارے ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ گاندھی جی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ خدا کا شکر ادا کرو کہ انگریز نے ستیہ گرہ تحریک کے لئے خود ہی دروازہ کھول دیا۔
اس کے بعد گاندھی جی نے ملک میں سول نافرمانی کی تحریک کا اعلان کر دیا۔

دسمبر ۱۹۲۱ء کے پہلے ہفتہ میں لالہ لاجپت رائے، آغا محمد صفدر، ملک لال خاں، لالہ دنی چند لاہوری، لاہور کانگریس کے دفتر سے گرفتار ہوئے لاہور کے بعد لدھیانہ میں سول نافرمانی اور گرفتاریوں کا دور، شروع ہوا۔

لدھیانہ میں سول نافرمانی کا آغاز

۸ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو ماسٹر تاج الدین والنٹیروں کے ایک بڑے جلوس کے ساتھ سول نافرمانی کرتے ہوئے بازار میں نکلے۔ والنٹیروں کے جتھے میں ہندو مسلمان و سکھ نوجوان شریک تھے۔ پنجاب بھر میں والنٹیروں کا یہ پہلا جتھا تھا۔ جو گرفتار ہوا۔ دوسرے دن میرے چھوٹے بھائی مولانا محمد یحییٰ فاضل دیوبند دو سو رضاکاروں کو لے کر سول نافرمانی کرتے ہوئے گرفتار ہوئے تیسرے روز ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو لدھیانہ کے اندھوں کے مدرسہ کے نابینا ایک سو حافظ قرآن طلباء نے اپنے استاد مولانا محمد یاسین صاحب کی سرکردگی میں سول نافرمانی کی۔ اندھوں کی سول نافرمانی کے اقدام نے سارے شہر میں آگ لگا دی اور حکومت خوفزدہ ہوگئی۔ حکومت نے صرف مولوی محمد یاسین صاحب کو گرفتار کیا۔ اندھوں کو تو کوتوالی لیجا کر چھوڑ دیا گیا۔ ۲۰ر دسمبر تک رضاکاروں کے جتھے اور ٹولیاں گرفتار ہوتی رہیں۔ دس روز میں ہی تین ہزار مسلمان ہندو و سکھ رضاکار جیل میں پہونچ گئے۔ ۲۰ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو برقعہ پوش عورتوں کا جلوس سول نافرمانی کے لئے نکلا۔ مگر پولیس عورتوں کو گرفتار کرنے کی ہمت نہ کر سکی۔

گرفتاری

یکم دسمبر ۱۹۲۱ء کو میری تقریر پر ہندو و مسلمان سکھ مرد عورتیں بوڑھے بچے سب ہی سول نافرمانی کے لئے تیار ہوگئے۔ اپنی تقریر میں لوگوں کو دو نعرے لگانے کی تلقین کی۔ ہندو مسلم بھائی بھائی۔ انقلاب زندہ باد۔

جلسہ ختم ہوا۔ تو گورنمنٹ نے مجھے گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن ۲۱ دسمبر ۱۹۲۱ء تک مقامی حکومت کو موقعہ نہ ملا کہ وہ مجھے خاموشی سے گرفتار کر سکے۔ جب انگریز ڈپٹی کمشنر اپنے منصوبے میں ناکام رہا۔ تو ۲۱ دسمبر ۱۹۲۱ء کی رات کو شہر میں مسلح پولیس لگا دی گئی۔ میرے گھر کی سڑک سے لے کر جیل تک دس دس قدم پر مسلح سپاہی کھڑے کر دیئے گئے۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۱ء کو صبح آٹھ بجے مسلح افسر میرے گھر آئے۔ مجھے انہوں نے والنٹیر بننے اور بنانے پر گرفتاری کا وارنٹ دکھایا میں بخوشی پولیس کے ساتھ باہر سڑک پر آیا۔ پولیس افسران چاہتے تھے کہ مجھے بلا ہتھکڑی لگائے جیل لے جائیں۔ مگر میں نے بلا ہتھکڑی لگائے جیل جانے سے انکار کر دیا۔ مجبوراً پولیس کو اپنی پالیسی کے خلاف ہتھکڑی لگانی پڑی۔ جب لوہے کی زنجیریں میرے ہاتھوں میں ڈالی گئیں تو مجھے بے حد خوشی حاصل ہوئی۔ کہ سچائی اور آزادی کے راستے میں کام کرنے والے اہل حق اور سچائی کی آواز بلند کرنے والے مجاہدین کی سنت ادا کر رہا ہوں۔

لدھیانہ جیل

مجھے ہتھکڑی لگانے پر شہر میں ایک جوش پھیل گیا۔ ضلع اور شہر کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں آل انڈیا کانگریس کی آئی ایس والنٹیر بن گئے۔ پولیس کا رعب اور مسلح پولیس کی ہیبت مٹی میں مل گئی۔ شہر کا شہر پولیس کے قابو سے باہر ہو گیا۔ ان حالات کو دیکھ کر میرا مقدمہ جیل ہی میں چلایا گیا۔ مجھے ایک ہندوستانی مجسٹریٹ نے چھ ماہ سخت قید اور ایک ہزار

روپیہ جرمانہ کی سزا دی۔ فیصلہ کے بعد مجسٹریٹ نے میرے کان میں کہا
سزا بہت سخت ہے۔ اور بہت زیادہ ہے۔ لیکن ڈپٹی کمشنر ہلٹن کا
یہی حکم تھا مجسٹریٹ کی یہ بات سن کر میں ہنسا ۔ پہلے ہی مرحلے پر
آزاد انسان کی خودداری اور غلام انسان کی مجبوری کا فلسفہ میری سمجھ میں
آگیا۔ لدھیانہ جیل میں تین ہزار والنٹرا ور شہر کے چار مشہور لیڈر لالہ اشم
گھیٹا رام، ماسٹر تاج الدین، ڈاکٹر سید حسین میرے بھائی مولانا محمد یحیٰ
صاحب پہونچ چکے تھے۔ والنٹروں میں میرے جان نثار رضاکار جو سب
سے کم عمر تھے جیل میں آگئے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام عبدالرحمٰن عرف مانہ
دوسرے حافظ مشتاق احمد صاحب۔ جیل میں روزانہ سوڈیڑھ سو رضاکار
گرفتار ہوکر آرہے تھے۔ جیل کی تمام کوٹھریاں بھر گئی تھیں۔ جیل کے
سپرڈینٹ کرنل دیوان حکومت رائے تھے۔ انہوں نے بڑی جرأت و
دلیری اور شرافت کے ساتھ سیاسی قیدیوں کو جیل میں رکھا۔ کرنل صاحب
کے حسن سلوک سے تمام سیاسی قیدیوں میں ان کی تعریف ہونے لگی کرنل
صاحب کے متعلق میری یہ رائے ہے کہ ان کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

انبالہ جیل

۳ جنوری ۱۹۲۲ء کو رات کے بارہ بجے ہلٹن ڈپٹی کمشنر لدھیانہ اور مسٹر
سگروگی ایس۔ پی لدھیانہ کرنل حکومت رائے کے ساتھ جیل میں میرے
پاس آئے مجھے بتایا گیا کہ مجھے اور میرے بھائی مولانا محمد یحیٰ ماسٹر
تاج الدین کو اس وقت انبالہ جیل میں تبدیل کیا جائیگا۔ میرا اور میرے
ساتھیوں کا سامان باندھا گیا ہم اسٹیشن پر پہونچے ہی تھے۔ کہ ہزاروں کی

تعداد میں شہر کے لوگ اسٹیشن پر آگئے۔ اور زندہ باد کے نعرے لگنے لگے۔ مسٹر سگروگی لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ تین بار ڈنڈوں کے زور سے پلیٹ فارم خالی کرانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن ہجوم پہلے سے بھی زیادہ تن کر کھڑا ہو گیا۔ مسٹر سگروگی دوڑتے ہوئے تین بار پلیٹ فارم پر گرے۔ ساڑھے بارہ بجے کی گاڑی سے ہم انبالہ جیل روانہ ہو گئے۔

میانوالی جیل

انبالہ جیل میں ہم پہلے تین پولیٹکل قیدی پہونچے لیکن دو ہی دن بعد ہم تینوں کا تبادلہ میانوالی جیل میں کر دیا گیا۔ انبالہ سے میاں والی جیل کو روانہ ہوئے۔ تو لدھیانہ پہونچ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ میرے والدصاحب کو ہمارے میاں والی کے تبادلہ کا علم ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ بھی ہمارے ساتھ لالہ موسیٰ تک گئے۔ ۱۷ جنوری ۱۹۲۲ء کی شام کو ہم لوگ میاں والی جیل پہونچے مجھے اور میرے ساتھیوں کو علیحدہ علیحدہ کوٹھریوں میں بند کر دیا گیا۔ کسی کو کچھ معلوم نہ تھا کہ کون کہاں پر ہے۔ بڑی رازداری سے کام لیا جارہا تھا۔ جیل کا ایک لانگری روٹی دیتے اور بھنگی صفائی کرنے آتا تھا۔ اس وقت اس جیل میں ستر کے قریب پولیٹکل قیدی آچکے تھے۔ مگر ان کو ہماری کچھ خبر نہ تھی اور نہ مجھے ان کا کچھ پتہ تھا۔ میرے بھائی مولانا محمد یحییٰ اور ماسٹر تاج الدین کی بھی یہی حالت تھی۔ غرض ہم ایسی جگہ پر تھے کہ بقول غالب ؎

"ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی"

دس دن کے بعد مجھے میرے بھائی اور ماسٹر تاج الدین کو پولیٹکل قیدیوں میں پہونچا دیا گیا۔ میاں والی جیل اس وقت پولیٹکل قیدیوں کے لئے کالاپانی

کا بدل بنایا گیا تھا۔ اس جیل کا جیلر بہت سخت تھا۔ اور سپرنٹنڈنٹ نرم۔ لیکن سپرڈنٹ اپنے ماتحت سے ڈرتا تھا۔ کیونکہ سپرڈنٹ صاحب کا اپنا لڑکا بھی ستیہ گرہ کرچکا تھا اور کسی دوسری جیل میں تھا۔ میاں والی جیل میں سب سے پہلے مولانا سید حبیب صاحب مدیر سیاست تشریف لائے تھے۔ اُن کے بعد لاہور اور دہلی کے رہنماجن میں مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمیعتہ علمار ہند اور محترم عبدالعزیز انصاری ایم۔ اے اس جیل میں آگئے تھے۔ ان تینوں کو بھی پہلے پہل علیحدہ رکھا گیا تھا۔ ان سے بان بٹنے کی مشقت لی جاتی تھی۔ کئی ماہ کے بعد میاں والی جیل میں قیدیوں کی تعداد ستّر سے زیادہ ہوگئی۔ ان قیدیوں میں ڈاکٹر ستیا وال لالہ شنکر لال دہلوی لالہ دیش بندھو گپتا۔ مولانا عبداللہ چوڑی والے۔ پنڈت نیک رام شرما۔ پرتم سنگھ۔ مولانا سید عطار اللہ بخاری مولانا اختر علی خاں۔ ان کے چچا قادر بخش صاحب۔ مولوی لقار اللہ۔ صوفی اقبال عبدالمجید سالک۔ مولانا سراج الدین بھی آگئے۔

تمام ہندو مسلمان سکھ قیدی بھائیوں کی طرح رہتے۔ میاں والی جیل ذی علم لوگوں کی مجلس علم وادب میں تبدیل ہوگئی۔ بقول عبدالمجید سالک چند ہی ہفتوں میں میاں والی جیل سیاسی قیدیوں سے معمور ہوگئی رضا کاروں کے احاطے سے دل آویز صدائیں بلند ہونے لگیں۔ پڑھے لکھے قیدیوں نے مطالعے کا شغل اختیار کیا۔ نماز باجماعت ادا کی جاتی۔ صبح کی چائے کے بعد مولانا احمد سعید صاحب درس و تدریس میں مشغول ہوجاتے۔ مولانا داؤد انگریزی پڑھتے۔ سید مولانا حبیب عربی، اور لالہ دیش بندھو گپتا، میرے بھائی محمد یحییٰ صاحب سے فارسی پڑھتے۔ اس طرح۔ جیل کی زندگی ہنسی خوشی تعلیم و تفریح میں گذرنے لگی۔ یہاں ہندو اور مسلمانوں کے دو لنگر تھے۔ ایک میں مسلمانوں

کھلے اور دوسرے میں ہندوؤں کے لئے کھانا پکتا تھا لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد ہندو دوست اپنے لنگر کو چھوڑ کر ہمارے لنگر میں شامل ہو گئے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے لنگر میں انتظام بہت اچھا تھا سبزی و دال بہت اچھی پکائی جاتی تھی۔ دہلی کے مولانا عبداللہ صاحب چوڑی والے ہمارے لنگر کے نگراں و منتظم تھے۔ دہلی کا کھانا پکانے میں خاص ملکہ تھا ان کے منتظم ہوتے ہی دستر خوان کا رنگ بدل گیا۔ انواع و اقسام کے کھانے دستر خوان پر آتے۔ اور سب نہایت مزے لے کر کھاتے تھے۔

دستر خوان کی وسعت پر شدھی سنگٹھن کا پروگرام

میاں والی جیل میں مسلمانوں کے دستر خوان کی وسعت اس میں ہندو نوجوان کی شمولیت، ہندو نوجوانوں کی آزاد خیالی چھوت چھات سے نفرت سوامی شردھانند کے لئے ناقابل برداشت ہو گئی۔ پہلے تو انہوں نے ہندوؤں کو مسلمانوں کے دستر خوان پر ساتھ کھانے سے منع کیا اور کہا کہ آپ لوگ مسلمان ہوتے جا رہے ہیں۔ سوامی جی کے نزدیک ہندوؤں کا مسلمانوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا، مسلمان ہونے کے برابر تھا۔ لیکن سوشل تعلقات کی وسعت کے خلاف سوامی جی کی کوئی بات ہندو نوجوانوں نے نہ مانی۔ آخر انہوں نے اپنی ناکامی کے بعد میاں والی جیل میں یہ اعلان کر دیا کہ اگر خلافت تحریک اور ستیہ گرہ کے یہی معنی ہیں کہ دستر خوان پر ہندو مسلمانوں کی تفریق ختم ہو جائے تو ایسی آزادی ہند کی تحریک سے میں متفق نہیں ہوں۔ چنانچہ انہوں نے سول نافرمانی کی تحریک سے اپنے اقدام کو واپس لے لیا۔ اور نہایت ڈرامائی انداز سے میاں والی جیل سے رہا ہو گئے۔ جیل سے آتے ہی انہوں نے شدھی سنگٹھن

کا اعلان کر دیا۔ میاں والی جیل کے وسیع دستر خوان کی یہ تاریخی اہمیت ہے کہ اس دستر خوان سے ایک شخص نے ناراض ہو کر ایک ایسی تحریک کا آغاز کیا جس کے نتائج خوفناک حد تک ہندوستان میں سامنے آئے۔

دھرم سالہ جیل

۱۸ مارچ ۱۹۲۲ء کو حکومت پنجاب کی طرف سے اچانک یہ حکم میانوالی جیل میں پہونچا کہ حبیب الرحمٰن کو فوری دھرم سالہ جیل میں تبدیل کیا جائے۔ میں اس حکم سے بہت دل برداشتہ ہوا۔ کہ اچھے ساتھیوں کی صحبت و معیت علمی مجالس کی پرلطف بحثوں سے محروم ہو جاؤں گا۔ لیکن قہر درویش بجان درویش کے مطابق "پا بدست دگرے دست بدستے دگرے، مجبوراً" دھرم سالہ جیل جانا پڑا۔ میاں والی جیل میں ساتھیوں سے جدا ہوتے وقت طبیعت پر انتہائی بوجھ اور سکوت طاری تھا۔ لیکن جب دھرم سالہ جیل میں پہونچا تو یہ دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ مجھ سے پہلے پنجاب کے مشہور سیاسی رہنما لالہ لاجپت رائے وہاں موجود تھے۔ لالہ جی بوڑھے اور میں جوان تھا۔ میں نے اپنا اسلامی اور انسانی فرض سمجھ کر لالہ جی کی خدمت کی۔ لالہ جی جگراؤں ضلع لدھیانہ کے رہنے والے تھے۔ اس وطنی تعلق اور میری خدمت سے لالہ جی میرے دوست بن گئے۔

لالہ جی سے پولٹیکل معاملات پر اکثر تبادلہ خیال ہوتا رہتا تھا۔ بہت سی مفید معلومات مجھے ان سے حاصل ہوئیں۔ لالہ صاحب میرے غور و فکر کی بڑی قدر کرتے تھے۔ میرے حافظہ کی داد دیتے۔ میری ذہانت و ہمت میرے علم و ذوق و شوق کو دیکھ کر لالہ جی نے مجھ سے کئی بار کہا۔

مولوی صاحب آپ مجھ سے انگریزی پڑھ لیجئے۔ ملکی سیاسیات میں آگے چل کر انگریزی زبان آپ کی مدد کرے گی۔ میں جواب میں کہتا کہ مجھے انگریز اور انگریزی دونوں سے غلامی کی بو آتی ہے۔ میں بدبو سے دور ہی رہنا چاہتا ہوں۔ اس پر لالہ جی کہتے تمہارا جذبہ قابل قدر ہے۔ تمہارے یقین پر مجھے رشک آتا ہے۔ لالہ جی کے ساتھ رہتے ہوئے ابھی تین مہینے گذرے تھے کہ پھر مجھے دھرم سالہ جیل سے لدھیانہ جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ لالہ جی کا ساتھ چھوڑتے ہوئے بڑا رنج ہوا۔ جیل خانے کی مجبوریوں اور پابندیوں کے لئے حکومت کا ہر حکم حرف آخر ہوتا تھا۔ اسلئے میں پھر لدھیانہ آگیا۔

پھر لدھیانہ جیل میں

۷ اگست ۱۹۲۲ء کو میں لدھیانہ جیل پہونچا۔ ۸ اگست کی صبح کو مجھ سے ایک اور وارنٹ گرفتاری کی تعمیل کرائی گئی۔ اب میرے خلاف دفعہ ایک سو آٹھ کے تحت مقدمہ چلایا گیا۔ اس مقدمہ کے دوران لدھیانہ کے انگریز ڈپٹی کمشنر مسٹر ہلٹن مجھ سے ملنے جیل میں تشریف لائے۔ اور مجھ سے کہا۔ مولانا صاحب شہر کے لوگ آپ سے ملنے کے بہت مشتاق ہیں۔ آپ شہر کے مذہبی رہنما ہیں۔ اگر ضمانت پر رہا ہو جائیں تو آپ کے لئے بہت بہتر ہے۔ اس طرح لوگوں کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی اور دوسرے مقدمہ کی پیروی بھی آپ آسانی سے کر سکیں گے۔ میں انگریز کی چال بازی اور سیاست کو خوب سمجھ گیا۔ میں نے کہا میں حکومت کا باغی ہوں۔ میری ضمانت کون دے سکے گا۔ جب حکومت مجھ سے اس قدر خائف ہے کہ اس نے مجھ پر ایک دوسرا مقدمہ طویل سزا دینے کیلئے قائم کیا ہو

تو میری ضمانت کون دے گا۔ انگریز ڈپٹی کمشنر نے کہا۔ مولانا ضمانت کا انتظام تو میں کرائے دیتا ہوں۔ اس پر میں نے کہا کہ آپ کی شفقت اور مہربانی آپ کی سزا سے زیادہ سخت ہے میں آپ کی نیت کو اچھی طرح جانتا ہوں آپ میرے سیاسی کردار کو داغدار کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے میں کسی شرط پر ضمانت پر رہا ہونے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ انگریز ڈپٹی کمشنر کو میرے اس جواب سے بڑی مایوسی ہوئی۔ لیکن اس کے دل میں میری عزت پیدا ہوگئی۔ وہ حاکمانہ انداز کو چھوڑ کر دوستانہ انداز میں گفتگو کرنے لگا۔ اور اس نے مجھ سے کہا کہ اگر کوئی بات میرے لائق ہو تو مجھ سے فرمائے میں نے کہا میری ایک ہی خواہش ہے کہ میرا مقدمہ جلد سے جلد ختم کر کے مجھے دوبارہ دھرم سالہ جیل میں بھیج دیا جائے چنانچہ ایک ہفتہ میں ڈپٹی کمشنر نے میرے مقدمہ کا فیصلہ کرا دیا مجھے مزید ایک سال قید کا حکم سنا کر دوبارہ دھرم سالہ جیل میں بھیج دیا گیا۔

لدھیانہ جیل کے آٹھ دس روزہ قیام میں مجھے معلوم ہوا کہ ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی وصولی کے سلسلہ میں میرے گھر کا تمام سامان بیوی بچوں کے معمولی زیورات کانوں کی بالیاں تک اتروا کر گورنمنٹ نے ضبط کر لی ہیں تمام سامان کو لدھیانہ کوتوالی کے سامنے رکھ فروخت کیا گیا ہے۔ میری بیوی اور بچے مجھ سے ملنے کے لئے آئے۔ ان کو سامان کی ضبطی یا زیورات کے چھن جانے کا کچھ ملال نہ تھا۔ بلکہ میری بیوی نے مجھ سے ذکر بھی نہ کیا کہ میرے گھر میں کتنا سامان رہ گیا ہے۔ حالانکہ حالت یہ تھی کہ پکے برتن تو کیا مٹی کے کچے برتن بھی پولیس اٹھا لے گئی تھی۔ میں اپنی بیوی کی اس بہادری اور اطمینان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ میری بیوی میں یہ خاندانی اثر تھا کیونکہ اُن کے والد مولانا عبدالعزیز صاحب خود ۱۸۵۷ء کے خوفناک مصائب سے گذر چکے تھے۔ مال بہ

جائداد کا ضبط ہونا گویا گھر کی ایک پرانی روایت تھی۔ اور گھر کے لوٹ انگریزی ظلم وستم جھیلنے کے کچھ ایسے عادی ہوگئے تھے کہ تیغ آزمائی اور جگر آزمائی کا قصہ ہمارے خاندان کی داستانِ حیات بن گیا تھا۔

پھر دھرم سالہ جیل میں

میں ۲۰ اگست ۱۹۲۲ء کو پھر دھرم سالہ جیل پہونچا۔ لالہ جی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ میرا بہت ہی پر جوش اور پُر تپاک خیر مقدم کیا۔ مجھے دھرم سالہ جیل میں آئے ہوئے ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ شیخ حسام الدین بی۔ اے امرتسری انبالہ جیل سے دھرم سالہ جیل میں آگئے۔ اب ہم تین قیدی ہوگئے تھے۔ اس لئے جیل کا وقت بڑے اطمینان سے گذرنے لگا۔

جون ۱۹۲۲ء سے لے کر جنوری ۱۹۲۳ء تک لالہ جی، میں اور شیخ صاحب اکٹھے رہے۔ جنوری ۱۹۲۳ء کے آخیر میں لالہ جی کو لاہور جیل میں تبدیل کر دیا گیا اور شیخ حسام الدین رہا ہوگئے۔ لالہ جی پڑھنے لکھنے کے عادی تھے۔ اردو فارسی کے بڑے اچھے عالم تھے۔ ڈاکٹر اقبال کا اکثر کلام انہیں زبانی یاد تھا۔ ڈاکٹر اقبال کی نظم "خضر راہ" کو بہت شوق سے پڑھتے تھے۔ ۱۹۲۲ء کی انگریزی اصلاحات کا ذکر کرتے ہوئے لالہ جی کہا کرتے تھے۔ اقبال نے کیا خوب اس شعر میں اصلاحات کی حقیقت بیان کی ہے۔ ؎

جادۂ محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز — دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری

مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق — طبِ مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

ہندوستان کے ہندو مسلم کا ذکر کرتے ہوئے خاص طور سے پنجابی مسلمانوں اور ہندوؤں کے تعلقات کے بارے میں ان کی یہ رائے تھی کہ مسلمانوں کی اقتصادی

بدحالی اور ہندوؤں کی اقتصادی برتری ملک میں ہندو مسلمان اتحاد کو زیادہ دیر چلنے نہ دے گی۔ چنانچہ ملتان میں ۱۹۲۲ء میں محرم کے فساد پر لالہ جی نے کہا کہ یہ ہندو مسلم فساد نہیں، بلکہ سرمایہ داری اور غریبی میں پہلی ٹکر ہوئی ہے۔ ہندو مسلمانوں کی اقتصادی جنگ کے بارے میں ۱۹۲۷ء میں ان کی یہ رائے تھی کہ اگر پنجاب کے ہندوؤں نے سود دینا نہ چھوڑا، گاؤں میں غریبوں کو رہن رکھنے سے باز نہ آئے۔ تجارت کے لئے مسلمانوں کو اپنی منڈیوں میں جگہ نہ دی تو پنجاب کے ہندوؤں کو ایک نہ ایک دن اس قدر نقصان اٹھانا پڑیگا جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جیل سے باہر نکلتے ہی لالہ جی نے پنجاب کے ہندوؤں کو اقتصادی بنیادوں پر بہت کچھ سمجھایا لیکن اس وقت ان کی بات کسی نے نہ مانی۔

۱۶ اگست ۱۹۲۳ء کو میں اپنی تمام قید ختم کر کے رہا ہوا۔ جب لدھیانہ پہونچا تو گھر کی تباہی دروازے سے ہی نظر آ رہی تھی۔ گھر کی کچی چہار دیواری گر چکی تھی۔ میری اہلیہ نے رسّی باندھ کر اس پر ٹاٹ کے پردے ڈال دیئے تھے۔ آخر آہستہ آہستہ میں نے گھر کا کچھ سامان درست کیا۔ اس طرح پھر گھر کی کچھ زندگی چلنے لگی۔

لدھیانہ کے عوام کی عقیدت

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کو جب ۱۹۲۲ء میں دوسری مرتبہ مقدمہ چلانے کے لئے لدھیانہ لایا گیا۔ اس موقعہ پر لدھیانہ کے عوام عقیدت مندانہ جوش و خروش انگریزی حکومت کے برتاؤ اور ناکامی کی داستان کو ابو ادیس رحمانی نے ان الفاظ میں لکھا ہے۔

مولانا کو ۱۹۲۱ء میں ہی دھرم سالہ جیل سے دوسرے مقدمہ کے لئے لدھیانہ لایا گیا۔
مولانا کے لدھیانہ پہونچنے سے پہلے شہر میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی کہ دھرم سالہ سے پولیس
مولانا کو کسی دوسرے مقدمہ کے لئے لا رہی ہے جس دن مولانا کو پولیس لدھیانہ لے کر
پہونچ رہی تھی اسٹیشن پر کئی ہزار ہندو مسلمان مرد عورتوں کا ہجوم ہو گیا۔ صبح دس بجے کے
قریب گاڑی لاہور سے لدھیانہ پہونچی۔ مولانا کو دیکھتے ہی ہجوم نے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اللہ
حبیب الرحمٰن زندہ باد۔ انقلاب زندہ باد۔ ہندو مسلم بھائی بھائی کے پر زور نعرے لگائے
پولیس کافی تعداد میں اسٹیشن پر پہلے ہی سے موجود تھی۔ کپتان پولیس خود بھی موجود تھا۔ ایسے
بے پناہ ہجوم سے نکال کر مولانا کو جیل تک لے جانا آسان کام نہ تھا۔ اس لئے کپتان پولیس
نے ڈپٹی کمشنر کی اجازت سے مولانا کو ریلوے انجن پر سوار کیا۔ اور پولیس کے چند ذمہ دار
افسر بھی اسی انجن میں سوار ہوئے۔ اس انجن سے مولانا کو جیل کے قریب لا کر اتارا گیا۔
ریلوے لائن لدھیانہ جیل کے قریب سے گذرتی ہے۔ یہ اس لئے کیا گیا کہ لوگ اسٹیشن پر
دھوکے میں ہی رہیں۔ اور مولانا کو پولیس اطمینان سے جیل تک پہونچا دے لیکن یہاں
معاملہ بالکل دوسرا تھا۔ مولانا ابھی انجن میں ہی تھے کہ ہجوم بھاری تعداد میں جیل کے
دروازے پر پہونچ گیا۔ اب پولیس افسران کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ
مولانا کو اسی ہجوم میں سے گذار کر جیل کے دروازہ تک لے جائیں۔ مشتعل ہجوم کو کنٹرول
کرنا آسان کام نہ تھا۔ لوگوں کا یہ مطالبہ تھا کہ مولانا کو ہمارے سامنے چند منٹ تقریر
کرنے کی اجازت دی جائے۔ مجبوراً افسران کو ان کی یہ بات تسلیم کرنا پڑی۔ ؎

ہر چہ دانا کند کند نادان   لیک بعد از خرابیٔ بسیار

تقریر

مولانا نے چند منٹ کے لئے پبلک کو مخاطب کیا۔ اور فرمایا کہ "قدم تشدد ہمارا

بنیادی اصول ہے!! اس اصول کو ہمیں کسی وقت بھی نہیں بھولنا چاہیئے پرامن رہتے ہوئے ہمیں ملک کی آزادی اور انگریزی اقتدار کے خاتمے کے لیئے زیادہ سے زیادہ قربانی دینی چاہیئے۔ اس وقت ملک کو شور و ہنگامے سے زیادہ قربانی کی ضرورت ہے اگر آپ کو واقعی وطن سے محبت ہے تو آزادی وطن کے لئے کام کیجئے۔

مولانا کی اس تقریر کا ہجوم پر بے حد اثر ہوا۔ سب کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔ تقریر کے آخر میں مولانا نے لوگوں کو پرامن طریقہ سے گھر واپس جانے کے لئے کہا۔ ہجوم واپس چلا گیا اور مولانا جیل میں داخل ہو گئے۔

پھانسی کی کوٹھری

جیل میں جاتے ہی افسران جیل نے مولانا کو پھانسی کی کوٹھری میں بند کر دیا۔ یہ خبر اسی وقت رات کو شہر میں پھیل گئی۔ لوگ اس خبر کو سنتے ہی بے تاب ہو گئے۔ شہر کے مردوں عورتوں نے صبح کو جیل پر دھاوا بولنے کی ٹھان لی۔

عورتوں کا جلوس

صبح کو مردوں کے ساتھ پانچ چھ ہزار عورتیں بھی جلوس کی شکل میں جیل کی طرف روانہ ہوگئیں۔ جیل کے دروازے پر پہونچ کر عورتوں نے جو چیز جیل کے دروازے کے باہر نظر آئی توڑ ڈالی۔ جیل کے سپرنٹنڈنٹ ایک مسلمان ڈاکٹر تھے۔ جیل کے ساتھ ہی سول ہسپتال میں کام کرتے تھے۔ عورتوں اور مردوں کے مشتمل ہجوم نے جب اسپتال کا رُخ کیا تو سول سرجن صاحب بھاگ نکلے۔ اس حالت کو دیکھ کر گورنمنٹ کو پھر مولانا کو جیل سے باہر لانا پڑا۔ مولانا نے لوگوں کو مطمئن کیا کہ میں اب پھانسی کی کوٹھری میں نہیں ہوں۔ بلکہ اپنے ساتھی رضاکاروں میں آ گیا ہوں۔ اس طرح ایک انقلابی ہجوم اطمینات حاصل کرکے واپس

ہوا۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے ساتھ عقیدت مندی کے اس مظاہرے نے حکومت پر ایک رعب قائم کر دیا۔ پنجاب کی سی۔ آئی۔ ڈی نے ہمیشہ کے لئے مولانا کا نام بلیک لسٹ میں لکھ دیا۔

جیل کا کھانا اور بیماری کی ابتدا

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی جب اگست ۱۹۲۳ء کو دوبارہ دھرم سالہ جیل سے لدھیانہ واپس آئے۔ تو لدھیانہ جیل میں تین سو رضا کاروں نے جیل کے حکام کے رویہ اور کھانے کے خلاف بھوک ہڑتال کی ہوئی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ مولانا کو رضا کاروں کی بجائے علیحدہ پھانسی کی کوٹھری میں رکھا گیا تھا۔ جب مولانا ایک دن کے بعد رضا کاروں میں پہونچے۔ تو انہیں یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوا۔ کہ سینکڑوں رضا کار بھوک ہڑتال کئے ہوئے ہیں۔ مولانا بھی رضا کاروں کے ساتھ بھوک ہڑتال میں شامل ہو گئے۔ اور کوشش کرتے رہے کہ جیل کے حکام اور رضا کاروں میں صلح ہو جائے۔ آخر حکام جیل کو رضا کاروں کے سامنے جھکنا پڑا۔ رضا کاروں کو جیل کے باہر سے چیزیں لینے کی اجازت دیدی گئی۔ اسی بات پر بھوک ہڑتال شروع ہوئی تھی۔ چھ سات دن کے بعد جب بھوک ہڑتال ختم ہوئی تو جیل کے لنگر میں جو دال پکائی گئی تھی۔ اس میں پرانے جوتے ڈالے گئے تھے۔ دال بہت بدبودار تھی لہذا اس میں بہت مرچیں ڈالی گئی تھیں اس دال کو دیکھ کر رضا کاروں میں پھر جوش پھیل گیا۔ تمام رضا کار روٹی اور دال میں پکے ہوئے جوتوں کو لے کر مولانا کے پاس آئے۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے اپنی خود نوشت یا دداشتوں میں اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے۔

والینٹر غصے میں بھرے ہوئے لنگر کی دال جس میں جوتے پکے ہوئے تھے مع پکے ہوئے جوتوں کے میرے سامنے لائے رضا کاروں کا غیظ و غضب دیکھ کر

میں سمجھ گیا کہ حکام جیل سے صلح کی گفتگو اور فیصلہ بجائے فائدے کے اور لڑائی کا پیش خیمہ بن جائے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ رضاکار تشدد پر اتر آئیں۔ اور گورنمنٹ کا رویہ سخت ہو جائے۔ چنانچہ میں نے اس بڑے تصادم (CLASH) کو ٹالنے کے لئے ذرا سخت انداز میں رضاکاروں سے کہا۔ کہ یہ جیل ہے۔ یہاں گھر کی طرح کھانے نہیں مل سکتے۔ یہ دال کیا بری ہے۔ یہ کہہ کر میں دال کا پیالہ اٹھا کر پی گیا۔ میرے اس عمل نے رضاکاروں کے جذبات کو ٹھنڈے کر دیئے اور رضاکار اپنی اپنی جگہ پر چلے گئے۔ اس روز رضاکاروں نے صرف روٹی کھائی۔ دال نہیں کھائی۔ میرا یہ حال ہوا کہ چھ دن کے فاقے کے بعد اس طرح بدبودار دال اور وہ بھی زیادہ مقدار میں پینے سے میرے معدے کا نظام بگڑ گیا۔ اور مجھے خونی پیچش ہو گئی۔ چودہ دن تک مجھے خون کے دست آتے رہے۔ بڑی مشکل سے سول سرجن نے اس پر قابو پایا۔ دھرم سالہ جیل جا کر بھی کافی دنوں علاج ہوتا رہا۔ جس سے عارضی افاقہ ہو گیا۔ لیکن اس بیماری نے ایسی جڑ پکڑلی کہ ہمیشہ کے لئے معدہ کا نظام خراب ہو گیا۔ ذراسی بدپرہیزی پر دست آنے لگتے یا شدید قسم کا قبض ہو جاتا۔ اس ایک بیماری سے دوسری بیماریاں بھی میرے جسم میں پیدا ہو گئیں جو زندگی میں ہر وقت ساتھ لگی رہتی ہیں بیماری کی وجہ سے کھانے کا ذائقہ ہی ختم ہو گیا۔ پرہیز اس درجہ کا ہے کہ مجھے لال مرچ کھائے ہوئے پورے چونتیس ۳۴ سال ہو گئے۔ صرف نمکین شوربہ اور سبزیاں کھاتا ہوں۔ جب کبھی سرخ مرچ کھا لوں فوراً بیمار ہو جاتا ہوں۔ لیکن یہ اللہ کی رحمت اور اس کا فضل ہے کہ اس حال میں بھی پینتیس ۳۵ سال دن رات کام کرتا رہا۔ جیلیں کاٹیں تکلیفیں اٹھائیں۔ بیماری کی شدت اور کمزوری سے کبھی میرے حوصلے پست نہیں ہوئے۔

مسئلہ افغانستان پر مرکزی خلافت کمیٹی سے اختلاف

۱۹۲۳ء میں رہائی کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی بطور سکریٹری پنجاب خلافت کمیٹی

کا کام کرنے میں مشغول ہو گئے۔ لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ پنجاب کے لوگ مولانا آزاد کی رہنمائی کو مانتے تھے جس پر علی برادران پنجابی رہنماؤں سے ناراض ہو گئے۔ غازی امان اللہ خاں کی حکومت پر بچہ سقہ کے حملہ کی وجہ سے مرکزی خلافت کمیٹی سے اختلافات کی خلیج اور وسیع ہو گئی پنجاب کے تمام خلافتی رہنما غازی امان اللہ خاں کی امداد پر کمربستہ ہو گئے۔ سنٹرل خلافت کمیٹی کی پالیسی اس بارے میں مشکوک پالیسی تھی۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے امان اللہ خاں کی حمایت میں پنجاب خلافت کمیٹی کی رائے اور فیصلے مرکزی خلافت کمیٹی کو بھیجے جس پر مولانا محمد عرفان صاحب سیکرٹری مرکزی خلافت کمیٹی نے پنجاب خلافت کمیٹی کی پالیسی کے بارے میں حسب ذیل جواب مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے نام لکھا۔

غازی امان اللہ کے خلاف مرکزی خلافت کمیٹی کا خط

مکرم بندہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب۔ دام مجدہم۔

مسئلہ افغانستان میں آپ کی روش اور طریقہ کار معقول نہیں۔ ہماری ذاتی اطلاعات یہ ہیں۔ کہ افغانستان میں سوائے چند نوجوانوں کے ایک متنفس بھی نہیں جو شاہ امان اللہ خاں کی حکمت عملی سے موافق ہو۔ یہ مسئلہ کسی ایک گروہ کی بغاوت کا نہیں ہے بلکہ تمام عمال حکومت وزراء اور تقریباً ساری پبلک کی مخالفت کا ہے اور یہ سارا کھیل کم از کم مجھے انقلاب افغانستان سے چار ماہ پہلے معلوم تھا۔ جب علی احمد خاں بمبئی میں آئے تھے۔ تب ان سے سارے حالات معلوم ہو گئے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ اب آئندہ افغانستان میں ضرور کوئی نہ کوئی تبدیلی ہو گی۔ بہرکیف ہماری معلومات یہ تھی۔ کہ سردار علی احمد خاں جنرل نادر خاں اور دونوں بھائی سردار محمد ولی خاں، شیر علی خاں۔ والدہ امان اللہ خاں اس پالیسی کے موافق نہیں تھیں۔ خود انقلاب افغانستان نے بھی یہی بات ثابت کی ہے۔ کہ فوج اور عمال حکومت موافق نہ تھے۔ ورنہ قبیلہ شنوار کی بغاوت چند ہفتوں میں ختم کر دی جاتی لیکن ایک

بچہ سقہ کی بغاوت جسے ڈاکو کہا جاتا ہے۔ اتنی موثر اور عالمگیر ہو کہ اس کے سامنے ساری نظامی فوج ہتھیار ڈال دے۔ اور اپنی بیچارگی کا اعلان کر دے۔ بہرحال ہماری اطلاعات افغانی سرکاری ذرائع سے یہ ہیں کہ بچہ سقہ برائے نام ہے۔ اور اس کی پشت پر تقریباً سارا ملک ہے۔

ایسے حالات میں جو آپ کا رویہ ہے۔ وہ بہت نامعقول ہے، اور افغانستان کیلئے تباہ کن ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ امان اللہ خاں سے بہتر سرزمین افغانستان کے لئے دوسرا شخص نہیں ہو سکتا لیکن ان کو واپس لانے کی یہ بھی تدبیر نہیں۔ کہ تمام علماء افغانستان کو گالیاں دی جائیں اور بچہ سقہ نام کا جو ایک شخص ہے اسے "کتا" اور کیا کیا کہا جائے صورت یہی ہے کہ امان اللہ صاحب کو بھی سمجھایا جائے کہ ساری اصلاحات عورتوں کے ننگے بدن میں نہیں رکھی ہوئی ہیں۔ ادھر علماء اور مشائخ اور قبائل کے سرداروں کو بھی سمجھایا جائے کہ یہ چیزیں اتنی اہم نہیں ہیں کہ آپ ان کی وجہ سے (یعنی اصلاحات کی وجہ سے) ایک بہتر آدمی کو ضائع کر دیں۔ بدنصیبی یہ ہے کہ مرکزی خلافت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں ورنہ ایک جگہ بیٹھ کر اگر کوئی مشورہ ہوتا تو سب ایک ہی رائے پر جمع ہو جاتے۔

(محمد عرفان)

مولانا محمد عرفان آفس سکریٹری مرکزی خلافت کمیٹی کے اس خط کے بعد مولانا شوکت علی نے غازی امان اللہ کے خلاف اخبارات میں بیان دیا۔ مولانا شوکت علی کے بیان کے جواب میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے حسب ذیل بیان دیا۔

غازی امان اللہ خاں کے حق میں بیان

میں یہ دیکھ کر بے حد مسرور ہوں کہ پنجاب کے قومی کارکنوں نے افغانستان کے

نوٹ:۔ مولانا عرفان کا خط غیر مطبوعہ ہے۔

معاملے میں بروقت رہنمائی کی ہے اور یہ بات میرے لئے بہت زیادہ مسرت کا باعث ہے کہ تمام ہندو پریس اور ہندو لیڈروں نے پوری جرأت اور دلیری کے ساتھ شاہ امان اللہ غازی کی حمایت میں آواز بلند کی ہے۔ یہ یقین ہے کہ یہ حالات ہندو مسلم اتحاد کے لئے ایک مضبوط چٹان ثابت ہوں گے۔

مگر ان حالات کے ساتھ ساتھ مجھے مولانا شوکت علی کے بیان سے شدید صدمہ پہونچا۔ مولانا شوکت علی کا بیان مہمل بھی ہے اور گمراہ کن بھی۔ مجھے حیرت ہے کہ علی برادران کی گذشتہ پانچ سالہ زندگی صرف مسلمان حکمرانوں کے خلاف آواز بلند کرنے میں گذری ہے۔ ان دونوں بھائیوں نے جس وقت سے ترکی نے لفظ خلافت سے انکار کیا۔ تو غازی مصطفےٰ کمال کی اتنی شدید مخالفت کی جس کو ہر مسلمان نے نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ سلطان ابن سعود کے معاملے میں تو کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ اس کی حکومت تباہ کرنے میں دونوں بھائی ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کر رہے ہیں۔ اب جبکہ سلطنت افغانستان کی تباہی کا فیصلہ دشمنانِ اسلام نے کر لیا ہے۔ اور وہ بظاہر کسی حد تک اپنے ارادوں میں بذریعہ باغیوں کے کامیاب بھی ہیں۔ ٹھیک اس وقت مولانا شوکت علی نے ایک مفتی کے انداز میں فری پریس کو بیان دیتے ہوئے کہا ہے۔

"باغی افغانستان میں جو کچھ کر رہے ہیں وہ اسلامی احکام کی عزت اور مغربی تہذیب کے خلاف ایک شرعی جہاد ہے اور شاہ امان اللہ غازی اپنی بددینی کی وجہ سے تخت سے علیحدہ کیا گیا۔"

اس بیان میں مولانا شوکت علی نے یہ بھی کہا ہے کہ میں بچہ سقہ کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتا۔ میرے خیال میں یہ الفاظ ان کی زبان سے ہندوستان کی رائے عامہ کے خوف سے نکلے ہیں ورنہ ان کے بیان کا پہلا حصہ بچہ سقہ اور اس کے معاونین کی حرف بحرف تائید کرتا ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مولانا شوکت علی کے بیان کا وہ حصہ جو غازی امان اللہ

کے خلاف اور باغیوں کی حمایت نہیں ہے۔ افغانستان میں لاکھوں کی تعداد میں چھپکر تقسیم ہو چکا ہوگا۔ اس لیئے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ دشمنان اسلام کی تمام طاقتوں سے زیادہ مولانا شوکت علی کا بیان شاہ امان اللہ اور سلطنت افغانستان کے لیئے نقصان رساں ثابت ہوگا۔ سلطان ابن سعود کی اس لیئے مخالفت کی جاتی ہے کہ اس نے شریعت کا وقار سرزمین حجاز میں دوبارہ کیوں قائم کیا اور شاہ امان اللہ کی مخالفت یہ کہہ کر کی جاتی ہے۔ کہ وہ شریعت کا مخالف ہے۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی پس و پیش نہیں کہ ہندو پریس کے بعد مسلم پریس میں سوائے اخبار زمیندار کے مسلمان اخباروں کی اکثریت شاہ امان اللہ کے بارے میں بزدلی سے کام لے رہے ہیں۔ اور بعض بدنیت اخبار شاہ امان اللہ کے خلاف مضامین لکھ رہے ہیں ہندوستان کے مسلمان مسلم حقوق کی رٹ لگانے والے مسلم اخبارات سے سختی کے ساتھ یہ سوال کریں کہ افغانستان کے معاملے میں تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا ہے۔ خدا مسلمان قوم کو اپنے دوست و دشمن کے سمجھنے کی توفیق دے۔

(حبیب الرحمٰن لدھیانوی)

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے مولانا شوکت علی کے بیان کے بعد حسب ذیل فتوٰی علمائے ہندوستان کے پاس بھیجا۔

محترم المکرم السلام علیکم۔

ذیل کے سوالات ارسال خدمت ہیں۔ حالات کا اقتضا ہے کہ ان کا جواب جلد از جلد ملک میں شائع کر دیا جائے۔ مجھے امید ہے کہ آپ بہت جلد صاف مختصر و مدلل جواب ارسال فرمائیں گے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ اس وقت شاہ امان اللہ غازی پر کفر کا فتوٰی لگایا گیا ہے۔ اور باغیوں کی شرعی حیثیت سے امداد کی جا رہی ہے جس سے

دشمنانِ اسلام فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطنت اسلام کو برباد کر رہے ہیں۔ (حبیب الرحمٰن لدھیانوی)

سوالات

۱۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شاہ امان اللہ غازی والی افغانستان نے جو اصلاحات اپنے ملک میں جاری کی تھیں۔ کیا وہ ان کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا؟

۲۔ (الف) کیا ان اصلاحات کا اجرا شاہ امان اللہ کے خلاف بغاوت کرنے کی شرعاً اجازت دیتا ہے۔؟

(ب) جو جماعت ان اصلاحات کی بنا پر بغاوت کرنا چاہتی ہے۔ اس کی کسی قسم کی معاونت کرنا کسی مسلمان کے لئے شرعاً جائز ہے؟

۳۔ جو لوگ ان اصلاحات کے اجراکی وجہ سے شاہ امان اللہ کو کافر کہتے ہیں کیا وہ حق پر ہیں ؟

۴۔ جبکہ دشمنان اسلام مختلف ذرائع سے سلطنت افغانستان کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں ان حالات میں شاہ امان اللہ کی امداد کرنا ہر مسلمان پر شرعاً فرض نہیں ہے؟

مسئلہ افغانستان کا سیاسی پس منظر

مرکزی خلافت کمیٹی اور علی برادران سے جو شدید اختلافات پیدا ہوئے اس پر مولانا عرفان صاحب کا غیر مطبوعہ خط اور مولانا شوکت علی صاحب کے بیان پر رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا بیان اپنی جگہ بہت سی تفصیلات رکھتا ہے۔ مگر ان تفصیلات پر جنرل نادر خاں کے خط مورخہ ۲۸ اگست ۱۹۲۹ء اور جنرل نادر خاں کے خط کے ساتھ شہزادہ فضل داد خاں کا خط مولانا شوکت علی اور مرکزی خلافت کمیٹی کے تباہ کن اثرات پر

پوری روشنی ڈالتے ہیں۔ ان خطوط کی آمد کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ان کے تمام ساتھی مرکزی خلافت کمیٹی سے مسئلہ افغانستان میں کسی طرح بھی متفق نہیں ہو سکتے تھے شہزادہ فضل دار خاں کے خط کا مضمون حسب ذیل ہے۔

از ڈیرہ اسماعیل خاں۔

عالیجناب مخدومی و محترمی حضرت فخر الاحرار صاحب مدظلہ العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مزاج اقدس۔ اندریں زماں جبکہ ہر طرف سے حوادثات انقلابی رونما ہو رہے ہیں۔ ہندوستان و افغانستان من حیثیت سیاسیات دشوار عبور طرائق سے گذر رہے ہیں ایک سلطنت کا دوسری ہمسایہ سلطنت پر اثر انداز ہونا ہر حیثیت سے ضروری ہے۔ افغانستان و سلطنت محروسہ کے برخلاف چند گمراہ و کوتاہ اندیش اشخاص نے ضرورت حال و اقتضائے زمانہ سے ناآشنا ہو کر جو گمراہ کن پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے جو نقصان امن و اصلاح ملک و سلطنت ہے اس سے جناب بھی باخبر و واقف ہوں گے۔ اکابر اسلام کی متفقہ آواز کو نہایت سرد مہری و کم دانشی سے پس پشت ڈالکر بے سروپا خود ساختہ افسانے گھڑ کر دولت عالیہ افغانستان کے خلاف بدظن کرنے کی جو ناپاک کوشش شروع کر رکھی ہے ان سب ہتھکنڈوں سے جناب دالا مطلع ہوں گے۔ ان کے خلاف اعلان فرمائیں جو افغانستان کے خلاف پروپیگنڈا کر رہے ہیں اور ہماری مدد فرمائیں۔

بالکل پرائیوٹ (نیاز مند شہزادہ فضل دار خاں کوچہ حافظ جمال ڈیرہ اسمٰعیل خاں)

اس خط کے ساتھ حسب ذیل خط جنرل نادر خاں غیبد کا موصول ہوا جس کا مضمون درج ہے۔

" در جرائد عالیہ ہند۔ و جریدہ فریدہ افغانستان علاوہ از اظہار ہمدردی و تألم معنوی قلبی کر برادران ہندی راجع باحوال تباہ قابل ترحم افغانستان دارند۔ میخواہند کہ باعانت مالی تبرز برادران متالم و متاثر خود را امداد مجاہدین حریت افغانی

را تقویه نمایند، وضعیت موجوده مجاهدین خیلے یا امداد مالی برادران همدرد خویش احتیاج دارد، ویگانه وسیله پیشرفت مجاهدین و نجات افغانستان ازیں تهلکه وبربادی وابسته به امداد است الذمن ازیں عقیده عالیه واراده حسنه برادران هندی خود اظهار ممنونیت و امتنان نموده امید میکنم که اراده ذهنی خود شانرا فوری لباس علمی پوشانیده ملت درد رسیده افغانستان رادرایں حالت فلاکت وتباهی شان دستگیری نمایند ما.

امید دارم که ایں حالت زار افغانستان همه همدردان نوع بشررا متاثر نموده باشد دوست معاونت خود شان راایں ملت مصیبت زده کوتاه نخواهد فرمود، وایں ملت رابرابر همیشه ممنون احسان خواهد نمود.

محمد نادرخاں سپه سالار - ۲۸ اگست ۱۹۲۹ء

مذکورہ غیر مطبوعہ خط جن کے اشارے مولانا عرفان صاحب و مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے بیانات میں ملتے ہیں. مرکزی خلافت کمیٹی کی سیاسیات کا پس منظر ہے۔ یہ غیر مطبوعہ خطوط پنجاب خلافت کمیٹی کے ارکان کی سیاسی فہم و دانش اور دردمندی پر اپنی شہادت خود آپ ہیں۔ اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں ۔

پنجاب خلافت کمیٹی کا خاتمہ

۱۸ اگست ۱۹۲۸ء کو لکھنؤ میں آل پارٹی کنونشن ڈاکٹر انصاری کی زیر صدارت منعقد ہوئی ۔ جس میں پنڈت موتی لال نہرو نے نہرو رپورٹ پیش کی مولانا شوکت علی اس رپورٹ سے متفق نہ ہوئے لیکن پنجاب خلافت کمیٹی کے تمام ارکان نے مخلوط انتخاب سیٹوں کے تعین کے بغیر منظور کر لیا۔ یہ وہ آخری اختلاف تھا جس کے بعد مرکزی خلافت کمیٹی نے پنجاب خلافت کمیٹی کو توڑ دیا۔ اور خلافت کمیٹی کو توڑنے کے بارے میں ۷ جولائی ۱۹۲۹ء کو حسب ذیل خط مولانا عرفان مرحوم نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے نام لکھا۔

جناب محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں نے جناب کی خدمت میں ایک عریضہ اس مضمون کا ارسال کیا تھا۔ کہ حسب تجویز مرکزی خلافت کمیٹی آپ کی موجودہ خلافت کمیٹی پنجاب کا الحاق مرکزی کمیٹی سے توڑ دیا گیا ہے۔ اور حسب ہدایت مرکزی خلافت کمیٹی پنجاب میں صوبہ کی جدید خلافت کمیٹی قائم ہو گئی ہے۔ لہٰذا آپ سابق پنجاب خلافت کمیٹی کا سارا ریکارڈ جدید خلافت کمیٹی کے حوالے کر کے ان سے رسید لے لیجئے۔ تاکہ جدید خلافت کمیٹی باضابطہ کام کر سکے۔

میرے اس عریضہ کے جواب میں جناب نے مجھے لکھا ہے کہ میں مرکزی خلافت کمیٹی کی وہ تجویز آپ کے پاس بھیجدوں جس کی رو سے پنجاب خلافت کمیٹی کا الحاق مرکزی خلافت کمیٹی سے توڑا گیا ہے۔ اور اس قرارداد کی نقل پر مولانا شوکت علی صاحب کے دستخط ہوں نیز میں اس امر کی بھی آپ کو اطلاع دوں کہ فلاں مقام اور فلاں تاریخ کو پنجاب خلافت کمیٹی کا الحاق توڑا گیا ہے۔ اور اس کے وجوہ بھی لکھوں۔

جواباً گذارش ہے کہ قرارداد حسب ذیل ہے۔

صوبہ پنجاب کی خلافت کمیٹی نے جمعیت خلافت ہند کے قواعد وضوابط کی اس طرح خلاف ورزی کی ہے۔ کہ جن ہدایات کے مطابق عمل کرنا ازروئے دفعہ ۱ اس کا فرض تھا۔ ان کے خلاف عمل کرنے اور پروپیگنڈا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور نہرو کمیٹی کی رپورٹ کی موافقت میں ہدایات جمعیۃ خلافت کے خلاف مسلسل کارروائی کی۔ جس کے بعض نہایت ہی اہم حصوں کے خلاف جمعیۃ مرکزیہ نے لکھنؤ میں فیصلہ کیا تھا۔ اور بالآخر غیرقانونی طور پر مرکزی کمیٹی کے جلسہ منعقدہ ۲۴ دسمبر مقام کلکتہ میں ناجائز طور پر انتشار پیدا کرنا چاہا۔ اور جمعیۃ مرکزیہ کے عہدہ داروں اور لیڈروں کے خلاف جھوٹے اور بے بنیاد اور نہایت ہی رکیک الزامات لگائے۔ اور ان کو اخبارات میں شائع کرا دیا اور ایک بے ضابطہ جلسے میں شریک ہو کر شرکاء جلسہ کے فیصلے کو جمعیۃ

مرکزی کا فیصلہ قرار دیکر نہرو کمیٹی کی رپورٹ کی حمایت میں آل پارٹیز کنونشن میں شرکت کے لئے نمائندے بھیجے۔ اس لئے مجلس مرکزیہ نہایت افسوس کے ساتھ اپنے اختیار کو استعمال کرتی ہے جو از روئے دفعہ ۲۰ دستور اساسی میں اسے دیا گیا ہے۔ اور پنجاب کی موجودہ خلافت کمیٹی کو الحاق سے علیحدہ کرتی ہے۔ اور نئے عہدہ داران جمیعۃ خلافت کمیٹی کو ہدایت دیتی ہے کہ پنجاب خلافت کمیٹی کو از سر نو قائم کرے اور تمام صوبہ میں خلافت کمیٹی کی مقامی شاخیں قائم کرائیں۔

یہ تجویز ۲۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کو کلکتہ میں پاس ہوئی جس میں پنجاب خلافت کمیٹی کا الحاق مرکزی خلافت کمیٹی سے توڑا گیا ہے اور تجویز میں ان وجوہ کا بھی مدلل ذکر کر دیا گیا ہے جن کی بنا پر الحاق توڑا گیا ہے۔

قرارداد کی نقل پر مولانا شوکت علی صاحب کے دستخط کی ضرورت نہیں۔ اس لیئے کہ یہ محض رسمی اور دفتری چیز ہے۔ جسے ہر سکریٹری انجام دے سکتا ہے اس قدر لکھنے کے بعد مجھے یقین ہے کہ آپ اس فضول بحث کو طول نہ دیں گے۔ اور قدیم خلافت کا سارا ریکارڈ جدید خلافت کمیٹی کے حوالے کرنے میں ذرا بھی تامل نہ فرمائیںگے

محمد عرفان ـ ۱۷ جولائی ۱۹۲۹ء
دفتر مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی

مولانا محمد عرفان کے خط میں نہرو رپورٹ کی مخالفت کے ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ لکھنؤ کے اجلاس میں پنجاب کا دستوری مسئلہ سیٹوں کی تخصیص اور انتخاب کا طریقہ کار پنجاب خلافت کمیٹی کے ارکان مولانا ظفر علی خاں صاحب و مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی، چودھری افضل حق صاحب کی ایک سب کمیٹی کے سپرد کیا گیا تھا۔ کہ پنجاب کے مسئلہ میں آخری رائے طے کر کے نہرو رپورٹ کے متعلق

منظوری دیں۔ لکھنؤ میں ارکان خلافت کمیٹی اور سکھوں کے نمائندوں کا ملا جلا اجلاس محترمہ مسز سروجنی نیڈو و پنڈت موتی لعل نہرو کی موجودگی میں ڈو دن تک ہوتا رہا۔ پنجاب کے سکھ نمائندوں نے جن کے لیڈر گیانی شیر سنگھ تھے۔ انہوں نے مخلوط انتخاب سیٹوں کی مخصوص ریزرویشن کے بغیر منظور کرکے نہرو فارمولا پر پنڈت موتی لعل نہرو اور مسز سروجنی نائیڈو کی موجودگی میں دستخط کر دیئے بحث و تمحیص کے بعد پنڈت موتی لال نہرو اور سروجنی نائیڈو کی موجودگی میں چودھری افضل حق مرحوم نے کہا چلئے جب سکھ اس بات کو منظور کر چکے ہیں۔ تو ہم بھی اپنے سکھ بھائیوں کے ساتھ ہی ہیں۔ انہیں کے فیصلہ کے مطابق اس فارمولے کو منظور کر لیتے ہیں اور دستخط کر دیتے ہیں پنجاب خلافت کمیٹی کے اراکین کا دستخط کرنا تھا۔ کہ اسی اجلاس میں اور اسی وقت پنڈت موتی لال نہرو اور سروجنی نائیڈو کی موجودگی میں سکھ نمائندے اپنے پہلے فیصلہ کو واپس لینے کے لئے بیقرار ہوا ٹھے۔ گیانی شیر سنگھ نے فوراً کہنا شروع کیا کہ اس فارمولے پر ہم نے اسلئے دستخط کر دیئے تھے کہ ہمیں تو یہ یقین تھا کہ پنجاب کے مسلمان نمائندے اس فارمولے پر دستخط نہیں کریں گے اور یہ فارمولا خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اس فارمولے سے تو سکھ بالکل ہی ختم ہو جائیں گے پنجاب میں سکھوں کی تو کوئی پوزیشن ہی نہ رہے گی۔ سکھ نمائندہ کے اس ہنگامہ پر پنڈت موتی لال نہرو اور سروجنی نائیڈو نے سکھوں کو ڈانٹ پھٹکار کی۔ اور کہا کہ یہ دستخط واپس نہیں ہو سکتے یہ فیصلہ آخری ہو چکا ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اپنی خود نوشت یادداشت میں لکھتے ہیں
۱۹۳۱ء کے کانگریس اجلاس میں کامل آزادی کی تجویز جب زیر بحث آئی تو گاندھی جی کو یہ اصرار تھا کہ اس تجویز کے آخری حصے میں وٖیسرائے کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا جائے۔ اور بم مارنے والوں کی مذمت کی جائے۔ اس پر گاندھی جی سے شدید بحث ہوئی۔ پنڈت جواہر لال نہرو کے خیال کی تائید کرنے میں میں پہلا آدمی تھا جس نے کہا کہ آزادی کامل کی تجویز کیساتھ وٖیسرائے سے ہمدردی کرنے کا پیراگراف شامل کرنا اپنی کمزوری اور غلامی کی نشانی ہے میں نے

صاف الفاظ میں کہا کہ وائسرائے سے ہمدردی کرنے کی بجائے بم مارنے والوں سے ہمدردی
کرنی چاہیئے۔ میرے اس بیان کی ہر پریس میں بڑی پبلسٹی ہوئی۔ انگریزی اخبارات میں مجھے تشدد
پسند ونگ کے لیڈر کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ اس اجلاس کے زمانے سے پنڈت جواہر لال نہرو
کے مجھ سے قریبی تعلقات پیدا ہوگئے۔ تجویز گاندھی جی کے منشا کے مطابق پاس ہوئی مگر میری
اور پنڈت جی کی تقریروں سے وائسرائے کی ہمدردی والا حصہ بے وزن ہو کر رہ گیا۔

۲۶ جنوری ۱۹۲۹ء کو ہندوستان میں یوم آزادی کا دن تھا۔ ہر جگہ حلف نامے پڑھے گئے
ہندوستان میں لدھیانہ ہی صرف ایک شہر تھا جس کے انگریز ڈپٹی کمشنر کارٹر نے شہر میں دفعہ
ایکسو چوالیس لگا دی۔ میں نے اعلان کیا کہ یوم آزادی کا حلف نامہ شاہی مسجد لدھیانہ میں
پڑھا جائیگا۔ اس پر ڈپٹی کمشنر بہت پریشان ہوا۔ اور اس نے مجھ سے ٹیلیفون پر بات کرنے
کی خواہش کی۔ خواجہ محمد یوسف کی کوٹھی پر ڈپٹی کمشنر سے ٹیلیفون پر بات ہوئی۔ ڈپٹی کمشنر نے
مجھ سے کہا کہ مسجد ایک بہت مقدس جگہ ہے۔ آپ اس میں یوم آزادی کا اعلان کیوں
پڑھ رہے ہیں۔ عبادت گاہوں کو سیاسی اکھاڑہ نہیں بنانا چاہیئے۔ میں نے جواب میں کہا
آپ کب سے مفتی اسلام بن گئے ہیں۔ میں مذہب اور سیاست کو آپ سے زیادہ سمجھتا ہوں
آپ کی مذہبی رہنمائی کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ اس جواب پر ڈپٹی کمشنر نے ٹیلیفون رکھ دیا
اور شہر میں زیادہ سختی شروع کر دی۔ میرے چچا مولانا مفتی محمد نعیم صاحب نے سٹی کانگریس کے
صدر کی حیثیت سے غازی عبدالرحمٰن عرف ماتا مسٹر مظہر جمیل اور کانگریس کے رضاروں
کے ساتھ شاہی مسجد متصل کمیٹی باغ میں ہزاروں ہندو اور مسلمانوں کے سامنے حلف نامہ
آزادی پڑھا۔ اور میں نے کانگریس کا جھنڈا لہرایا۔ مگر افسوس کہ آج ۱۹۴۷ء میں اسی شاہی
مسجد پر جو ۲۶ جنوری ۱۹۲۹ء کی یوم آزادی کی یادگار تھی گرا کر اس پر گوردوارہ تعمیر کر دیا
گیا ہے ۱۹۴۷ء تک یہ مسجد کانگریس کے جلسوں کا مرکز بنی رہی۔ تمام کانگریس تحریک کے کام اس
مسجد میں ہوتے رہے لیکن انگریز کو اس مسجد کی طرف بڑھنے کی جرأت نہ ہو سکی تھی

شاہی مسجد لدھیانہ کی تاریخی حیثیت

یہ مسجد احمد شاہ ابدالی کے پوتے شجاع الملک نے بنوائی تھی جو ۱۸۳۶ء میں انگریزی سیاست کا شکار ہو کر لدھیانہ میں قیام پذیر ہوئے تھے۔اس چھوٹی سی مسجد کو جس کا صحن بہت بڑا ہے۔شاہی مسجد کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔شاہ شجاع الملک کا مکان مسجد سے دو فرلانگ کے فاصلے پر تھا جس میں آجکل جنرل پوسٹ آفس بنا ہوا ہے۔اس پوسٹ آفس کی عمارت پر شاہ شجاع الملک کے نام کا ایک پتھر اب بھی لگا ہوا ہے۔ ۱۹۲۶ء میں شاہی مسجد پر قادیانیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔اس پر شہر میں بہت ہنگامہ ہوا۔فروٹ منڈی کے تاجر جو اس مسجد کے نگراں تھے انہوں نے قادیانیوں کو نکال کر اس مسجد کی تولیت رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے سپرد کی۔

لدھیانہ جیل میں چودھری شیر جنگ کی آمد

یوم آزادی کا حلف نامہ سارے ہندوستان میں ۲۶ جنوری کو پڑھا گیا۔اور ملک میں ستیہ گرہ تحریک کا بے چینی سے انتظار کیا جانے لگا۔میرے مکان کے متصل لدھیانہ جیل کے سپرنٹنڈنٹ پنڈت من موہن رہتے تھے۔انہوں نے مجھے ایک دن بتایا۔کہ لدھیانہ جیل میں ایک انقلابی نوجوان گرفتار ہو کر آیا ہے۔اس پر احمد گڑھ میں خزانہ لوٹنے پولیس پر بم مارنے کا الزام ہے۔چنانچہ میں صبح ہوتے ہی شیر جنگ سے ملنے جیل گیا چودھری شیر جنگ سے ملاقات ہوئی۔وہ پڑھے لکھے مضبوط قسم کے نوجوان تھے۔میں نے سپرنٹنڈنٹ سے اجازت لی کہ شیر جنگ کا کھانا میرے گھر سے آیا کرے گا۔چودھری شیر جنگ صاحب یکم مئی ۱۹۳۰ء کو لدھیانہ جیل آئے تھے۔

لدھیانہ میں سول نافرمانی کا آغاز

گاندھی جی نے ۱۳ر مارچ ۱۹۳۰ء کو نمکین ستیہ گرہ کا آغاز کیا۔ ملک میں گرفتاریاں ہونے لگیں۔ تحریک چلانے کیلئے لدھیانہ میں مکمل تیاری کرلیگئی۔ ۱۱ر اپریل ۱۹۳۰ء کو دریا کے کنارے کانگریس رضاکاروں نے میرے پروگرام کے مطابق خلاف قانون نمک بنا کر سول نافرمانی کا آغاز کر دیا۔ مقامی حکومت نہایت ہی ظالمانہ رویہ پر اتر آئی۔ ۲۲ر اپریل ۱۹۳۰ء کی شب کو میونسپل کمیٹی باغ کے کانگریس جلسے پر لاٹھی چارج کیا گیا۔ سردار کشن سنگھ جو سردار بھگت سنگھ کے والد تھے، انہیں اسٹیج پر اس قدر مارا کہ وہ زمین سے اٹھنے کے قابل نہ رہے وہ میرے مکان پر ٹھیرے ہوئے تھے۔ اُن سے میرے دیرینہ گہرے انقلابی مراسم تھے۔

۲۳ر اپریل ۱۹۳۰ء کی صبح کو دفعہ ایکسو آٹھ[۱۰۸] اور دفعہ ایکسو چوبیس[۱۲۴] کے تحت مجھے میرے مکان سے گرفتار کیا گیا۔ اور ایک دن بعد ہی ۲۴ر اپریل ۱۹۳۰ء کو دفعہ ایکسو آٹھ[۱۰۸] اور دفعہ ایکسو چوبیس[۱۲۴] (الف) کے تحت جیل میں مقدمہ چلایا گیا۔ میرے جیل جانے کے بعد سینکڑوں والنٹیر لدھیانہ شہر سے گرفتار ہوئے ان والنٹیروں میں جن پر کوتوالی میں سب سے زیادہ ظلم و ستم توڑا گیا۔ اور تین دن تک فرش پر لٹا لٹا کر لاٹھیوں سے مارا گیا ان کے نام یہ ہیں۔ غازی عبدالرحمٰن عرف مانا پہلوان۔ معراج الدین۔ غازی عبدالعزیز خطائی فروش۔ برکت عرف جناب علی جو شہر میں کانگریس کے جلسوں کا اعلان بہت ہی خاص انداز سے کیا کرتا تھا۔ ان جانبازوں نے نہایت جرأت و استقامت اور دلیری کا ثبوت دیا۔ پولیس کی مار کے باوجود کسی میں بھی کمزوری پیدا نہ ہوئی۔ مسٹر منظور جمیل اسی زمانے میں گرفتار ہوئے۔ اس پر پولیس کو خاص طور پر غم و غصہ تھا۔ کیونکہ اس نوجوان نے گورنمنٹ آف انڈیا کی نوکری چھوڑ کر میری تقریر پر کانگریس میں شامل ہوگیا تھا

اعلان کیا تھا۔ ۲۷ مئی ۱۹۳۱ء کو لدھیانہ جیل میں لالہ وِدّیا ساگر مجسٹریٹ درجہ اوّل کی عدالت میں میں نے حسب ذیل بیان دیا۔

بیان مولانا حبیب الرحمٰن بعدالت وِدّیا ساگر مجسٹریٹ درجہ اوّل

۲۷ مئی ۱۹۳۱ء زیر دفعہ ایکسو ایکسٹھ اور ایکسو چوبیس (الف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انقلاب زندہ باد

۱۹۲۱ء میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے مجسٹریٹ کے سامنے بیان دیتے ہوئے فرمایا تھا۔ میرا ارادہ نہ تھا کہ اس مقدمہ میں کوئی بیان پیش کروں۔ لیکن جب میں نے یہ دیکھا کہ گورنمنٹ مجھے سزا دینے کے بارے میں عاجز اور پریشان ہے تو میں نے محسوس کیا کہ جو سبب بیان نہ دینے کا تھا، وہی اب مقتضی ہے کہ خاموش نہ رہوں۔ اور جو بات گورنمنٹ جاننے کے باوجود دکھلا نہیں سکی اسے کامل اقرار کے ساتھ اپنے قلم سے لکھ دوں۔

اسی طرح جب میں نے اپنے مقدمہ میں حکومت کو پریشان پایا کہ وہ مجھ پر الزامات کے ثابت کرنے سے قطعاً قاصر ہے۔ جو اس نے مجھ پر لگائے ہیں اور لدھیانہ کی کسی تقریر پر مجھے سزا نہیں دے سکتی۔ تو لاہور کے گواہوں سے مدد لی گئی۔ مگر لاہور کے گواہوں کی شہادت بھی مفید ہونے کی بجائے گورنمنٹ کے خلاف گئی تو میں نے فرض سمجھا کہ اپنے عقیدے اور یقین کا غیر مشتبہ الفاظ میں اظہار کر دوں۔ اور انگریزی حکومت کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کو صاف بیان کر دوں جس کو میں اپنی بے شمار تقریروں میں بیان کر چکا ہوں۔ سچائی اور دیانتداری کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اپنے دلی جذبات کا اظہار بلا کسی خوف کے عدالت میں کیا جائے۔ اگر اقرارِ جرم پر پھانسی کے تختہ پر بھی لٹکا دیا جاؤں تو سزا کے قبول کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا کیونکہ جس چیز کو حکومت جرم قرار دیتی ہے میرے

نزدیک وہی سچائی اور ایمان ہے۔

عام طور پر بیان طلب انصاف و برأت کی نظر سے دیئے جاتے ہیں۔ مگر میں اپنا بیان استغاثے کی امداد کے لئے دے رہا ہوں۔ اس کٹہرے میں پیش ہونے کا مجھے پہلا ہی اتفاق نہیں۔ دسمبر ۱۹۲۱ء کو مجھے دفعہ ایکسو آٹھ کے تحت گرفتار کیا گیا۔ اور جیل میں مجھ پر مقدمہ چلایا گیا۔ مگر مقدمہ کے دوران میری دفعہ ایکسو آٹھ بدلکر دفعہ ۱۲۴ الف کر دی گئی۔ اس دفعہ کے تحت مجسٹریٹ نے مجھے چھ مہینے کی قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانے کی سزا دی۔ پھر اسی جیل میں جب میری رہائی کے تین دن باقی رہ گئے تو حکومت نے دفعہ ایکسو آٹھ کے تحت مجھ پر از سر نو مقدمہ چلا کر ایک سال کی سزا دی

۱۹۲۷ء میں پھر حکومت کو یہ محسوس ہوا کہ میرا باہر چلنا پھرنا اس کے لئے غیر مفید ہے۔ اس نے جالندھر اور دوسرے کی تقریروں کی بنا پر مجھے دفعہ ایکسو آٹھ کے تحت مقدمہ چلا کر ایک سال کی سزا دی۔ ان تمام مقدمات میں استغاثہ کی شہادت ہمیشہ کمزور اور نا قابل اعتماد رہی ہے۔ بس صرف مجسٹریٹ صاحبان نے حکومت کی منشا پر یہ کہہ کر سزائیں دیں کہ بہر حال حکومت کے باغی ہو۔ اور تمہیں جیل میں رکھنا بہت ضروری ہے۔

۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء کو شاہی مسجد میں قومی جھنڈا لہرایا گیا اور حکومت کی تمام تدبیریں اور دفعہ ایکسو چوالیس ناکام ہوگئی۔ شکست فاش کھانے کے بعد مقامی حکومت میری گرفتاری کا بہانہ تلاش کر رہی تھی۔ ۱۱ اپریل ۱۹۳۰ء کو لدھیانہ میں میں نے اپنے پروگرام کے مطابق سول نافرمانی شروع کرا دی۔ ۲۲ اپریل ۱۹۳۰ء کی شب کو لدھیانہ کی شکست خوردہ حکومت نے کانگریس کے پر امن جلسے پر دل کھول کر ڈنڈے برسائے اور سینکڑوں بے گناہ عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو زخمی کیا۔ جب اس تشدد اور ظلم سے بھی کام نہ چلا اور تحریک سول نافرمانی تیز ہوگئی تو حکومت

کو مجھے گرفتار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

میں حکومت انگریز کو ایک ایسی غیر ملکی حکومت سمجھتا ہوں جس نے اپنی چالبازیوں اور اپنی طاقت کے بل پر ہندوستان کو غلام بنا رکھا ہے۔ میں اپنے لئے اور ہندوستانیوں کے لئے یہ فرض سمجھتا ہوں کہ انگریز گورنمنٹ کو جس ممکن طریقہ سے بھی ہم نکال کر ہندوستان کو آزاد کرا سکیں کرائیں۔ اس بارے میں جو سزا بھی ہم کو ملے ہم اسے بخوشی قبول کریں انگریزی حکومت نہ صرف غیر ملکی حکومت ہے بلکہ ظالم اور ہندوستانیوں کی خون چوسنے والی حکومت ہے۔ اس لئے حکومت کی مشینری کو ناکام بنانا اور انگریزی مال کا بائیکاٹ کرنا ہر ہندوستانی کا دینی فرض ہے۔

"میرا عقیدہ ہے کہ سچائی کے اجلے دامن پر برطانوی حاکمیت و طاقت ایک سیاہ داغ ہے اور اس داغ کو دھونا اگر جرم ہے تو میں اقرار جرم کرتا ہوں۔ اور قانون عدالت کو اپنی منشا کے پورا کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

حبیب الرحمٰن لدھیانوی ۔ لدھیانہ جیل ۲۷ مئی ۱۹۳۰ء

سید عطاء اللہ صاحب بخاری کی لدھیانہ میں آمد

کانگریس تحریک کے سلسلے میں سید عطاء اللہ بخاری نے طوفانی دورہ لاہور سے شروع کیا۔ وہ لاہور اور امرتسر میں تقریریں کرتے ہوئے جالندھر پہونچے۔ تو میں نے اپنے لڑکے مولانا خلیل الرحمٰن اور اپنے خاص رازدار و الیٹر عبدالرحمٰن غازی عرف ماتا کے ذریعہ شاہ صاحب کو کہلا بھیجا کہ وہ لدھیانہ جیل میں مجھ سے مل کر امروہہ کے اجلاس جمعیۃ علماء ہند میں شرکت کریں جس میں کانگریس تحریک میں شریک ہونے کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ شاہ صاحب تشریف لائے۔ اس موقعہ پر پنڈت منی موہن سپرنٹنڈنٹ لدھیانہ جیل کی بہادری نے ملاقات کا موقعہ دیا۔ شاہ صاحب پر ہر طرف سی۔ آئی۔ ڈی بھی تھی۔ ہر قدم پر شاہ صاحب کو گرفتار

کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ پنڈت من موہن نے اسکیم کے مطابق شاہ صاحب کو اپنے مکان پر ٹھہرایا۔ اور جالندھر سے آنے والی موٹر کار کو اپنے گیرج میں بند کرکے چھپا دیا۔ رات کو جیل میں خاموشی سے ملاقات ہوئی۔ اور دو گھنٹے تک جمعیت علماء ہند کے اجلاس میں کانگریس کی شرکت کے بارے میں تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔

میں نے شاہ صاحب سے کہا کہ جمعیت کے اجلاس میں ایسے لوگ بھی آئیں گے جو مسلمانوں کے دستوری تحفظ کا دروازہ کھول کر جمعیت علماء ہند کو کانگریس کی تحریک میں شرکت کرنے سے روکنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن آپ یہ کوشش کیجئے گا کہ دستوری تحفظ کی بحث کا دروازہ نہ کھل سکے۔ اور جمعیۃ علماء ہند غیر مشروط طور پر ہندوستان کی جنگ آزادی میں شامل ہو جائے۔

شاہ صاحب اس گفتگو کے بعد پنڈت من موہن ہی کی کار میں بیٹھ کر انبالہ چلے چلے گئے۔ انبالے سے سیدھے سہارنپور ہوتے ہوئے ۲ رمئی ۱۹۳۰ء کو جمعیۃ العلماء کے اجلاس امروہہ میں پہونچ گئے۔ جمعیۃ العلماء کی نوجوان پارٹی کے لیڈر مولانا حفظ الرحمٰن کی تجویز کہ جمعیۃ علماء ہند کانگریس کی تحریک سول نافرمانی میں شامل ہو جائے پر شاہ صاحب نے مجلس مضامین میں سرگرم حصّہ لیا۔ اور کانگریس کی شرکت کے مخالفین کو آخر کار شاہ صاحب کے دلائل کے سامنے جھکنا پڑا۔ اور متفقہ طور پر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تجویز شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی تائید سے منظور ہو گئی۔ رات کو جمعیۃ کے کھلے اجلاس میں حضرت مولانا شاہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں شاہ صاحب نے سات گھنٹے تک تقریر کی۔ اس اجلاس میں ایک ہزار علماء شامل تھے۔ پچاس ہزار سے زیادہ عوام کا مجمع تھا۔ اس اجلاس امروہہ کی کامیابی کا سہرا مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے سر بندھا۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب امروہہ کے بعد یو۔پی۔ بہار میں دورہ کرتے ہوئے بنگال جا پہونچے اور دیناج پور میں جا کر گرفتار ہوئے۔

اس دورے میں ایک لاکھ آدمی شاہ صاحب کی تقریروں سے گرفتار ہوئے۔ گرفتار ہونے والوں میں تیس ہزار مسلمان تھے۔ پنڈت موتی لعل نہرو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سحر بیانی کے عاشق تھے۔ انہیں کے پروگرام کے مطابق شاہ صاحب کام کر رہے تھے۔ الہ آباد میں جب شاہ صاحب پنڈت موتی لعل جی کے یہاں پہونچے۔ تو پنڈت موتی لعل جی نے خود شاہ صاحب کے کھانے کا بندوبست کیا اور اپنے ہاتھ سے دونوں وقت چائے بنا کر پلائی۔ پنڈت جی بار بار شاہ صاحب سے کہتے کہ شاہ صاحب کانگریس ستیہ گرہ کی کامیابی صرف آپ ہی سے وابستہ ہے۔

کانگریس تحریک میں پنجاب کے احرار رہنماؤں کی شرکت اور شاہ صاحب کے دورہ کا یہ اثر ہوا کہ گاندھی ارون پیکٹ کے بعد جب بھی احرار رہنما گاندھی جی سے ملنے گئے تو گاندھی جی اٹھ کر دروازے تک خود احرار رہنماؤں کو لینے آتے۔ اور چلتے وقت خود ان رہنماؤں کو دروازے تک چھوڑنے آتے۔ یہ امتیازی بات تھی جو زندگی میں گاندھی جی نے صرف احرار رہنماؤں کی عزت و تکریم میں کی۔

گجرات جیل میں

لدھیانہ سے مجھے ایک سال کی سزا ہوئی اور میں گجرات کی جیل میں بھیج دیا گیا۔ گجرات جیل میں میں ڈاکٹر انصاری مرحوم کے ساتھ ایک کوٹھری میں تھا۔ دوسری کوٹھری میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب تھے۔ ہمارے علاوہ ڈیڑھ سو قیدی اور اس جیل میں تھے۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم سے میرے بہت گہرے تعلقات ہو گئے۔ میں ڈاکٹر صاحب کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اکثر بیمار رہتے ان سے ہندوستان کی سیاست اور فرقہ وارانہ مسائل کے حل میں بار ہا گفتگو ہوتی۔ ڈاکٹر صاحب فرمایا کرتے کہ ہندو مسلمانوں میں کوئی جنگ نہیں۔ لیڈروں کی ذاتی رنجش نے سارے

کام کو تباہ کیا ہے۔ اگر مسٹر جناح، پنڈت موتی لعل نہرو، مسٹر جیکر اور مولانا شوکت علی میں ذاتی رنجش نہ ہوتی تو فرقہ دارانہ مسئلہ کب کا حل ہو چکا ہوتا۔ جنوری ۱۹۳۱ء کو گورنمنٹ نے گاندھی جی کو دوسری گول میز کانفرنس کی شرکت کے لئے رہا کر دیا۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبر بھی رہا کر دیئے گئے۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم ورکنگ کمیٹی کے ممبر تھے۔ وہ بھی رہا ہو کر دلی تشریف لے گئے۔

گاندھی اردن پیکٹ اور میری رہائی

گاندھی اردن پیکٹ کے تحت جب عفو عام کا اعلان ہو گیا۔ تو میرے سوائے ہندوستان کے تمام قیدی رہا کر دیئے گئے۔ میری رہائی کے لئے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر اور میرے محسن بزرگ ڈاکٹر انصاری نے کوشش کی کہ اس میثاق کے تحت مجھے بھی رہا کر دیا جائے۔ انہوں نے گاندھی جی پر بہت زور ڈالا بقول مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وائسرائے نے پنجاب سرکار کی رپورٹ پر مجھے چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ اور گاندھی جی اس بارے میں خاموش ہو گئے۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم نے میری رہائی کے سلسلہ میں حکومت ہند کا نقطہ نظر مجھے ایک خط میں تحریر فرمایا۔ جو مجھے گجرات جیل میں ملا۔ پورا خط ذیل میں درج ہے۔

۵ رمئی ۱۹۳۱ء۔ دہلی

مولانائے مکرم زاد لطفہ

میں تو آپ کی طرف سے مطمئن تھا۔ اور نہ میں نے لاپرواہی برتی۔ بلکہ کما حقہ سعی رہائی کی کی۔ بعد کو مایوس ہو کر اپنے اور آپ کے جذبہ خودداری پر بھروسہ کر گیا۔ ہوم ممبر صاحب اور دیگر ذمہ داروں سے جا کر تبادلہ خیالات اکثر اوقات کرتا رہا لیکن گورنمنٹ پنجاب کی رپورٹ پر آپ کی تقریر تشدد آمیز [illegible]

ہمارے لئے فوراً سوال خودداری پیدا ہوگیا۔ اس لئے اب اس سے زیادہ گر کر التجا کو آپ کے ایثار کے منافی اور خودداری کی ضد سمجھا۔ اور مناسب جانا کہ دو ہفتوں کی قید پورا کر کے بمنت غیر آپ عنقریب وطن آئیں گے۔ اور جلد از جلد مجھ سے ملاقات ہوگی۔

بعض اہم امور کے تئیں آپ سے جلد ملاقات ہونا ضروری ہے۔ فوراً آزادی کے بعد آجائیں تو بہتر ہے۔ میں نو تک تو دہلی میں مسلسل ہوں۔ اور اس کے بعد بھوپال اور سترہ کو رامپور رہوں گا۔ فقط والسلام

مخلص مختار احمد انصاری

گورنمنٹ پنجاب کی یہ رپورٹ جس کا ذکر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے۔ یہ آل انڈیا کانگریس کی اس تقریر پر مرتب کی گئی تھی۔ جو میں نے لیسرا کے برہم ماننے والوں کی حمایت میں کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے اس خط کے بعد ۳۱ مئی ۱۹۳۱ء کو ڈاکٹر صاحب کا دوسرا خط لدھیانہ میں رہائی کے بعد موصول ہوا جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

۳۱ مئی ۱۹۳۱ء۔ دہلی

مکرمی جناب حبیب الرحمٰن صاحب۔

السلام علیکم۔ دلی مبارک باد

اپنی مدت قید پوری کر کے چھوڑی ہاں کیوں کسی کا احسان لیجئے۔ مردانِ خدا ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ماشاء اللہ وسبحان اللہ۔ میں آج رامپور جا رہا ہوں۔ آپ کی ملاقات نہایت ضروری ہے۔ ایک وقت کیلئے اگر آپ ۲ جون کو آجائیے۔ تو سب معاملات طے ہو سکیں گے۔ باقی عند الملاقی۔ فقط والسلام

مخلص مختار احمد انصاری۔

میں ۲ جون ۱۹۳۱ء کو ڈاکٹر انصاری سے ملاقات کے لئے دہلی پہونچا۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے بتایا کہ میں نے اور گاندھی جی نے ہر چند کوشش کی۔ کہ آپ رہا کر دیئے جائیں۔ لیکن ہوم ممبر کسی طرح بھی رضا مند نہ ہوا۔ اس ملاقات میں ڈاکٹر انصاری صاحب نے گاندھی ارون پیکٹ کی تمام تفصیلات سنائیں یہ تکلیف دہ واقعہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے سبزی خور ممبروں کا ان الفاظ میں سنایا۔

گاندھی ارون گفتگو کے زمانے میں کانگریس کے تمام ممبران کا قیام میری کوٹھی پر تھا۔ غیر سبزی خور ممبران تو میرے ساتھ دسترخوان پر ایک ہی ساتھ کھانا کھاتے تھے باقی سبزی خور ممبران میری کوٹھی کے ایسے کمروں میں رہتے تھے جن کا رخ جمنا کی طرف تھا۔ میرے باورچی خانے سے کھانا پک کر ان کے کمروں میں بھیج دیا جاتا تھا۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے سبزی خور ممبران تمام کھانوں کو بالٹیوں میں بھروا کر اپنے خدمتگاروں سے جمنا میں بہا دیتے اور چوری سے جو کھانا چاندنی والوں کے یہاں سے پکا ہوا آتا تھا۔ وہ کھاتے تھے۔

کچھ دن بعد گاندھی جی اور پنڈت موتی لعل کے علم میں یہ بات آ گئی۔ پنڈت موتی لعل کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ان ممبروں پر بہت خفا ہوئے اور گاندھی جی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ لوگ میری کوٹھی سے چلے جائیں۔ لیکن حالات ایسے نہ تھے کہ اس واقعہ کو شہرت دی جائے۔ کیونکہ اس سے شدید قسم کے اختلافات ہو جاتے۔ جبکہ ایک طرف وائسرائے سے گفتگو ہو رہی تھی۔ اور دوسری طرف ملک کانگریس کی رہنمائی کا منتظر تھا۔ میں نے پنڈت موتی لعل جی کو ٹھنڈا کیا۔ اور گاندھی جی کو راضی کیا کہ اس موقعہ پر آپ ان لوگوں کو سزا نہ دیں۔ گاندھی جی نے جب ان ممبروں

سے یہ معلوم کیا کہ وہ کھانا کیوں نہیں کھاتے تھے۔ تو ان ممبروں نے جواب دیا کہ ڈاکٹر صاحب کی رسوئی میں مسلمان کھانا پکاتے ہیں۔ اس پر گاندھی جی نے فرمایا اگر آپ لوگوں کو ایسا ہی خیال تھا تو پہلے ہی دن ڈاکٹر صاحب کو منع کر دیا ہوتا کہ ہمارا کھانا نہ پکایا جائے۔

مجھے اول روز سے ہی کھانا پھلنے کی اطلاع ہو گئی تھی۔ مگر میں نے مناسب سمجھا کہ معاملہ راز ہی میں رہے۔ مجھے اپنے مالی نقصان کی تو کوئی پرواہ نہ تھی! البتہ ان لوگوں کی تنگ دلی اور تنگ نظری کو دیکھ کر بڑی تکلیف ہوئی۔

ڈاکٹر انصاری کانگریس ہائی کمان کے با اثر ممبروں میں تھے جن کی سیاست میں فکر و تدبر جن کی حکمت میں محبت۔ جن کی وضع داری میں انتہا درجہ کی رواداری تھی۔ ڈاکٹر صاحب طبعاً شریف، نرم مزاج اور خیر تھے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے عزیزوں، دوستوں اور ساتھیوں کی زندگی بھر راز داری سے مدد کرتے رہے۔

ڈاکٹر صاحب غازی پور کے رہنے والے تھے۔ لندن میں ڈاکٹری پاس کرنے کے بعد وہ پہلے ہندوستانی تھے جنہیں قابلیت کی بنا پر لندن کے شاہی ہسپتال میں انچارج کی حیثیت سے لگایا گیا۔

حکیم اجمل خاں کے دورۂ یورپ کے بعد ڈاکٹر صاحب ہندوستان تشریف لے آئے اور آتے ہی حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ کی تحریک میں خاموشی سے شامل ہو گئے۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی میں ڈاکٹر صاحب کی فہم و فراست، سیاسی سوجھ بوجھ کی گاندھی جی دل سے قدر کرتے تھے۔ ۱۹۲۷ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب نے مدراس میں اپنے خطبہ صدارت میں ہندوستان کے سوراج کی تشریح اس طرح فرمائی تھی۔

"جس سوراج کیلئے ہم برسر پیکار ہیں وہ نہ تو ہندو راج ہوگا اور نہ مسلم راج ہوگا"

"بلکہ مشترکہ راج ہوگا"

احرار

ظلم واستبداد سے ٹکرانے والے " احرار" دنیا میں ہر جگہ موجود رہتے ہیں۔

بے غرض رہنمائی اور بہادرانہ اقدام "احرار" کا خاصہ اور مزاج ہیں

ابوالکلام آزاد

وہی ہے بندۂ حُر جس کی ضرب ہے کاری ——— اقبال

"احرار" وقت کا تقاضہ ہیں۔ اس لئے دنیا کی کوئی طاقت "احرار" کو مٹا نہیں سکتی ——— افضل حق

"احرار" مظلوم کی آواز ہیں ——— سید عطاء اللہ شاہ بخاری

دنیا کی تاریخ آزادی "احرار" کی اپنی تاریخ ہے ——— شیخ حسام الدین

لفظ احرار کے پیچھے آزادی ہند اور جمہوریت کی بہت بڑی تاریخ ہے۔ اس نام پر مسلمانوں نے بہت بڑی قربانیاں دی ہیں۔ یہ نام ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد کا خاص رہا ہے۔ "احرار" دنیا کی جمہوری ترقی اور آزادی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ——— حبیب الرحمٰن لدھیانوی

"احرار" کسی مورخ کے محتاج نہیں۔ وہ اپنے عمل سے اپنی تاریخ صفحۂ ہستی پر لکھ دیتے ہیں ——— مظہر علی اظہر

مجلس احرارِ اسلام ہند

کے

قیام کا تاریخی اور سیاسی

منظر و پس منظر

۱۹۴۳

۱۹۲۹ء کے کانگریس کے اجلاس میں ۲۹ دسمبر ۱۹۲۹ء کو مولانا آزاد کے مشورہ پر آل انڈیا کانگریس کے اسٹیج پر چودھری افضل حق صاحب کی صدارت میں مجلس احرار کا پہلا جلسہ ہوا۔ مجلس مشاورت میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی۔ مولانا سید داؤد غزنوی اور مولانا سید عطاء اللہ بخاری۔ مولانا مظہر علی صاحب۔ خواجہ عبدالرحمٰن غازی نے باہم مشورہ کر کے مولانا آزاد کے تجویز کردہ نام کے مطابق مجلس احرار اسلام ہند قائم کی۔ اور مولانا سید عطاء اللہ بخاری مجلس احرار کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔

کانگریس کی طرف سے عام سول نافرمانی کا آغاز ہو گیا تھا۔ اس لئے سب احرار کی تنظیم کو چھوڑ کر کانگریس تحریک میں شامل ہو گئے۔ گاندھی ارون معاہدے کے بعد احرار رہنماؤں نے رہا ہوتے ہی پنجاب میں مجلس احرار کے اضلاعی اور شہری دفاتر قائم کر دیئے۔ احرار رہنماؤں نے یکسو ہو کر کانگریس کے نئے فارمولے پر غور کرنا شروع کیا۔

احرار رہنما نہرو رپورٹ کی سزا پانے کے بعد جو خاص گاندھی جی کی طرف سے دی گئی تھی۔ کانگریس کے کسی بھی فارمولے کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔

حبیب انصاری خط وکتابت

۵ رجولائی ۱۹۳۱ء

جناب مولانا۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

آپ کا خط ۲۵ رجون ۱۹۳۱ء آج بعد واپسی ملا۔ اور یہ اتفاق ہے کہ بالکل اسی طرح کا خط شیخ صاحب کا بھی امرتسر سے آج ہی پہونچا۔ مضمون دونوں خطوط کے واحد ہیں۔ اور یکساں طور پر اقلیتوں کے لئے تیس فیصدی پر ترمیم کرنے کا اصرار ہے۔ اسے توارد سمجھوں یا دلوں کا اتحاد۔ بہر حال یہ واقعہ ہے کہ آپ لوگوں کا اصرار یکساں ہے۔ میں نے اپنی فرید پور کی تقریر میں آپ لوگوں کی منشا کے مطابق بجائے تیس

فیصدی کے پچیس فیصدی ترمیم کردی۔ اور نہ صرف یہ بلکہ آپ دیکھیں گے۔ کہ اقلیتوں کے تحفظ کی تعداد بجائے تیس فیصدی کے پچیس فیصدی کر دی گئی۔ بلکہ پنجاب اور بنگال میں اکثریتوں کے اگر بالغوں کو حق رائے دہندگی نہ دیا جائے یا اگر ووٹوں کی فہرست پر مسلمانوں کی تعداد ان کی آبادی کے تناسب سے نہ آسکے اس وقت تک جب تک کہ ان دو صورتوں میں کوئی صورت پیدا نہ ہو۔ ان دونوں صوبوں پنجاب اور بنگال میں مسلمان اکثریت کا کم سے کم ایک اور دس فیصدی نشستوں کے تحفظ کا مطالبہ کریگی (یعنی کانگریس)

میں اپنی تقریر کی ایک کاپی شیخ حسام الدین کے نام روانہ کر رہا ہوں۔ ان سے استدعا کر دی ہے کہ وہ آپ کے لئے ترجمہ کر کے جلدی بھیج دیں اس تقریر میں صفحہ پانچ کی دفعہ دو کا الف اور ج اس سوال کو کافی توضیح کے ساتھ حل کر دیتا ہے۔ جو آپ لوگوں کے خیال میں لکھنؤ کے اجلاس میں کمی رہ گئی تھی۔ جس کی واپسی پر آپ لوگوں کو اصرار ہے اور یہ کہ نہ صرف واپس ہوگیا۔ بلکہ کچھ اور تجاویز پر حاوی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اب اس اعلان اور ترمیم کے بعد بھی آپ لوگوں کی سعی اور جد وجہد میں کوئی عذر باقی ہوگا۔

مولانا کہی ہوئی باتوں پر کبھی اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔ ہم کو ان درا ندازیوں سے الگ رہ کر اپنے عزم استقلال کا مظاہرہ کرنا ہے۔ نہ ہم کو اس بیکار مسئلہ پر گفتگو میں وقت ضائع کرنا چاہیئے اور نہ آپ کو اس میں وقت ضائع کرنا چاہیئے۔ کہنے والے اس سے بھی زیادہ آئندہ کہیں گے ہم کو کام سے کام ہونا چاہیئے۔

آج بمبئی جا رہا ہوں۔ اگر آپ کے یہاں کی تاریخیں گیارہ بارہ کی بجائے تیسرے ہفتہ جولائی میں جلسے کے لئے مقرر ہوتی۔ تو میں کسی نہ کسی طرح شرکت کرتا اور تبادلہ خیال سے فائدہ اٹھاتا لیکن بمبئی سے دس کو روانہ ہو کر بارہ کو لاہور پہونچنا میرے لئے ناممکن ہے۔ ابھی ابھی فرید پور سے مارا مارا چلا آرہا ہوں۔ تکان کے علاوہ اب صحت بھی اس قدر شدید محنت کی متحمل نہیں ہے۔ والسلام — آپکا مخلص مختار احمد انصاری

ڈاکٹر انصاری کے خط کے جواب میں ۲۲،۲۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو مجلس احرار اسلام ہند کی ورکنگ کمیٹی میں ڈاکٹر صاحب کا فارمولا پیش ہوا۔ احرار ورکنگ کمیٹی نے اس فارمولے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ کانگریس کے لئے دستوری فارمولے کا حشر بھی نہرو رپورٹ کی طرح ہوگا۔ اور کانگریس اس پر قائم نہ رہے گی۔ جواب میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے حسب ذیل خط ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں لکھا۔

۲۴ جولائی ۱۹۳۱ء

مکرمی و مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب۔

السلام علیکم۔ آپ سے رخصت ہو کر میں اور حسام الدین دو دن میرٹھ ٹھہرے اور ۲۰ جولائی ۱۹۳۱ء کو لاہور پہونچے۔ ۲۲، ۲۳ دو دن تک مجلس احرار کانگریس کے فارمولے پر غور کرتی رہی۔ بعض اختلافات کی وجہ سے فارمولہ ناقابل قبول قرار دیا گیا۔ آج اور کل ایک بیان فارمولہ کے متعلق جماعت کی طرف سے شائع ہو جائیگا۔

حبیب الرحمٰن صدر مجلس احرار اسلام ہند

پنجاب کے ہندو کانگریسی

پنجاب کے ہندو کانگریسیوں کو احرار کی تنظیم سے بڑا خطرہ پیدا ہوا۔ خاص کر ڈاکٹر گوپی چند کے گروپ نے یہ کوشش کی کہ احرار کو کانگریس میں آنے سے روکا جائے۔ چنانچہ کراچی کانگریس کے اجلاس کے لئے نمائندوں کے انتخاب کے سلسلے میں ہندو کانگریسیوں نے جس میں بڑے بڑے کانگریسی رہنما شامل تھے۔ پوری کوشش کی کہ احرار لیڈروں و کارکنوں کو کراچی کانگریس اجلاس کے لئے نمائندہ نہ چنا جائے۔ تعصب کی حدیہاں تک پہونچی کہ غازی عبدالرحمٰن جیسے مستند کانگریسی کو بھی امرتسر سے کانگریس اجلاس

کارکن منتخب نہ ہونے دیا گیا۔ لیکن باوجود احرار رہنما شاہد کی حیثیت سے کراچی کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ کراچی کانگریس کے اجلاس میں ہر ہندو کانگریسی مہاتما گاندھی اور ون پاٹ کی وجہ سے حکومت کے نشہ میں تھا۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی رہائی کے بعد گاندھی جی سے ملنے بمبئی تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین تھے۔ ۱۰ اگست ۱۹۳۱ء کو بمبئی پہونچے۔ وفد نے گاندھی جی سے درخواست کی کہ آپ ڈاکٹر انصاری کے بغیر گول میز کانفرنس میں نہ جائیں۔ اگر آپ بغیر ڈاکٹر انصاری کے گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے تو انگریز ساری دنیا میں ثابت کر دیگا۔ کہ کانگریس ہندوؤں کی جماعت ہے اور ہندوؤں کی نمائندہ ہے گاندھی جی نے احرار رہنماؤں کے ان دلائل کو وزنی قرار دیا۔ لیکن اپنے جانے کا ارادہ ملتوی نہ کیا۔ گاندھی جی کی یہ پہلی سیاسی غلطی تھی۔ انہوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ کانگریس کے بارے میں انگریز کی تعریف صحیح ہے۔ اگر گاندھی جی اس وقت گول میز کانفرنس میں ڈاکٹر انصاری کے بغیر شامل نہ ہوتے تو کانگریس کو ہندو جماعت ہونے کا سارٹیفکٹ نہ ملتا۔ ڈاکٹر انصاری جیسے کانگریس کے رہنما دوست اور وفادار کو نظر انداز کرکے گول میز کانفرنس میں گاندھی جی کی شمولیت نے اندر ہی اندر آزاد خیال مسلمانوں میں شک و شبہ کے دروازے کھول دیئے۔

مصنف روشن مستقبل کی رائے

مولانا سید طفیل احمد کاظمی مصنف مسلمانوں کا روشن مستقبل اس دور کی سیاست کے متعلق اپنی کتاب میں صفحہ ۲۲۲ پر لکھتے ہیں۔

لارڈ ولنگڈن کے چارج لیتے ہی ان میں اور کانگریس میں باہمی شکایتیں پیدا ہو کر ہونے لگیں۔ پرانی حکومت میں جدید عہدہ دار اپنے پیش رو کا قرار داد [illegible]

کا پابند ہوتا ہے۔ مگر اس بارہ میں لارڈ ولنگڈن نے شخصی حکومت کے عہد والوں کو بھی مات دے دی۔ لارڈ ارون کے جاتے ہی "بساط" کا نقشہ بدل گیا۔ لارڈ ارون نے اگر شولا پور کے قیدیوں کی رہائی کا وعدہ کیا تھا۔ تو اس سے اب کیا حاصل۔ اگر انہوں نے گجرات سے مستعفی ہوجانے والے ڈپٹی کلکٹروں کی پنشنوں کا یقین دلایا تھا۔ تو اب اس سے کیا فائدہ۔ اگر انہوں نے فروخت شدہ جائیدادوں کی واپسی کے سلسلہ میں صوبجاتی حکومت سے سفارش کرنے کے لیئے وعدہ کیا تھا۔ تو وہ نفی کے برابر تھا۔ یہ تمام وعدے لارڈ ارون کے ساتھ ہی چلے گئے۔

گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کی حق تلفی

کانگریس والوں کے ساتھ نئے وائسرائے نے جو کچھ کیا۔ ان کے نکتۂ خیال سے خواہ وہ حق بجانب ہو۔ مگر غریب مسلمانوں کی انہوں نے جس قدر حق تلفی کی اس کی کوئی توجیہہ مشکل سے ہوسکتی ہے۔ جبا تما گاندھی اور لارڈ ارون کے درمیان یہ طے ہوگیا تھا۔ کہ پنڈت مدن موہن مالویہ اور مسز سروجنی نائیڈو اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری کو گول میز کانفرنس کے لئے نامزد کئے جائیں گے۔ مگر لارڈ ولنگڈن نے صرف اول الذکر دو اصحاب کو نامزد کیا۔ ڈاکٹر انصاری کے لیئے راضی نہیں ہوئے ڈاکٹر انصاری ظاہر ہے کہ مسلمان قوم پرستوں کے نمائندے تھے نہ صرف مسلمان قوم پرستوں کے بلکہ جمعیتہ العلماء، احرار، خلافت کمیٹی، خدائی خدمت گار اور تمام ان مسلمانوں کے صحیح نمائندے تھے۔ جنہوں نے ملک وقوم کے لئے قربانیاں دی تھیں اور حقیقی معنوں میں مسلمانوں کی اکثریت کے قائم مقام تھے۔ انہیں چھوڑ کر لارڈ ولنگڈن نے ایک نہیں بلکہ کافی تعداد میں ان مسلمانوں کو گول میز کانفرنس میں بھیجا جو ایسی جماعتوں (یعنی مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس) کے نمائندے تھے۔

جو صرف اونچے طبقہ کے حقوق کی نگرانی اور جن کے کارکنان عوام الناس سے اس قدر دور تھے کہ ایک بار اپنا اجلاس ایک گمنام جگہ پر کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ جو سوائے خود غرضی کی مخالفت میں تجاویز پاس کر کے حکام میں سرخروئی حاصل کرتے تھے اور صرف ایک خاص خیال کے مسلمانوں کے نمائندے تھے۔ اگر ڈاکٹر انصاری کو گول میز کانفرنس میں اس لئے نہیں بھیجا گیا تھا کہ وہ کانگریسی تھے۔ تو گاندھی جی اور مالوی جی یا مسز نائیڈو بھی تو سب کانگریسی تھے جنہیں حکومت کی طرف سے نامزد کر کے بھیجا گیا تھا۔

بہر حال باوجود گاندھی جی کے اصرار اور احتجاج کے وائسرائے موصوف نے ڈاکٹر انصاری کو گول میز کانفرنس میں اس بنا پر نہیں بھیجا۔ کہ بقول وائسرائے موصوف مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ والے مسلمان ان کی شرکت کے خلاف تھے۔

گول میز کانفرنس میں ناکامی

اب گول میز کانفرنس کی شرکت کے لئے مہاتما گاندھی جی کے لندن جانے کا مسئلہ زیر بحث آیا چونکہ اس وقت تک ہندو مسلمانوں میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا تھا اور نہرو رپورٹ کے سلسلے میں جو کچھ ہوا تھا اس پر پانی پھر چکا تھا اس لئے مہاتما گاندھی انگلستان جانے سے جھجکتے تھے۔ ان کو اس وجہ سے بھی پس و پیش تھا کہ بعض صوبوں میں کانگریس والوں پر زیادتیاں کی جارہی تھیں۔ اور اس صورت میں وہ ہندوستان چھوڑ کر باہر جانا نہیں چاہتے تھے لیکن کانگریس کمیٹی کی اکثریت چاہتی تھی کہ جس طرح بھی ہو مہاتما گاندھی جی ولایت جائیں۔ اور اس کی پرواہ نہ کریں کہ ہندو مسلم سمجھوتہ نہیں ہوا ہے۔ کانگریس کمیٹی کا خیال تھا کہ موجودہ حالت میں بھی مہاتما گاندھی جی کے جانے سے کامیابی ہوگی۔ اسی بنا پر مہاتما گاندھی کی مرضی کے خلاف یہ تجویز پاس کر دی گئی۔ کہ وہ ولایت جائیں۔ چنانچہ وہ بچنے ہو وکیا اور گورنمنٹ کے ساتھ طویل خط و کتابت کے بعد آخر ۱۹۳۱ء میں لندن کو

روانہ ہوئے۔ وہاں جب پہونچے۔ تو ہر قوم کے نامزد شدہ اصحاب موجود تھے۔ جنکا مسلک وہ تھا جو برل جماعت کے اصحاب کا ہوتا ہے۔ اور بقول پنڈت جواہر لعل نہرو جن میں اور سرکاری ملازموں میں نام کا فرق ہے۔ جن کا مسلک تن پروری اور دولت پرستی ہے۔ جن کی سیاست بس اس قسم کی ہے۔ جس کا چرچا ڈرائنگ روموں یا دربادوں میں رہتا ہے مثلاً یہ کہ فلاں عہدہ دار کیا کر رہے ہیں یا کیا کرنے والے ہیں۔ جن کی روحیں مرنے کے بعد غالباً وائٹ ہال میں جاتی ہوں گی۔ جو سیاسی آزادی اور شہری حقوق کو بھی کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے۔

اس طرح گول میز کانفرنس میں فرقہ پرست ہندو اور مسلمان دونوں کی طرف سے وطن پرستی کی مخالفت اور رجعت پسندی کی غیر معمولی نمائش ہوئی۔ مسلمانوں نے یورپین ایشن کے نمائندوں کے ساتھ عہد و پیمان کر لئے جو ہندوستان میں ملکی آزادی کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ ہندو مہاسبھا کے نمائندوں نے یہ مطالبہ کیا۔ کہ ہندوستان کی آزادی اور بالخصوص پنجاب کی حکومت خود اختیاری پر ہر قسم کی پابندیاں عائد کی جائیں۔ یعنی ایسے تحفظات رکھے جائیں۔ جو برطانیہ کے حق میں مفید ہوں۔ انہوں نے کوشش کی کہ برطانیہ کی حکومت کے ساتھ تعاون کے لیے اپنی خدمات پیش کرنے میں مسلمانوں سے بھی آگے بڑھ جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہاتھ تو کچھ لگا نہیں البتہ اپنے ہی مقدمہ کو نقصان پہونچایا۔ اور تحریک آزادی کے ساتھ غداری کی۔

مسلمانوں نے کم از کم وقار کے ساتھ تقریریں کی تھیں۔ لیکن فرقہ پرست ہندوؤں کے پاس یہ بھی نہ تھا۔ ان ہی اصحاب کی نسبت پنڈت جواہر لعل نہرو نے لکھا ہے۔

جبکہ ہماری عورتیں اور مرد حیرت انگیز بہادری کا ثبوت دے رہے تھے ... بعض وطن پرست ان سب چیزوں کی طرف سے آنکھیں بند کر کے ... اخلاقی سدھ بدھ بگاڑ رہے تھے۔ اور یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ قوم پرستی کے نام ...

کے تمام حقوق کی حفاظت کا انتظام کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ انگریز ہندوستان میں بیچ بنے بیٹھے رہیں۔ تاکہ وہ موجودہ سیاسی نظام کو قائم رکھیں۔ اور ان کے مستقل حقوق کی حفاظت کرتے رہیں۔ مگر باوجود ان تمام موانع کے ایسے سامان ہو گئے تھے کہ گول میز کانفرنس کے وقت سمجھوتہ ہو جاتا۔ اس کی صورت بقول مسٹر تصدق احمد خاں شیروانی مرحوم یہ پیدا ہو گئی تھی۔

سر محمد شفیع نے مسلمانوں کی طرف سے ایک تجویز پیش کی تھی۔ جس کی رو سے معین نشستوں کے ساتھ مخلوط انتخاب جاری کر دیا جائے۔ مگر پنڈت مدن موہن مالویہ نے اسے محض ایک نشست کی کمی بیشی کی بنا پر نامنظور کر دیا۔ اور چونکہ ہندوؤں کو کتاب "بیداری ہند" کے مصنف مسٹر میکڈانلڈ وزیر اعظم سے توقعات تھیں۔ اس لئے ان کے نام ایک چٹھی لکھی کہ وہ فرقہ وارانہ فیصلہ دیں۔ اس چٹھی پر کسی مسلمان نے دستخط نہیں کئے۔ ہندوؤں میں گاندھی جی مسز نائیڈو اور سر تیج بہادر سپرو نے دستخط نہیں کئے۔ چنانچہ اس چٹھی کی رو سے فرقہ وارانہ فیصلہ وزیر اعظم کے سپرد کر دیا گیا۔

پُر امن جنگ کی تجدید

افسوس کہ گاندھی جی اس کشتی میں ناکام رہے۔ جس سے تمام دنیا میں ہندوستانیوں کی بدخیری ہوئی۔ گاندھی جی لندن سے واپس ہو کر ۲۸ دسمبر ۱۹۳۱ء کو ہندوستان پہنچے یہاں پہنچتے ہی کانگریس اور حکومت کے درمیان شکایت کے دفتر کھلنے لگے۔ گاندھی جی نے معاملات طے کرنے کے لئے وائسرائے سے ملنے کی درخواست کی۔ مگر انہوں نے ملاقات کرنے سے متعلق انکار کر دیا۔ انگلستان سے آئے ہوئے ایک ہی ہفتہ گذرا تھا کہ ۴ جنوری ۱۹۳۲ء کو گاندھی جی گرفتار کر لئے گئے۔ دس ماہ کے التوا کے بعد کانگریس والوں نے دھاوا [illegible] حکومت نے علاوہ ان آرڈیننسوں کے جو پہلے سے جاری تھے چار جدید

آرڈیننس یعنی میعادی قوانین جاری کر دیئے جن کی رو سے تمام قوم پرست جماعتوں کو خلاف قانون قرار دیکر ان کے سرمایہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ حکام اور پولیس کے اختیارات غیر محدود کر دیئے گئے۔ اس جنگ کی خصوصیت یہی تھی کہ علاوہ سزاؤں اور پٹائی کے جرمانوں اور ضبطی جائداد کی بھرمار اس قدر ہوئی کہ وہ حکومت کی مستقل آمدنی کا ایک ذریعہ بن گئی۔ اس سلسلہ میں اس زمانہ کی سختیاں دکھانا چونکہ ہمارا مقصود نہیں اس لئے انہیں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

رئیس الاحرار کا خطبۂ صدارت

۱۱ جولائی ۱۹۳۱ء۔ معزز حضرات و خواتین اقوام ہند کی موجودہ سیاسی کشمکش جس نازک مرحلہ پر اس وقت پہونچ چکی ہے۔ اس سے پہلے شاید کبھی نہ پہونچی ہو۔ ملک کے بڑے بڑے مدبر حالات کو سلجھانے اور درست کرنے میں اپنے آپ کو ناکام پاتے ہیں جنگ آزادی کے التوا کے بعد ہندوستان کی ہر قوم اپنے مفاد کے لئے ہر قسم کی ظاہری و باطنی کوشش کر رہی ہے۔ البتہ مسلمان ایسی قوم ہے جو سیاسیات ملک سے بالکل غافل ہے ان کی اکثریت کو یہ معلوم ہی نہیں کہ ہندوستان میں آج کیا ہو رہا ہے۔ اور آئندہ حالات میں کیا ہونے والا ہے۔

احرار کانفرنس کی ضرورت کیوں ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عارضی صلح کے بعد جبکہ نیا آئین و قانون ہندوستان کے لئے "کانگریس" انگریزی حکومت کے ساتھ مل کر تیار کر رہی ہے۔ اس وقت ہندوستان کی ہر قوم کی یہ کوشش ہے کہ وہ اس آئین میں بہتر سے بہترین مقاصد حاصل کرے۔

(۱) ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ لکھنؤ میں منظور کی گئی۔ احرار رہنماؤں نے اس شرط پر دستخط کئے کہ ہر بالغ کو اگر حق رائے دہندگی دیا جائے۔ تو وہ دس سال کے لئے مخلوط انتخاب منظور کرتے ہیں۔ اس معاہدے پر سکھوں اور ہندوؤں نے بھی دستخط کئے تھے مگر

سکھوں نے تو لکھنؤ میں ہی سے دستخط کرنے کے بعد اس معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ انہوں نے آتے ہی نہرو رپورٹ کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا ہندوؤں نے سکھوں کی پیٹھ ٹھوکی۔ گویا عملی طور پر ہندوؤں اور سکھوں نے نہرو رپورٹ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر احرار اپنے ہی ہم مذہب مسلمانوں کا جو نہرو رپورٹ کے خلاف تھے پورا مقابلہ کرتے رہے۔ احرار رہنماؤں نے ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء کی آخری شب تک اس بات کی کوشش کی کہ نہرو رپورٹ کا معاہدہ مسلمان تسلیم کر لیں۔ چونکہ مہاتما گاندھی کے نزدیک نہرو رپورٹ میں سکھوں کے ساتھ ناانصافی ہوئی تھی لہٰذا اس لئے انہوں نے ۱۹۲۹ء کی شب کو نہرو رپورٹ کو دریائے راوی میں غرق کر دیا۔

(۲) جس وقت مہاتما گاندھی نے مکمل آزادی کا ریزولیشن لاہور کانگریس میں پیش کیا تھا تو میں نے سبجکٹ کمیٹی میں یہ کہہ دیا تھا۔ کہ آپ اس ریزولیشن کے باوجود بھی ڈومینین سٹیٹس لے کر صلح کے لئے تیار ہو جائیں گے۔

(۳) میں ہندوستان کی تمام اقوام کو کھلے الفاظ میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ جماعت احرار کسی قوم کے ساتھ بے انصافی نہیں چاہتی۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں دو اچھوت بن کر رہنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ مسلمان ہندوستان میں برابر کے حقدار ہیں۔ وہ ہندوستان کی حکومت میں برابر کے حصہ دار ہو کر رہیں گے۔

(۴) ہندو پریس کے نزدیک ہر مسلمان اس لئے فرقہ پرست ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ اگرچہ اس نے ملک اور قوم کے لئے زبردست قربانیاں دی ہیں۔ لیکن جہاں اس نے کسی مسلمان پر ظلم ہوتے دیکھ کر اس کی امداد کی اسی وقت اسے فرقہ پرست کا خطاب مل گیا۔

(۵) کوئی مسلمان تمام عمر کانگریس کا وفادار رہے مگر وہ کسی ایک ہندو کی شخصی [illegible] کی مخالفت کرے تو فرقہ پرست ہے۔ اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ نہ میں قوم پرست ہوں نہ فرقہ پرست صرف مسلمان ہوں۔ میں نے آج تک اپنے ملک اور قوم پر [illegible]

کبھی غداری نہیں کی۔ ہندو پریس میں اگر آج بھی تھوڑا انصاف کا جذبہ آجائے تو میں یقین کرتا ہوں کہ تمام جھگڑے آج ہی ختم ہو جائیں۔

(۶) ہندوستان میں مسلمان دو سیاسی جماعتوں میں تقسیم ہیں۔ ایک وہ ہیں جو کانگریس سے مل کر کام کر رہے ہیں۔ اور دیانت داری سے یہ سمجھتے ہیں کہ ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا ہی مسلمانوں کی عزت و آبرو کا باعث ہے۔

مسلمان تب ہی زندہ رہ سکتے ہیں کہ جنگ آزادی میں ہر قوم سے بڑھ کر حصہ لیں۔ غیر کانگریسی مسلمانوں کے سامنے سوائے ہندوؤں کو ملامت کرنے انہیں برا بھلا کہنے انگریز اور ہندوؤں سے ہمیشہ مسلمانوں کو ڈرانے کے سوا کوئی پروگرام نہیں۔

"میری خواہش ہے کہ پنجاب کے مسلمان اس کثرت سے کانگریس میں حصہ لیں کہ دوسروں کو کانگریس میں جگہ نہ مل سکے۔ ہندو کہتا یہ ہے کہ مسلمان کانگریس میں آئیں۔ اور چاہتا یہ ہے کہ نہ آئیں۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ مسلمان اگر کانگریس میں آئے تو ان کی پولیٹیکل طاقت بڑھ جائے گی۔ اور ہندوؤں کی قوم پرستی کا راز ان پر کھل جائیگا۔ ابھی تک کانگریس کے دفتروں میں مسلمانوں کو اچھوت سمجھنے والے ہندو موجود ہیں۔"

(۷) جنگ آزادی شروع کرنے سے پہلے کانگریس کے جلیل القدر رہنماؤں نے نہرو رپورٹ کو مسترد کرتے ہوئے مسلمانوں کو یہ یقین دلایا تھا کہ آئندہ کوئی نظام حکومت منظور نہیں کیا جائیگا جس میں آزاد خیال مسلمانوں کی رضامندی حاصل نہ ہوگی۔

مسلمان ہندوستان کی جنگ آزادی میں شریک ہوئے اور آزادی ہند کے لئے جس قدر خون بہایا۔ وہ ہندوستان کی کسی قوم کے حصہ میں نہیں آیا۔ لیکن جنگ آزادی کے ختم ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو یہ صلہ دیا گیا کہ نہرو رپورٹ سے بھی بدتر قرارداد منظور کی گئی۔

(۸) عارضی صلح سے ملک کو زبردست نقصان پہونچا ہے میں چونکہ کانگریس کا ایک [illegible] دار سپاہی ہوں۔ اس لئے بلا شک و شبہ کہتا ہوں کہ اگر آج ہمارے ہاتھ عارضی صلح سے [illegible]

نہ ہوتے تو کانگریس غریبوں کو ساتھ لے کر آزادی کے دروازے میں داخل ہو گئی ہوتی۔ ملک میں فرقہ وارانہ کشمکش کا وجود بھی نہ ہوتا۔ میرے نزدیک اس وقت راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں جانا بالکل بے سود ہے۔

(۹) ہندوستان کی تمام مشکلات کا حل صرف ایک ہے کہ ہندوستان کے کسانوں مزدوروں کی تنظیم کی جائے اور بجائے ایک سرمایہ دار حکومت کے غریبوں کی حکومت قائم ہو۔

اگرچہ میں کانگریسی ہوں۔ اور ہمیشہ کانگریس کے جھنڈے تلے کام کیا ہے مجھے یہ کہنے میں پس و پیش نہیں ہے کہ کانگریس کی محنت و قربانی کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان کی حکومت انگریز سے نکل کر سرمایہ داروں کے ہاتھ میں چلی جائے۔ اس کا حل یہ ہے کہ مزدور اور کسان پوری طاقت سے کانگریس پر قبضہ کریں۔ اور کانگریس سے تمام سرمایہ دار عناصر کو ہمیشہ کے لئے نکال دیا جائے۔

کانگریس نے مکمل آزادی کا جو ریزولیشن لاہور میں منظور کیا تھا۔ اسکو عملی جامہ پہنایا جائے۔

(۱۰) مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا میں کوئی قوم اقلیت و اکثریت کی وجہ سے نہ زندہ رہتی ہے۔ اور نہ مرتی ہے۔ دنیا میں صرف وہی قوم زندہ رہتی ہے جس کے افراد نیک نیت بہادر صاحب عقل اور صاحب ایثار ہوں مجھے یہ سنکر بے حد تکلیف ہوتی ہے جب کوئی مسلمان کہتا ہے کہ ہم اس لئے کمزور ہیں کہ ہم ہندوستان میں اقلیت میں ہیں۔ اٹھو اپنے اندر زندگی پیدا کرو اور ہندوستان کی غلامی کی زنجیروں کو کاٹ دو جس قوم کے ہاتھ سے ہندوستان کو آزادی نصیب ہوگی۔ وہی سربلند ہو کر رہے گی

حبیب الرحمٰن لدھیانوی صدر مجلس احرار ہند

۱۱ر جولائی ۱۹۳۱ء

تحریک کشمیر کا آغاز

تحریک کشمیر کے سیاسی پس منظر کے بارے میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی اپنی خود نوشت یادداشت میں لکھتے ہیں۔ جو انہوں نے ۱۹۴۸ء میں تحریر کی ہے

مہاراجہ ہری سنگھ معزول والئی کشمیر جب گدی نشین ہوئے تو انہوں نے اختیارات ہاتھ میں لیتے ہی دو کام ایسے کئے جس کی وجہ سے انگریزی حکومت ان سے ناراض ہوگئی۔ مہاراجہ نے کشمیر سے یونین جیک .. اتروا دیا۔ کہ یہ ریاست کا اپنا جھنڈا نہیں ہے انگریز ریذیڈینٹ کو بجائے جموں وکشمیر کے سیالکوٹ میں رہنے کا حکم دیا۔ مہاراجہ کا یہ طرز عمل انگریز کو فوری طور پر ناگوار گذرا۔ انگریز بدلہ لینے میں نہ تو جلدی کرتا ہے۔ نہ شور مچاتا ہے۔ بلکہ ٹھنڈے طریقہ سے اپنے مخالف کو ایسی شکست دیتا ہے جس سے دنیا یہ نہ سمجھے کہ وہ اپنی کسی مخالفت کا بدلہ لے رہا ہے۔

خواجہ کمال الدین لاہوری مرزائی کے بھائی خواجہ جمال الدین انسپکٹر تعلیمات تھے ان کے اثر ورسوخ سے کشمیر میں تمام تعلیمی اداروں میں لاہوری، قادیانی، مرزائی بھرتی کر لئے گئے۔ شیخ عبداللہ کو لاہوری مرزائیوں نے علی گڑھ یونیورسٹی میں پوری مدد دی۔ شیخ صاحب اچھے مقرر تھے۔ اس لئے انہیں آئندہ کشمیر میں اپنے مقاصد میں استعمال کرنے کے لئے ان کا تعارف کشمیری عوام میں کشمیری رہنما کی حیثیت سے کرایا۔ شیخ عبداللہ کے زمانۂ طالب علمی کے فوٹو ریاست میں تقسیم کئے گئے۔ تاکہ وہاں کا ہر مسلمان ان سے واقف ہو جائے۔

۱۹۳۱ء میں جب کانگریس اور گورنمنٹ کے درمیان گاندھی ارون پیکٹ ہوا تو ایک کشمیر میں اس طرح تحریک کشمیر کا آغاز ہوا کہ جموں میں کسی ہندو سبھا سپاہی نے قرآن شریف کی توہین کی ہے جبکہ ایک مسلمان سپاہی پولیس لائن میں قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔ اس واقعہ کا مشہور ہونا تھا کہ تمام کشمیر میں مسلمانوں کے جذبات قابو سے باہر ہوگئے

اور حکومت کشمیر کو دو بار گولی چلانی پڑی۔ جب حالات بہت نازک ہو گئے۔ تو مہاراجہ کشمیر نے مولانا ابوالکلام آزاد اور سر سپرو کو کشمیر میں بلا کر مشورہ کیا۔ کہ اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیئے۔ مولانا آزاد کو بلانے سے یہ سمجھا گیا کہ مہاراجہ کا ذہن غیر فرقہ وارانہ ہے۔ مولانا سے مہاراجہ نے یہ بھی کہا کہ میں مسلمان عوام کے معقول مطالبات پورے کرنا چاہتا ہوں۔ جن کی آبادی ۹۰ فیصدی ہے لیکن وہ دفتری حکومت کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی ملاقات کے باوجود کشمیری مسلمان عوام مطمئن نہ ہوئے۔ ہندو مسلم فرقہ واریت پورے شباب پر آگئی۔

شروع جولائی میں چودھری افضل حق مرحوم جو کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے جیل سے رہا ہو کر آئے تھے انہوں نے احرار رہنماؤں سے کہا کہ کشمیر کا فتنہ انگریز نے شروع کرایا ہے۔ تاکہ ہندو مسلم اتحاد کی موجودہ فضا برباد ہو جائے۔ انگریز نے کشمیر کے مسلمان کو استعمال کے لئے چن لیا ہے۔ تمام ساتھیوں نے چودھری صاحب کی یہ بات سنکر ٹال دی۔

انگریز نے کشمیر کے ابتدائی ہنگامہ سے فائدہ اٹھا کر اپنے با اعتماد آدمی ہری کشن کول کو کشمیر کا وزیر اعظم بنا دیا۔ دوسری طرف لاہوری قادیانی مرزائیوں نے کشمیری مسلمانوں کی ہمدردی میں سارے ہندوستان میں زہر آلود پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ اور کشمیر کے دس نئے لیڈر سامنے آگئے جن کی رہنمائی شیخ عبداللہ کر رہے تھے۔

مرزائی کشمیر کمیٹی کا قیام

۲۵ جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ میں سر فضل حسین کے اشارے سے سرکاری مسلمانوں کا اجتماع ہوا۔ جس میں کشمیر کے دس نئے لیڈر بھی شریک ہوئے اس جلسے میں مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ قادیان کو کشمیر کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ مسٹر عبدالرحیم درد کو جو خلیفہ کے پرائیویٹ سکریٹری تھے کشمیر کمیٹی کا جنرل سکریٹری بنایا گیا۔ شملے ہی سے مرزا محمود نے اعلان کیا کہ ہندوستان کے تمام

مسلمانوں نے مجھے اپنا رہنما تسلیم کر لیا ہے۔ اس لئے میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء کو تمام ہندوستان میں یوم کشمیر منایا جائے۔ مسٹر عبدالرحیم درد نے ہندوستان کے تمام مشہور علما، فضلا، وکلا، اور ڈاکٹروں کو خطوط لکھے کہ آپ کو کشمیر کمیٹی کا ممبر بنا لیا گیا ہے۔ ہندوستان کے تمام لوگ حقیقت حال سے ناواقف تھے کسی نے کشمیر کمیٹی کی سیاسی سازش کی طرف توجہ نہ کی سوائے مجلس احرار کے رہنماؤں کے کسی نے بھی عبدالرحیم درد پرائیویٹ سکرٹری مرزا محمود کو انکار کا خط نہ لکھا۔

۱۴ اگست ۱۹۳۱ء کو گاندھی جی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے لندن روانہ ہو گئے۔ عین اسی وقت کشمیر کمیٹی کا وجود عمل میں آیا۔ ٹھیک گاندھی جی کی روانگی کے وقت ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء کو کشمیر ڈے منانے کا اعلان کیا گیا۔ تاکہ ہندو مسلم اتحاد پر گاندھی جی کے لندن پہونچنے سے پہلے ہی ضرب لگائی جائے۔

میں، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری و شیخ حسام الدین بمبئی میں تھے۔ ہم نے کانگریسی لیڈروں سے اور خاص کر مولانا ابوالکلام آزاد سے کشمیر کے مسئلے میں بات کی۔ مولانا نے فرمایا کہ مہاراجہ کشمیر خود چاہتا ہے کہ کشمیر میں کچھ ہو۔ تاکہ مسلمانوں کے مطالبات کو پورا کیا جا سکے۔

ہم نے موجودہ کشمیر کمیٹی کی سیاسی سازش ڈاکٹر اقبال کی کشمیر کمیٹی میں شمولیت سر فضل حسین کی سرپرستی اور انگریزی حکومت کی بدنیتی فرقہ دارانہ فسادات اور ہندو مسلمان اتحاد کے بارے میں مولانا آزاد سے تفصیلی گفتگو کی تو مولانا آزاد نے سب باتیں سن کر کہا۔ کہ احرار کو فرقہ وارانہ اتحاد کے لئے مسئلہ کشمیر کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیئے اور مہاراجہ کشمیر کے سامنے ریاست کی ترقی کے لئے جمہوری مطالبات رکھنے چاہئیں میرا یقین ہے کہ مہاراجہ صاحب تھوڑی سی جدوجہد کے بعد جمہوری مطالبات کو تسلیم کر لیں گے۔

احرار اور کشمیر

احمدی صاحب نے محسوس کیا کہ کشمیر کمیٹی کی وجہ سے تمام مسلمان مرزائی اور قادیانی ہو جائیں گے۔ ہندو مسلم اتحاد کو سخت دھکا لگے گا۔ مولانا مظہر علی نے مسئلہ کشمیر میں احرار کے شامل ہونے کا اعلان کر دیا۔ مولانا مظہر علی کو تحریک کشمیر کا ڈکٹیٹر بنا دیا گیا۔ مولانا مظہر علی صاحب نے تمام سیاسی جماعتوں کو دعوت دی کہ ہم سب کو مل کر کشمیر کا سیاسی مسئلہ حل کرنا چاہیے۔ ورنہ کشمیر کمیٹی ملک کی سیاسی صورت حال خطرناک بنا دیگی مہاراجہ صاحب کو لکھا گیا کہ ہم آپ کے خلاف نہیں۔ اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ کشمیری عوام اور آپ کے تعلقات خراب ہوں۔ ہم آپ کو گدی سے اتارنے کے حق میں نہیں ہیں۔ کیوں کہ مرزائیوں کی کشمیر کمیٹی انگریز کے اشارے پر آپ کو گدی سے اتارنے کے لئے زمین ہموار کر رہی ہے۔ احرار کا مقصد کشمیر میں ریاست کے باشندوں کو ایسے حقوق دلانا ہے۔ جس سے کشمیر کے باشندے اقتصادی تعلیمی ترقی کر سکیں۔

مگر افسوس کشمیر کے اس پس منظر کو اس وقت کوئی نہ سمجھتا تھا۔ ہندو پریس نے ہماری مخالفت شروع کر دی۔ اور مہاتما گاندھی نے بھی لندن سے ایک بیان احرار کے خلاف دے دیا۔ لیکن احرار رہنما صورت حال کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے کشمیر کی طرف بڑھے۔ اور کشمیر کمیٹی کو پہلے ہی حملے میں ختم کر دیا۔ ڈاکٹر اقبال کشمیر کمیٹی کی نائب صدارت سے مستعفی ہو گئے۔ اس پر میاں فضل حسین نے چوہدری افضل حق کو کہا کہ میں ایک دن احرار کو مٹا دوں گا۔ آخر مسجد شہید گنج کا قصہ کھڑا کر کے ۱۹۳۵ء میں احرار کو دل کھول کر مٹایا۔

تحریک کشمیر میں چالیس ہزار والنٹیر گرفتار ہوئے۔ آخر مہاراجہ کشمیر نے ذمہ دار حکومت [illegible]

[illegible]

شبہ کر رہے ہیں۔ ابھی تحریک احرار جاری ہی تھی کہ گاندھی جی لندن سے واپس لوٹے اور آتے ہی گرفتار کر لئے گئے۔ اور کانگریس کی تحریک سول نافرمانی پھر شروع ہو گئی۔

ہندوستان میں انگریزی سیاست کو سمجھنے والے چند آدمیوں میں سے چودھری افضل حق مرحوم تھے۔ انہوں نے احرار والنٹیروں کو کانگریس کی سول نافرمانی کا پروگرام دے دیا۔ اس طرح کانگریس اور احرار پھر سول نافرمانی کے محاذ پر متحد ہو گئے۔ یہ بات انگریز کے لئے اور بھی ناقابل برداشت ہو گئی کہ چودھری افضل حق صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور احراری رضاکار کارکنوں کو دبانے اور گرفتار کرنے میں پنجاب گورنمنٹ نے نہایت سختی سے کام لیا۔ احرار کے شہری دفتروں میں تالے لگا دیئے گئے۔ آرڈیننس کے تحت سب سے زیادہ پچاس ہزار احرار رضاکاروں کی گرفتاری کی گئی جبکہ تحریک کانگریس میں دس ہزار رضاکار گرفتار ہوئے۔ تحریک کشمیر کے سلسلے میں ریاست کشمیر سے مجلس احرار نے ۸ اگست ۱۹۳۱ء کو جو مطالبات کئے وہ حسب ذیل تھے۔

حکومت کشمیر سے مجلس احرار اسلام ہند کے مطالبات

(۱) مجلس احرار کشمیر کی ایجی ٹیشن کو ہندو مسلم مسئلہ تصور نہیں کرتی۔ کشمیر کے کسانوں اور مزدوروں کی حالت ایسی تباہ کن اور دردناک ہے کہ ہندوستان میں بھی کبھی مزدور اور کسان کی نہ ہوگی۔ تمام صاحب الرائے اشخاص کی دلی ہمدردی خواہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہوں ان کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ اور محض اس وجہ سے کہ وہ مسلمان ہیں ایسے نازک وقت میں ان کی امداد کرنے سے کسی کو پہلو تہی نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر کسی [illegible] سے ہندوؤں اور سکھوں کا [illegible] اسباب پر [illegible] جائے کہ مسلمانوں [illegible] کئے جائیں جو پہلے ہی سے [illegible] ہیں۔ اس ایجی ٹیشن کو فرقہ وارانہ [illegible] نیشنلزم کے [illegible]

بلقہ کی حمایت پر تیار نہ ہوگی۔ لہذا یہ مجلس تمام غیر مسلم جماعتوں کو اتحاد و عمل کی دعوت دیتی ہے۔ اور ان کی امداد خوشی سے قبول کرے گی۔ جو کشمیر کے مظلوم باشندوں کی امداد کے لئے ہاتھ بڑھائیں۔

مخالفین کی فتنہ انگیز ایجی ٹیشن

(۳) مجلس احرار کا ہرگز یہ ارادہ نہیں کہ ہز ہائی نس مہاراجہ کشمیر کو گدی سے اتار دیا جائے۔ اور نہ ان علاقوں میں نام و نہاد مسلم راج قائم کرنا چاہتے ہیں جو حکومت کشمیر کے ماتحت ہیں۔ اس مجلس کے خیال میں تمام ایجی ٹیشن جو مجلس احرار یا کسی دوسری مسلم جماعت پر اس قسم کے الزام لگانے کی خاطر کی جاتی ہے۔ محض شرارت پر مبنی ہے۔ اور دانستہ کی جا رہی ہے۔

ہم برطانوی مداخلت نہیں چاہتے

(۴) مجلس احرار ریاستی معاملات میں برطانوی مداخلت کو دعوت دینے کے لئے تیار نہیں اور چاہتی ہے کہ اس سلسلہ میں جو غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں۔ ان سب کو دور کر دے برخلاف اس کے یہ مجلس خیال کرتی ہے کہ اہل کشمیر کو موجودہ مصیبت میں مبتلا کرنے میں حکومت برطانیہ بھی ذمہ دار ہے۔

(۵) احرار حکومت کشمیر کو انسانوں کا نظام بنانے اور موجودہ صورت حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے پرامن اور جائز ذرائع اختیار کرے گی۔

دستخط — حبیب الرحمٰن۔ افضل حق۔ مظہر علی اظہر۔ داؤد غزنوی۔

دفتر مجلس احرار اسلام ہند لاہور

[illegible] اگست ۱۹۳۱ء

ملتان نیو سنٹرل جیل

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی دسمبر ۱۹۳۱ء میں نیو سنٹرل جیل میں بھجا دیئے گئے۔ رئیس الاحرار کے ساتھ مولانا منظہر علی صاحب اظہر۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری۔ مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی۔ مولانا احمد علی صاحب لاہوری۔ مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب نکودری۔ شیخ حسام الدین صاحب امرتسری جمعیۃ العلمائے ہند کے صدر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب۔ مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند۔ مولانا نورالدین صاحب بہاری صدر صوبہ کانگریس کمیٹی دہلی۔ مولانا حافظ عبدالحلیم صاحب لکھنوی بھی اس جیل میں جلوہ افروز تھے۔ نیو سنٹرل جیل ملتان علم وعرفان کا مرکز بن گیا کانگریس کی جبری سول نافرمانی کی وجہ سے پنجاب کانگریس کے ہندو سکھ لیڈر اور والنٹیر بھی کافی تعداد میں جیل میں پہونچ چکے تھے۔ یہاں مولانا احمد سعید صاحب کھانے کے انچارج تھے۔ امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اپنی طبعی ظرافت سے علمی مجالس کو پر بہار بنا دیتے۔ جیل کے در و دیوار سے یہ صدائیں آنے لگتیں۔

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے ؎ بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں

ملتان جیل کی مجلس مشاعرہ میں شعر و شاعری ہوتی۔ مولانا احمد سعید صاحب کے اشعار مجلس میں رنگ پیدا کر دیتے۔ جیل کے شاعروں کے متعلق چودھری افضل حق مرحوم میرے افسانے میں لکھتے ہیں۔

مولانا احمد سعید صاحب نے کمال کر دیا۔ الفاظ کا پیرہن شاہد خیال کو پہنایا عشق کے جامہ کو چاک کر کے اسے گلی کوچوں میں پھرایا مولانا حافظ عبدالحلیم صاحب کی رنگین نوائی لکھنوی قسم کی شاعری دوش بدوش جا رہی تھی۔ مولانا منظہر علی اظہر مرثیہ کے رنگ میں غزلیں پڑھتے تھے۔ لیکن کہتے خوب تھے۔ ایک انقلابی نوجوان اپنے ساتھیوں کی تعریف

میں جو وطن عزیز کی آزادی کی خاطر جان قربان کر چکے تھے۔ ایسی نظمیں لکھتے تھے۔ کہ ہر مصرعہ نوک سناں ہو جاتا تھا میکش صاحب کثرت خیال میں الجھی ہوئی غزلیں کہتے۔ اور دوست بھی نواسوز طرح مصرع پر طبع آزمائی کرتے۔ شگفتہ طبیعت لوگوں سے داد لیتے۔ داد دینے والوں میں مولانا سید داؤد غزنوی مولانا حبیب الرحمٰن اور سید عطاء اللہ صاحب بخاری پیش پیش رہتے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب ایک ہی کوٹھری میں تھے۔ دوسری جگہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اور مولانا احمد سعید صاحب تھے جیل کی کوٹھریوں میں دو، دو تین تین آدمیوں کی رہائش کی جگہ تھی۔ جہاں علوم وفنون سیاست وحکمرانی۔ جہاں بینی و جہاں بانی جمہوریت سے لے کر جنگ و جدال تک کے تمام موضوعات پر سیر حاصل تبصرے ہوتے۔ دسترخوان پر مولانا احمد سعید صاحب کے لطیفے اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے قہقہے لذت طعام کو لذت شباب میں تبدیل کر دیتے۔ مولانا احمد سعید صاحب کی فراخدلی اور سیر چشمی کے متعلق رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اپنی خود نوشتہ یادداشت میں لکھتے ہیں۔

ملتان جیل کا دسترخوان

دسترخوان پر کوئی سو آدمیوں کا کھانا چنا جاتا۔ مولانا احمد سعید صاحب کچھ اس طرح کھانا تقسیم کرتے کہ دیگچیوں میں اکثر اوقات سالن کا مصالحہ تک نہ لگا رہتا۔ کھانا پکانے والے باورچی اشفتی مولانا احمد سعید صاحب پر بگڑ جاتے کہ آپ کا تو روز ہی کا کام ہے کہ اپنے ساتھیوں کا بچا ہوا کھانا کھائیں۔ لیکن ہم لوگوں کا کھانا کیوں اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ مولانا احمد سعید صاحب اس طرح اپنے مشفقوں کو راضی کرتے جس طرح کوئی شکم سیر کو راضی کرتا ہے۔ اور کمال یہ تھا کہ جیل کے زمانے میں آخری دن تک بھی سو آدمی

میرے، اس بات کا کسی کو بھی علم نہ ہو سکا۔ کہ مولانا احمد سعید صاحب دہلوی تو کیا اپنے
مشفقوں تک کا کھانا اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ اور خود ساتھیوں کا بچا ہوا کھانا
کھا کر اس طرح خوش رہتے جیسے من و سلویٰ کی نعمت روزانہ انہیں کے حصّہ میں آتی
ہے۔ جیل کی چھوٹی سی دنیا میں جہاں چھوٹی چھوٹی ضرورتیں بھی بڑی اہم ہوتی ہیں۔ وہاں
مولانا احمد سعید صاحب کے مزاج اور طبیعت کا اندازہ ہوا۔ کہ وہ اپنی ہر ضرورت
پر دوسروں کی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کرتے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی جیل میں مفتی کفایت اللہ
صاحب اور اپنے دوسرے ساتھیوں کی شب و روز خدمت کرتے اور ہر قیدی کی ضرورتوں
کے رازدار تھے کس ساتھی کو کس وقت کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے انہیں اس کا علم
رہتا۔ رئیس الاحرار کے فہم و تدبر نے جیل کے افسروں کو اپنے ساتھیوں کا خادم بنا دیا۔
میجر فضل الدین صاحب جیل کے سپرنٹنڈنٹ تھے وہ بہت سی زبانیں توجانتے ہی تھے لیکن انگریزی
فرانسیسی اور جرمنی کے علاوہ فارسی اور عربی اس طرح بولتے تھے۔ جیسے ان کی مادری
زبان ہے۔ حکومت انگریزی نے انہیں بغاوت عرب میں لارنس کے ساتھ کام سپرد کیا تھا۔
جب دوسری دفعہ انہیں امان اللہ خان . . . . کے خلاف کام کرنے کے لئے کہا گیا۔ تو
انہوں نے انکار کر دیا۔ کہ مسلمان ممالک کی تباہی میں اب میں امداد نہیں دے سکتا۔ اس
کی انہیں یہ سزا دی گئی کہ بجائے بڑے عہدے کے انہیں ملتان جیل کا سپرنٹنڈنٹ بنا
دیا گیا۔ اپنی دانست میں تو حکومت انگریز نے سزا دی تھی۔ لیکن وہ آ گئے ایسی جگہ پر جہاں
انہیں ایسے صاحب علم۔ صاحب فکر و نظر جلیل القدر سیاسی راہنماؤں سے واسطہ پڑا۔
جن کی ہمعصری سے میجر صاحب کے دل و دماغ کو سکون حاصل ہوا۔ میجر صاحب حضرت مفتی صاحب کے علاوہ
دوسرے اہل علم لوگوں سے فارسی عربی میں گھنٹوں باتیں کرتے تھے۔ انہوں نے انگریز کی
سیاسی سازشوں اور چالبازیوں کی تمام حکائتیں حضرت مفتی صاحب کو سنائیں [illegible]

کر دیں۔ میجر صاحب تونسہ کے رہنے والے تھے رئیس الاحرار .... سے
ان کی بڑی راز داری تھی رئیس الاحرار اپنی خود نوشت یادداشتوں میں لکھتے ہیں۔

میجر فضل الدین نہایت شریف الطبع اور صاحب علم تھے۔ حکومت انگریزی
کے ساتھ انہوں نے ایک حد تک کام کیا۔ لیکن جب ان کی غیرت اسلامی اور خودداری
نے انگریزی سیاست کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تو انہیں سزا کے طور پر جیل کا
سپرنٹنڈنٹ بنا دیا گیا۔ انگریزی حکومت کو ان سے ہروقت یہ خوف رہتا تھا کہ وہ انگریزی
حکومت کے رازہائے درون پردہ کو فاش نہ کر دیں۔ اس لئے میرا یقین ہے کہ انہیں
معمولی سے بخار میں انگریزی حکومت نے کچھ ایسا انجکشن دلوایا کہ ان کی فوری موت واقع ہو گئی۔
اس طرح انگریزی حکومت نے اپنے ایک رازدار کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ مجھے ان کی موت
سے سخت صدمہ پہونچا اگر وہ زندہ رہتے تو انگریزی سیاست کے ایسے رازوں سے پردہ اٹھا
دیتے جو آج تک نہ کسی کے علم میں آیا اور نہ کسی کے علم میں آئیں گے۔ انگریزی حکومت کے انتقام
کی یہ ایسی مثال ہے جس کی حقیقت آج تک لوگوں کی زبان پر نہ آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریزی
حکومت کو یہ شبہ ہو گیا تھا کہ میجر صاحب کی ملتان جیل میں علماء سے ملاقاتیں اور ان سے
عربی میں بات چیت حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب سے عربی میں خط و کتابت حکومت
انگریز کے مفاد کے خلاف تھیں۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ۲۰ فروری ۱۹۲۳ء مطابق ۲۴ شوال ۱۳۴۱ھ
کو اپنی مدت قید ختم کر کے ملتان سنٹرل جیل سے رہا ہوئے۔ رہائی سے دو دن قبل جیل کے تمام ساتھیوں
کے ایک مجمع میں حسب ذیل نظم حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے سنائی اور خود اپنے ہاتھ سے
کتابت کر کے رئیس الاحرار کو پیش کی۔ یہ نظم رئیس الاحرار کی تمام زندگی اخلاق و عادات
فکر و عمل پر ہے ... بچوں بوڑھوں کی عزت و تکریم، انکساری و
عاجزی غرض کہ اس نظم میں تمام اوصاف زندگی کا بیان ہے

خدمتِ خلق بود خلقِ حبیب الرحمن

(از حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ)

رہائی

اے صدیقِ محترم لدھیانوی — لو تمہاری بھی رہائی آگئی
اے شفیقِ قوم رحماں کے حبیب — آگئی تیری جدائی آگئی
دوستوں کو چھوڑ کر تو بھی چلا — آہ کیسی شاق ہے فرقت تری

قیامِ اسیری

تو رہا جب تک تو اپنی قید کو — قید سمجھا ہی نہیں کوئی کبھی
جیل کیا تھا محفلِ احباب تھی — اور تو تھا اس کی رونق روشنی
تو گیا تو اس میں کوئی شک نہیں — رونقِ بزمِ اسیراں بھی گئی
جیل کے جھگڑے سے با لطف و خوشی — کاربرآری تری مخصوص تھی
جب کبھی الجھا کسی کا کوئی کام — تو نے سلجھایا بہ لطف و آشتی

اخلاق

گرچہ باہر صدر تھا احرار کا — پر نہ برتی جیل میں کچھ برتری
زیب دیتی ہے قیادت بھی اسے — جو رہے زنداں میں بن کر [illegible]
ہے سیاست خدمتِ قومی کا نام — قوم کے خادم کا حق ہے [illegible]

ساتھیوں کی خدمت

قیدیوں کی ہر طرح کی خدمتیں — تو نے کیں اے مستحقِ افسری
کچھ نہ سمجھا فرق خویش و غیر میں — سب کی یکساں الغرض خدمت تو نے کی
صبر و شکر ہو کے تو ان میں رہا — رنج و راحت میں تری شرکت رہی

سب ترے مداح ہیں ممنون ہیں — تیری فرقت سے ہیں پژمردہ بھی
اختلاف رائے پر بھی دوست ہیں — کیونکہ پکی تھی تری بھی دوستی
کوئی سمجھے یا نہ سمجھے برتری — سچ یہی خدمات ہیں سب سے بڑی
سب کو یاد آئیں گی تیری خدمتیں — تیرا ایثار اور جودِ حاتمی!

ذاتی اوصاف

شکر ہے اللہ کا اے خوش خصال — حق نے کی تجھ کو عطا نیک اختری
حسن صورت حسن سیرت خوش دلی — خوش کلامی خوش مزاجی دل لگی
تو فقیری میں ہے دل کا بادشاہ — تجھ پہ قرباں شوکت شاہنشہی
حق نے دی ہے تجھ کو جرأت بے نظیر — ہمتِ مردانہ اور عزمِ قوی
غیرتِ قومی و استقلال و صبر! — حفظ ناموس اور ملت پروری
نہضت ملیہ میں تھی پانچوں! — یہ اسیری تیری کا اے حر جری
قیدیوں میں چونکہ اقدم تو ہی ہے — اس لئے حاصل ہے تجھ کو برتری

قید و بند

ہر جیت تھی کچھ وقت کے لئے — تو نے کامل خوشدلی سے جھیل لی
بند کر دینے سے تجھ کو جیل میں — تیری ہمت میں نہیں آئی کمی

شیر پنجرے میں ہو جب بھی شیر ہے — لومڑی آزاد بھی ہے لومڑی
ایک طرف فرقت کا ہے تیری ملال — دوسری جانب خوشی بھی ہے بڑی
قید مظلومی کی تھی صبر آزما — ختم اطمینان و راحت سے ہوئی
ہے یہ استقلال و ہمت کا ثبوت — آن جیسی تھی تری ویسی رہی

دُعا

ہے دعا میری یہ صدق سوز سے — اجر کامل دے تجھے ربِ غنی!
ملک و ملت کے لئے قربانیاں — ہوں تری مقبول با صد خرمی
ہو امور ملک و ملت منتظم — دشمنانِ ملک و قعرِ مدبری
حافظ و ناصر ترا اللہ ہو!! — اور ترے ہر کام میں ہو بہتری
مال و زر اقبال ہوں تیرے غلام — کامیابی گھر کی ہو لونڈی تری
تیرا آوازہ رہے جب تک رہے — گھومتا یہ گنبدِ نیلوفری!

اولاد کیلئے دُعا

ہو تری اولاد صالح اور سعید — اور حاصل ہو اسے علم علیؓ
دے اسے اللہ اپنے فضل سے — شوکتِ صدیقؓ و فاروقیؓ غنیؓ
اور ہو دنیا میں ان کا نصب عین — اتباعِ سنتِ پیغمبری

مبارک باد

جیل سے جانا مبارک ہو تجھے — تہنیت لے مخلصانہ اور دلی
یاں سے جاکر بھول مت جانا ہمیں — ہے یہی بس التماس آخری

ختم شد

ہندوستان کی دستوری حکومت

پر

نہرو جناح خط و کتابت
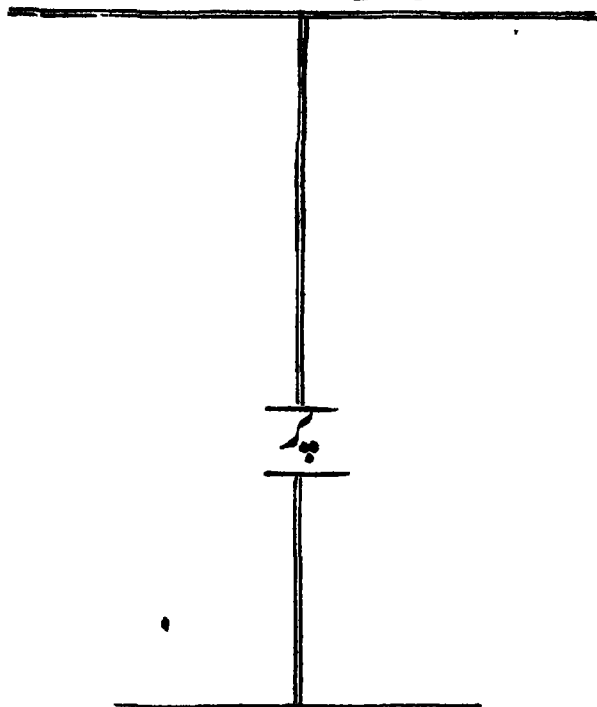
کمیونل ایوارڈ کے بعد ہندوستان کی جماعتی سیاست

۲۰ فروری ۱۹۳۳ء کو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رہا ہوئے اور چند ہی مہینوں کے بعد احرار، جمعیۃ علماء اور کانگریس کے تمام لیڈر بھی رہا ہو گئے۔ گاندھی جی کے فاقے نے پونہ پیکٹ کی صورت میں انگریزی وزیر اعظم کے فیصلے میں ترمیم کے ساتھ آئینی مراعات اور حقوق کو تسلیم کرا لیا گیا۔ ہندوستان کی اس آئینی اور دستوری زندگی کے آنے والے دور میں جماعتی اور قومی مفاد کی کشمکش اپنے پورے عروج پر آ گئی۔ ڈاکٹر محمد اقبال اور پنڈت جواہر لال میں بیان بازی ہونے لگی۔ اس سلسلہ میں رئیس الاحرار نے حسب ذیل بیان بحیثیت صدر مجلس احرار ہند اخبارات میں دیا۔

بیان رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

پنڈت جواہر لال نہرو مسٹر سی آر۔ داس آنجہانی کے بعد ہندو رہنماؤں میں دوسرے آدمی ہیں۔ جنھوں نے ہندو فرقہ پرست جماعتوں کے خلاف پوری جرأت کے ساتھ آواز بلند کی ہے۔ تمام ہندو فرقہ پرست پریس اور جماعتوں نے پنڈت جی کے اس بیان کی مذمت کی اور ان سے یہ مطالبہ کیا ہے۔ کہ انہوں نے مسلمان فرقہ پرستوں کے خلاف کیوں خاموشی اختیار کی۔ پنڈت جی نے کچھ دنوں کی خاموشی کے بعد ایک مفصل بیان اخبارات کو دیا ہے جس میں مسلمان فرقہ پرستوں کی مذمت کی ہے۔

پنڈت جی کے اس بیان کے جواب میں ڈاکٹر سر محمد اقبال نے ایک بیان شائع کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کانگریس ہمارے مطالبات تسلیم کرے تو ہم کانگریس کی فوج میں بھرتی ہو جائیں گے۔ مجھے کمزور قسم کے مسلمانوں کے یہ بیان پڑھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کیونکہ کمزور جماعت کے مطالبات نہ کبھی منظور ہوئے ہیں نہ کبھی ہوں گے۔ اگر کبھی مصلحت وقت کے لحاظ سے

منظور بھی کر لئے جائیں۔ تو وہ منظوری ناقابل اعتماد ہوگی۔ کیونکہ جب وہ مصلحت نکل جائیگی
تو طاقتور جماعت کاغذی معاہدوں کو کاغذ کی ٹوکری میں پھینک دے گی۔ حکومت مسلمانوں کو
کمزور سمجھ کر ہمیشہ کچلتی رہی ہے۔ اور کچلتی رہے گی۔ ہندوؤں کے پاس پہلے ہی کیا ہے کہ ان سے کسی حق
کی منظوری کا مطالبہ کیا جائے کیا وطن کی آزادی کا حصول ہندو مفاد کے لئے ہے کیا ہم کانگریس
کی فوج میں اس لئے بھرتی ہونے کو تیار ہیں کہ وہ ہمارے مطالبات منظور کرے گی مگر ہم سرکار
پرست مسلمانوں نے ہمیشہ کانگریس اور انگریز دونوں سے مطالبات کی منظوری کی کوشش کی اور وہ ہمیشہ
میں ناکام رہے۔ میرے نزدیک تمام بیماریوں کا علاج صرف ایک ہے۔ کہ مسلمان انگریز اور
ہندوؤں کی طرف سے آنکھ بند کر کے وطن کی آزادی کے لئے میدان عمل میں آجائیں۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ وطن کی آزادی کا فائدہ اکثریت کو پہنچے گا۔ یہ ایک بزدلانہ تصور
ہے۔ وطن اس کا ہے جو اسے آزاد کرائے وطن نہ ہندو کا ہے نہ مسلمان کا۔ پنجاب کے مسئلہ کا حل
کانفرنسوں کے ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ پنجابی ہندو خواہ وہ کانگریسی ہو یا مہاسبھائی۔ وہ کاشتکاروں
کے لئے ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نہیں کہہ سکتا۔ پنجاب میں کانگریس کی ناکامی کا اصل راز یہی ہے
کانگریسی ہندو لیڈر شہری ہیں دیہاتوں میں اکثریت کاشتکاروں اور کسان مسلمان کی ہے۔ وہ یہ جانتے
ہیں کہ دیہاتی مسلمان کسان کی سیاسی بیداری پنجاب کے ہندو سود خور ساہوکار کے مفاد کے خلاف ہے
پنجاب گورنمنٹ چھ کروڑ روپیہ دیہاتیوں سے آبیانہ اور لگان وصول کرتی ہے لیکن پنجاب
کا ہندو ساہوکار ڈیڑھ ارب روپیہ کے قرضے پر دیہاتی کسان سے سولہ کروڑ روپے سالانہ سود
وصول کرتا ہے۔ اس قرضہ اور سود سے نجات حاصل کرنے کے لئے پنڈت جواہر لال نہرو کا سوشلزم
ہی کام دے سکتا ہے۔ مگر پنجاب میں جس دن سوشلزم کا نام لیا جائے گا۔ اسی دن پنجاب کے
ہندو سیاستدان سوشلزم کو بھی ہندو مسلم سوال بنا دیں گے۔ احرار نے کشمیر تحریک میں ذمہ دار
اسمبلی کا مطالبہ کیا لیکن پنجاب کے ہندو سیاستدانوں نے اس کی مخالفت کی آج پنڈت جواہر لال
نہرو ریاستوں کے حبس کو ہندوستان کی غلامی کا باعث قرار دے رہے ہیں [illegible]

ذمہ دار اسمبلی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔"

آخر میں میں پنڈت جی سے گذارش کروں گا۔ کہ آپ نے ڈاکٹر اقبال کے جواب میں سمجھوتہ کا جو طریقہ بیان کیا ہے۔ وہ ناقابل عمل ہے۔ پنڈت جی کو چاہیئے کہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی دو جماعتوں میں سے ایک کا انتخاب کریں۔ آزاد خیال مسلمان اور دوسرے سرکار پرست مسلمانوں میں سے کسی سے سمجھوتہ کی بات کریں۔ گاندھی جی اور کانگریس کا ہمیشہ یہ عمل رہا ہے کہ وہ قربانی اور کام تو آزاد خیال مسلمانوں سے لیتے ہیں۔ اور سمجھوتہ ماڈریٹ مسلمانوں اور انگریز پرست مسلمانوں سے کرتے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو انگریز مسلمانوں کا نمائندہ کہتا ہے۔ کانگریس بھی انہیں مسلمانوں کو نمائندہ کہکر سمجھوتہ کی بات چیت سے ان کی پوزیشن مضبوط کر دیتی ہے کیا آزاد خیال مسلمان۔ کانگریس میں شامل نہیں ہیں۔ گاندھی جی کو آجکل اچھوتوں کے بچانے کی فکر ہے اس لئے وہ آزادی کی تحریک سے الگ ہو گئے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو پنجاب میں آئیں اور اپنا سوشلزم پھیلائیں۔ تاکہ انہیں خود معلوم ہو جائے کہ پنجاب میں ہندو فرقہ پرست ہے یا مسلمان۔

حبیب نہرو خط وکتابت

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے پنڈت جواہر لال نہرو کے ایک بیان پر جو انہوں نے بنگال میں دیا تھا۔ کہ ہم بنگال میں فرقہ دارانہ فیصلہ منظور نہیں کرتے اور بنگال کے ہندوؤں کے ساتھ جو نا انصافی ہوئی ہے۔ اُسے ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس بیان پر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے ایک بیان لکھنؤ سے دیا کہ پنڈت جی ہندو مہا سبھا کی طرف جھکتے جا رہے ہیں۔ اس پر پنڈت جواہر لال نہرو نے بحیثیت صدر کانگریس کے رئیس الاحرار کے نام ایک خط لکھا۔ اصل خط انگریزی میں ہے۔ اس کا ترجمہ اردو میں پنڈت جی نے آل انڈیا کانگریس کے دفتر الہ آباد سوراج بھون سے ۱۴ دسمبر ۱۹۳۶ء کو لکھا ہے۔

خط حسب ذیل ہے۔
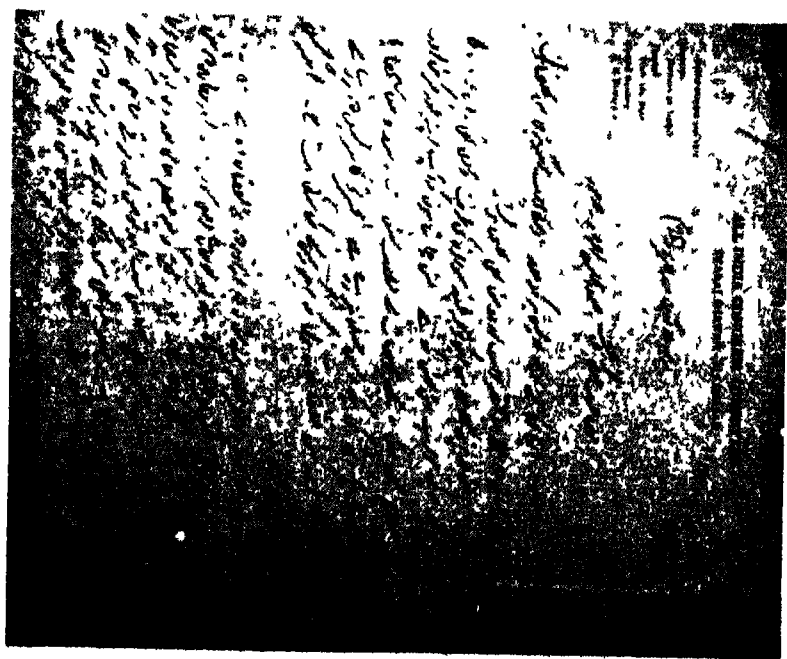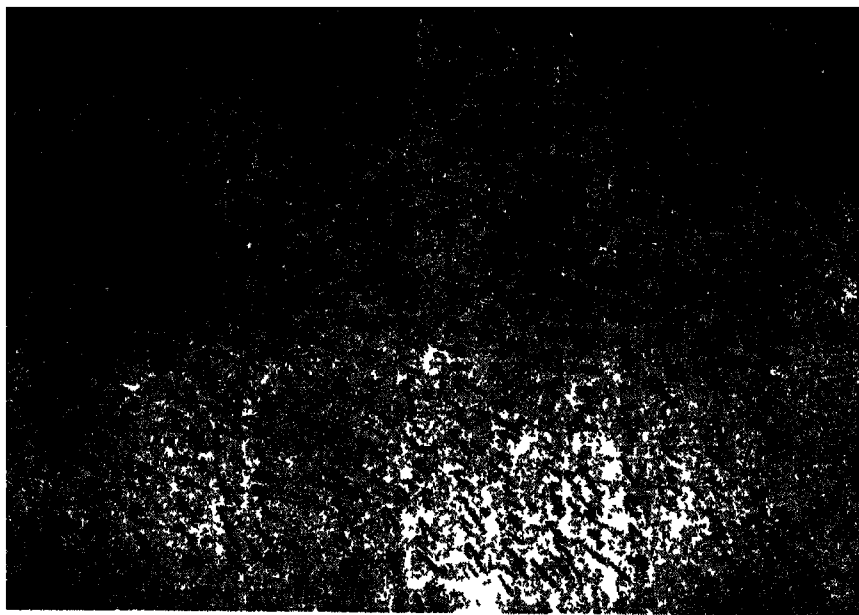
مولانا حبیب الرحمٰن صاحب صدر مجلس احرار اسلام لاہور

مکرمی۔ آپکا خط مجھے بمبئی سے واپسی پر کل ملا۔ اس کا جواب انگریزی میں بھیجتا ہوں۔ لیکن آپکی آسانی کے لئے یہ مختصر جواب اُردو میں روانہ کرتا ہوں۔ میں نے اپنے پہلے خط میں آپکی توجہ چند سوالوں کی طرف لائی تھی۔ اِن سوالوں کا ذکر آپ نے اپنے جواب میں نہیں کیا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس پر غور کریں اور اپنی صلاح مجھے دیں۔ مجھے اس بات سے مطلب نہیں کہ ہندو مہاسبھا یا نیشنلسٹ پارٹی کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے۔ مجھے تو کانگریس کی رائے سے مطلب ہے۔ اور میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کو اس سے کیا شکایت ہے۔ کانگریس کی رائے یہ ہے۔

فرقہ وارانہ فیصلہ ہندوستان کی آزادی کے لئے نقصان دہ ہے۔ وہ ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے۔ اور ہمارے اصل سوال غریبی اور بیکاری کے ہیں۔ اِن کو پیچھے کر دیتا ہے۔ یاد رکھئے کہ یہ فیصلہ ہندو مسلمانوں کی نسبت نہیں ہے۔ اس میں بہت سی قومیں اور فرقے شامل کئے گئے ہیں یہاں تک کہ انگریز بھی شامل ہیں۔ اس کے ذریعہ سے ہندوستان کے آٹھ نو ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ بنگال میں جو یورپین ہیں ان کی خاص اہمیت ہو گئی ہے۔ ان کی رضامندی کے بغیر کسی گروہ کے لئے کام کرنا مشکل ہوگا۔ اس لئے یہ فرقہ وارانہ فیصلہ ہندو مسلمانوں کا ہی نہیں ہے بلکہ اس میں اور بھی بہت سی پیچیدگیاں ہیں جو ہمیں آگے بڑھنے سے روکتی ہیں۔

ایک اور بات غور طلب ہے کہ اس فیصلہ کا اثر کچھ اوپری لوگوں پر ہوتا ہے چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان یا کوئی اور۔ عام لوگوں پر یا ان کے سوالوں پر کوئی اثر نہیں۔ غریبی یا ہندوستان کی بڑھتی ہوئی بیکاری سے کوئی مطلب نہیں جو شخص ملک کی آزادی چاہتا ہے یا جو شخص عام لوگوں کی غریبی دور کرنا چاہتا ہے۔ اسکو ان اوپری باتوں سے دلچسپی نہیں ہو سکتی اور جو روک اور جو اڑچنیں اس کے رستہ میں آئیں ان کو ہٹانا چاہتا ہے۔ فرقہ وارانہ فیصلہ ایک بنیادی طور سے ہماری قومیت اور آزادی کے خلاف ہے۔ اس لئے اسکو اٹھانا ہی ہے۔ کیونکہ آزادی اور یہ فیصلہ ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔

میں کانگریس کی رائے ہے جہاں تک اصول کا سوال ہے کہ کانگریس کا یہ بھی یقین پختہ ہے کہ
اس مسئلہ پر کوئی مناسب فیصلہ نہیں ہو سکتا ہے۔ جب تک کہ مختلف فرقے ملک کے رضامندی سے کسی
فیصلے پر نہیں پہونچے۔ اس لئے کانگریس کوئی قدم بغیر اس رضامندی کے نہیں اٹھا سکتی علاوہ اپنی
رائے کے وہ یہ کوشش کرنا چاہتی ہے۔ کہ ہم سب ملکر فیصلہ پر پہونچیں۔ آپ ان دونوں باتوں
میں فرق دیکھئے گا۔ کانگریس کی رائے بالکل صاف ہے وہ فرقہ دارانہ فیصلے کے بالکل خلاف ہے
لیکن عملی طور پر وہ کچھ کرنا نہیں چاہتی۔ جب تک کہ آپس کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ اس کی رائے کہیں لی
جائے تو وہ رائے تو ضرور دے گی۔ اگر نئی کونسلوں میں یہ بات پیش ہو۔ کہ کانگریس والے نہیں پیش
کریں گے، تب کانگریس اپنی رائے ضرور دے گی۔ کہ فرقہ وارانہ فیصلہ غلط اور نقصان دہ ہے
لیکن اس کے ساتھ اس بات کو صاف کرنا چاہے گی۔ کہ اسمیں ترمیم آپسی سمجھوتہ کے ساتھ ہونی چاہئے۔
اس کے لئے ایسے مسئلہ پر کوئی رائے نہ رکھنا یا خاموش رہنا ایک فضول اور نکمی بات ہو جاتی ہے۔
مہربانی کرکے آپ مجھے بتائیں کہ کانگریس کی رائے سے آپکو کیوں نااتفاقی ہے۔ آپ اور احرار
لوگ ہندوستان کی مکمل آزادی چاہتے ہیں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ فرقہ وارانہ فیصلہ کے ہوتے ہوئے
ایسی آزادی ہم حاصل کرسکتے ہیں اگر آپ اسکو ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں تو وہ ایک غلط چیز ہے اسکو
ہٹانا چاہئیے سوال یہ نہیں ہے کہ ہندؤوں کو کیا ملے اور مسلمانوں کو کیا ملے جو بھی کچھ کسی کو ملے یہ فیصلہ
غلامی کا فیصلہ ہے۔ اور کوئی قوم جو آزادی چاہتی ہے اسکو منظور نہیں کرسکتی یہ ممکن ہے کہ مسلمانوں
کو جو کچھ اب ملا ہے، وہ کسی اور ذریعہ سے بھی محفوظ رہ سکے لیکن اس فیصلہ کی بنیاد بہ صورت سے بدنی
پہونچی اور عام مسلمانوں کو ملا ہی کیا!
میں چاہتا ہوں کہ آپ ان مسئلوں پر غور کرکے مجھے اپنی رائے بھیجیں میرا خیال ہے کہ اس
فیصلے سے مسلمانوں کو زیادہ نقصان ہے۔ بہ نسبت اوروں کے اگر کسی کو فائدہ ہے تو وہ ایک
منتھی بھر اوپر کے آدمیوں کو اور عام لوگوں کو نہیں۔

فقط نیاز مند۔ جواہر لال نہرو
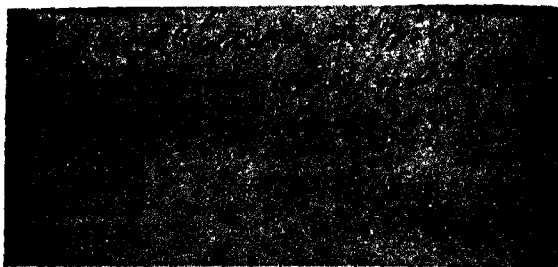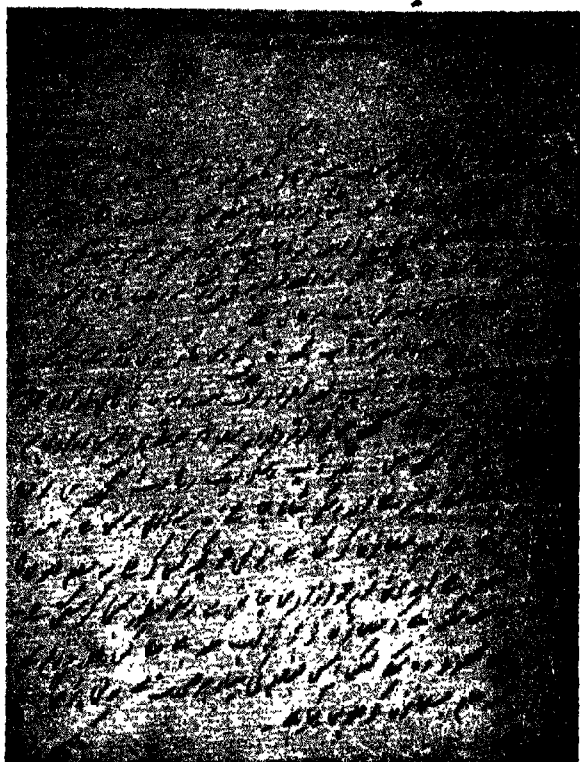
مذکورہ خط پنڈت جواہر لال نہرو کا مطبوعہ خط ہے۔ جس پر انہوں نے اپنے قلم سے اردو
میں جواہر لال نہرو لکھا ہے۔ اس خط کا جواب رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے ۲ر
فروری ۱۹۳۷ء کو دیا۔ خط کا مضمون حسب ذیل ہے۔

پیارے پنڈت جی۔ تسلیم۔ ۲ر فروری ۱۹۳۷ء

آپ کا گرامی نامہ پہنچا۔ یاد آوری کا شکریہ آپ نے اپنے خط میں مجھ سے دریافت کیا ہے
کہ میں آپ کو بتادوں کہ مجھے آپ کے کس طرز عمل سے شکایت ہے۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں
البتہ جب آپ جیسے حضرات جو ہندوستان کی آزادی کے علمبردار ہیں بے ضرورت غلطیاں کرتے
ہیں۔ تو مجھے دکھ ضرور ہوتا ہے۔ ہندوستان میں یہ غوغا مچایا جارہا ہے کہ مسلمان کانگریس میں
شریک نہیں ہیں۔ اگرچہ یہ بات سرے سے ہی غلط ہے مگر نیشنلسٹ ہندو اور انگریز اپنے اپنے
مفاد کے لئے پروپگنڈہ کرتے ہیں۔ اس پروپگنڈہ سے دونوں کا مقصد جدا جدا ہے انگریز کا
مقصد تو یہ ہے کہ وہ دنیا پر ظاہر کرے کہ کانگریس صرف ہندوؤں کی جماعت ہے۔ اس میں مسلمان
شریک نہیں اور ہندو اس لئے پروپگنڈہ کرتے ہیں۔ کہ مسلمانوں سے کانگریس کے جھنڈے
تلے وطن کی آزادی کے لئے قربانی اور آزادی کا کام تو لیں لیکن ملکی حقوق کی تقسیم کا وقت آئے
تو ہم مسلمانوں سے یہ کہکر انہیں محروم کردیں کہ تم نے وطن کی آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

آج بھی مسلمان اس تعداد سے شریک ہیں جو ہندو کے تناسب آبادی [illegible] طرح کم نہیں
ہیں۔ میرا یہ بھی یقین ہے کہ ننانوے فیصدی ہندو نیشنلسٹ زبان سے یہ کہتے ہیں کہ مسلمان کانگریس
میں آئیں اور دل سے یہ چاہتے ہیں کہ نہ آئیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ مولانا شفیع داؤدی سید مرتضٰی بہادر
وغیرہ وغیرہ ۱۹۲۱ء تک پکے کانگریسی تھے لیکن جب سوراج پارٹی نے اسمبلی میں سرحد کی اصلاحات
کے متعلق ہندو ذہنیت کا ثبوت دیا۔ اور واک آوٹ کرگئی۔ تو یہ لوگ کانگریس سے الگ ہو گئے
میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ ہندوؤں کی ۔ تمام غلط کاریوں کے باوجود مسلمانوں
کو زیادہ سے زیادہ کانگریس میں شریک رہنا چاہئے۔ مجھے وطن کی آزادی ہر چیز سے عزیز ہے۔

فرقہ وارانہ فیصلہ اور کانگریسی لیڈرز!

فرقہ وارانہ تصفیہ کے متعلق جو پروپیگنڈا ہندوستان میں ہو رہا ہے۔ اسے پڑھکر مجھے بے حد حیرت ہوتی ہے۔ کہ ہم کیسی احمق دنیا میں آباد ہیں۔ جو چیز ہمارے اپنے تصفیہ کی ہے اور جس کا تصفیہ محض خود غرض اور وطن دشمن ہندوستانیوں نے خود نہیں ہونے دیا۔ اس کا الزام دوسروں پر کیوں دیتے ہیں (یعنی وزیر اعظم برطانیہ) پر لکھنؤ میں نہرو رپورٹ کی شکل میں فرقہ وارانہ تصفیہ ہوا۔ مگر گاندھی جی نے سکھوں کو خوش کرنے کے لئے اسکو دریائے راوی میں غرق کر دیا۔ جن لوگوں نے نہرو رپورٹ کے لئے اپنی قوم سے بازاروں میں پتھر کھائے ان سے اس کے غرق کرنے کے وقت مشورہ بھی نہ لیا گیا۔ اس کے بعد گاندھی جی مکمل آزادی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں لینے کے لئے گئے ان دنوں میں بمبئی میں موجود تھا۔ میں نے ان سے ملکر کہا کہ آپ لندن نہ جائیے جب تک ہندوستان کی قومیں آپس میں تصفیہ نہ کریں۔ مگر گاندھی جی دنیا میں کسی کی سننے والے نہیں نہ ماننے والے گاندھی جی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں لندن گئے۔ اور ملک کو اس سے جو نقصان پہونچنا تھا پہونچ گیا!

ملک کے بدترین دشمن فرقہ پرست ہندو اور مسلمان کانفرنس میں بلائے گئے تھے۔ جنھوں نے وزیر اعظم کو لکھکر دیدیا کہ ہمارے فرقہ وارانہ معاملات کے متعلق جو فیصلہ آپ کر دیں وہ ہمیں منظور ہوگا جب وہ تصفیہ ان لوگوں کے ارادہ کے خلاف آیا۔ تو انہیں لوگوں نے اسکو فرقہ وارانہ وقار کا مسئلہ بنا کر اس کے خلاف پروپیگنڈا کیا۔ سردار پٹیل نے لدھیانہ کی ایک تقریر میں جو پچھلی اسمبلی کے انتخاب کے سلسلہ میں کی تھی! اس میں انہوں نے کہا تھا۔

> مالوی جی خود وزیر اعظم برطانیہ سے فرقہ وارانہ فیصلہ لیکر آئے ہیں اور خود ہی اس کے خلاف پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ سردار پٹیل نے مالویہ جی کے بارے میں سخت الفاظ کہے تھے مگر میں انہیں نقل کرنا نہیں چاہتا۔

کاش یہ پارٹی اس فرقہ وارانہ فیصلے کے خلاف اگر اس بنیاد پر پروپیگنڈا کرتی کہ فیصلہ ہندوستانی قومیت کے منافی ہے۔ تو یہ بات معقول ہوتی لیکن پنڈت مالوی جی سے لیکر ان کی پارٹی کے تمام اراکین اور ہندو اخبارات نے یہ کہا کہ پنجاب اور بنگال میں اسلامی راج قائم ہو گیا ہے۔

میرا یقین تھا کہ آپ اس خیال سے علیحدہ رہیں گے۔ کیونکہ جو شخص ہندوستان کی مکمل آزادی چاہتا ہے۔ اس کا اس بات سے کیا تعلق ہے کہ انگریز ہندوستانیوں کو کیا دیتا ہے۔ اس کا تو ایک ہی کام ہے کہ وہ بدیشی طاقت کو کہے کہ میرا گھر خالی کر دے۔ اور بس، لالہ لاجپت رائے نے مجھے دھرسالہ جیل میں کہا تھا۔

> اگر کانگریس نے ہندوستان کے لئے کوئی آئین تیار کیا۔ یا وہ کسی آئین کے رد و قبول کی بحث میں پڑ گئی تو تمام اقوام ہند آپس میں لڑنے لگ جائیں گی۔ اور ہندوستان کی آزادی بہت دور ہو جائے گی
> یہ بات کتنی سچی نکلی۔

آپ سے یہ دکھ ہو چلا ہے کہ آپ نے کمیونل ایوارڈ کے سلسلہ میں کانگریس میں تبدیلی پیدا کی۔ اور آپ اس پارٹی کے سامنے جھکے جو وطن کی آزادی کے ساتھ ہندو راج کے خواب دیکھ رہی ہے۔ کیا آپ مجھے سمجھا سکتے ہیں۔ کہ کمیونل ایوارڈ کے مسترد کرنے کے کیا معنی ہیں۔ کیا ہم پھر انگریز سے کہیں گے کہ وہ دوبارہ ہمارے لئے فیصلہ دے۔ اگر اس سے یہ مراد نہیں تو پھر فرقہ وارانہ فیصلے کو مسترد کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ کہ ہندوستان کی تمام فرقہ وارانہ ملتیں خود کوئی باہمی تصفیہ کر لیں:

> اگر یہی بات ہے تو بدیسی حکومت جو فیصلہ کرے گی وہ ہندوستانی مفاد کے خلاف ہو گا اور اگر ہم کوئی خود فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو یہ فیصلہ فوری ہونا چاہئے۔ باہمی فیصلہ سے فرقہ وارانہ فیصلہ خود بخود مسترد ہو جائے گا۔ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پنجاب کے سکھ اور ہندو بنگال کے ہندو سیاستداں کسی ایسے فیصلے کو ماننے کے لئے

تیار نہیں ہیں۔ خواہ وہ خالص قوم پرستی کی بنیادوں پر مبنی کیوں نہ ہو جس سے
ان کو یہ خطرہ ہو جائے۔ کہ اس تصفیہ سے پنجاب اور بنگال میں مسلمانی
کی اکثریت ہو جائے گی"

آپ کے موجودہ طرز عمل سے کانگریس کے وقار کو صدمہ پہونچا ہے۔ مثلاً پنجاب میں اول
تو پہلے ہی کانگریس کا کوئی خاص وقار نہیں۔ کیونکہ پنجاب کی کانگریس آپ نے چار ڈاکٹروں کے ہاتھ
میں دے رکھی ہے۔ پندرہ برس سے میں دیکھ رہا ہوں کہ ان ڈاکٹروں کا لڑنے کے سوا کوئی کام
نہیں ہے۔ دو ڈاکٹر تو علانیہ کانگریس سے الگ ہو گئے ہیں۔ ان میں سے ایک تو مسجد شہید گنج کے محاذ
پر کام کر رہا ہے۔ اور دوسرے ڈاکٹر صاحب امرتسر کی مسجد حوض میں نماز تراویح کے بعد مسلمانوں
سے کہہ رہے ہیں کہ پنجاب اسمبلی میں اس لئے جا رہا ہوں کہ پنجاب اسمبلی میں مسلمانوں کو ۵۶ فیصدی
سیٹیں ملیں۔ باقی دو ڈاکٹر ہیں ان کو لڑنے سے فرصت نہیں آپ کے اس سمجھوتے نے ایک مخلص
کانگریسی ڈاکٹر کو فنا کر دیا اور مالوی جی کی پارٹی برسر اقتدار آگئی مجھے اندیشہ ہے کہ مالوی جی
کی ہی پارٹی پنجاب الیکشن میں کامیاب ہوگی"

میرا یہ مطلب نہیں کہ پنجاب میں کانگریس کا اثر نہیں میرے دوستوں
نے کانگریس کے اثر کو پنجاب میں زیادہ پھیلا دیا ہے۔ مگر برسر
اقتدار پارٹی کی جنگ نے کانگریس کو پنجاب میں فنا کر رکھا ہے۔

مکمل آزادی کے ریزولیشن کے بعد کانگریس کا کام یہ ہے کہ وہ انگریزی حکومت کے
ہر علیئے سے بے نیاز رہے۔ اور انگریزی حکومت کے ہر فیصلہ کو فرقہ پرستوں کے حوالے
کر دے۔ اور ہر کانگریسی کا ایک ہی فرض ہے کہ وہ ہندوستان کے عوام میں آزادی کی سچی تڑپ پیدا کرے
میرے نزدیک نہ اب ہندوستان میں اسلامی حکومت ہے نہ آئندہ ہوگی۔ اس لئے فرقہ وارانہ
فیصلے کو ماننے اور تبدیل کرنے سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن نہ معلوم آپ جیسے آدمی کو کیوں
اس سے دلچسپی ہے۔

حبیب الرحمن لدھیانوی
۲ر جنوری ۱۹۳۷ء

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کو پنڈت جی کی طرف سے اس خط کا جواب ایک مہینہ تک نہ ملا۔ اور سلسلہ خط و کتابت اس کے بعد بند ہو گیا۔ رئیس الاحرار نے ۲ر فروری ۱۹۳۷ء کو پنڈت جی کو پھر ایک خط لکھا جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

شفاعت منزل لدھیانہ

۲ر فروری ۱۹۳۷ء پیارے پنڈت جی

تسلیم۔ چند ضروری امور کی طرف آپکو توجہ دلانا چاہتا ہوں جو آپ نے اپنی کتاب میں احرار پارٹی کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ یہ مسلمانوں کی ایک بہترین جماعت ہے لیکن کراچی کانگریس میں ایک مسلمان کے ورکنگ کمیٹی کا ممبر بنانے پر جماعت کانگریس سے الگ ہو گئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی تہہ میں کچھ اور بھی تھا۔ جو کچھ بھی آپ نے احرار پارٹی کے متعلق لکھا وہ غلط اطلاعات پر مبنی ہے۔

۱۔ مجلس احرار ۱۹۲۹ء میں کانگریس کیمپ لاہور میں بنائی گئی تھی۔ ۱۹۳۰ء کی کانگریس تحریک میں تمام پارٹی کانگریس کے کام پر لگ گئی اور احرار کے نام کو چمکانے کی کوشش نہ کی جس مسلمان کی ورکنگ کمیٹی میں لئے جانے کی مخالفت کی گئی تھی۔ وہ کسی ذاتی غرض اور شخصی عداوت پر نہیں تھی۔ بلکہ احرار پارٹی دیانتداری کے ساتھ یہ سمجھتی تھی کہ یہ شخص اس کا اہل نہیں کہ کانگریس کمیٹی میں پہونچکر یہ کانگریس کو بھی نقصان پہونچائے گا! اور مسلمانوں کی تباہی کا بھی باعث ہوگا چنانچہ ہم نے جو کچھ اس شخص کی نسبت سمجھا تھا آپ پر بھی ثابت ہو گیا۔

۲۔ میں کراچی کانگریس کے زمانے میں جیل میں تھا۔ اور عارضی صلح کے زمانے میں رہا نہیں کیا گیا تھا مگر آپکو اس کی خبر تک بھی نہ ہوئی کہ کون کارکن کہاں ہے اور کیوں رہا نہیں ہوا۔

۳۔ پنجاب میں کانگریس کے جو الیکشن ہوئے اس میں جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ کسی شریف خودداری کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ کہ کوئی [illegible] آزادی کے لئے کانگریس کا چارج لینے کا عہد کر کے کام کریگے۔ [illegible] کانگریس کی انتخاب

پارٹی سے الگ ہو گئے۔ یہ وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے ہم کانگریس کی تنظیم سے علیحدہ ہو گئے لیکن کانگریس کا کام برابر کرتے رہے۔

۵۔ انتخاب کے سلسلے میں میں نے اور میری جماعت نے مسلمانوں کو کانگریس کے ساتھ ووٹ دینے کا مشورہ دیا۔ میں نے ہر بیان اور ہر تقریر میں مسلمانوں کو کانگریس میں شامل ہونے کی تلقین کی مگر ہماری بدقسمتی کا دور پنجاب میں پھر شروع ہو گیا کہ پنجاب کانگریس میں ایسی پارٹی برسر اقتدار آگئی ہے جو ذاتی عداوت اور مسلمان دشمنی میں پیش پیش ہے۔

۶۔ خواجہ عبدالرحمٰن غازی بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی امرتسری میرے ان دوستوں میں ہیں جن کی سیاسی قابلیت کا آدمی پنجاب میں مجھے نظر نہیں آتا۔ غازی صاحب نے جس دیانتداری جرأت اور دلیری سے گذشتہ پندرہ سال میں سخت سے سخت آزمائش کے وقت کانگریس کا ساتھ دیا اور اپنے دوستوں کی ہلکی سی مخالفت کو بھی کانگریس کے بارے میں برداشت نہیں کیا۔ آج فرضی اور بے قاعدہ انتخاب کر کے اسکو امرتسر کی کانگریس کمیٹی سے الگ کر دینے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ غازی صاحب کو الگ کرنیوالے وہی لوگ ہیں جو بدقسمتی سے کانگریس کے نام پر پنجاب اسمبلی کے ممبر ہو گئے ہیں۔ اور پارٹی کے لیڈر ڈاکٹر کچلو ہیں جنھوں نے الیکشن کے زمانے میں علانیہ کانگریس کی مخالفت کی اور کہا تھا کہ مسلمانوں کو ۵۶ فیصدی حقوق دلانے کے لئے کونسل میں جا رہا ہوں۔

۷۔ آپ کی ایک تقریر کا خلاصہ جو بمبئی میں مسٹر جناح کے خلاف کی ہے۔ اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ جس پر ہندوستان کے تمام مسلمانوں نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور مسلمان اخباروں نے آپ کے خلاف ایڈیٹوریل نوٹ لکھے ہیں۔ ہمیں خود مسٹر جناح سے بیسیوں باتوں میں سخت اختلاف ہے مگر ہم حتی الوسع احتیاط سے کام لیتے ہیں اور جھگڑا پیدا کرنا نہیں چاہتے۔

مسٹر جناح کا ہندوستان میں کوئی مخالف ہو یا موافق لیکن ہر شخص انہیں

دیانت دار سمجھتا ہے۔ الیکشن سے پہلے گورنمنٹ مسٹر جناح کو کسی قیمت پر خرید نہیں سکی اور مرکزی اسمبلی میں کانگریس کی کامیابی مسٹر جناح کی رفاقت پر مبنی رہی ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

سپرو آپکو یہ بھی معلوم ہے کہ پچھلے دنوں میں مسٹر جناح نے بار بار اعلان کئے کہ ان کی پارٹی کانگریس کے ساتھ کام کریگی اور وہ مخلوط انتخاب کے حامی ہیں اور مسلم پریس نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ الیکشن سے پہلے پنڈت جی کو علم تھا کہ مسلمان کانگریس کے ٹکٹ پر کامیاب نہ ہو سکیں گے اور آپ بھی یقین کرتے تھے کہ سوائے ہندو کانگریس کے ٹکٹ پر نہ آسکیں گے۔ اس لئے اس وقت آپ مسٹر جناح کی انتخابی جدوجہد کو پسند کرتے تھے لیکن چند صوبوں میں کانگریس کی فتح نے کانگریسی لیڈروں میں غیر مرئی غرور پیدا کر دیا ہے۔ اب کانگریسی لیڈر سبکو ذلیل سمجھنے لگے ہیں۔ جیسے ۱۸۵۷ء کی عارضی صلح کے بعد مسلمانوں کو سمجھنے لگے تھے

آپ اس وقت ہندوستان کے بڑے لیڈر ہیں۔ آپ کی زبان سے ایسی باتیں نکلتی ہیں جن سے لوگوں میں تلخی پیدا ہو۔ ملک کے لئے نقصان رساں ہیں ہم تھوڑی سی فتح کے بعد سمجھنے لگتے ہیں کہ انگریز ملک سے نکل گیا۔ اور ہم مالک ہو گئے۔ حالانکہ انگریز ابھی اسی ملک میں موجود ہے

۸۔ میں اس کہنے میں حق بجانب ہوں گا کہ ملک میں فرقہ وارانہ فسادات لیڈروں کی غیر ذمہ دارانہ تقریروں اور تحریروں سے شروع ہوتے ہیں۔ مسٹر جناح سے جس بات پر جھگڑا شروع ہوا ہے وہ کوئی بات ہی نہ تھی! بلکہ اگر آپ ان کی تقریر کا جواب ہی نہ دیتے تو زیادہ مؤثر جواب ہوتا۔ یا جواب میں ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے۔ جس سے تلخی پیدا نہ ہوتی۔

نہرو رپورٹ میں بھی کیوں ناکامی ہوئی صرف اس لیئے کہ کلکتہ کنونشن میں مسٹر جناح سے نازیبا سلوک کیا گیا۔ اور آج اسی تاریخ کو پھر دہرایا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم نے گجرات جیل میں بات ٹھیک کہی تھی کہ ہندوؤں اور

مسلمانوں میں کوئی جنگ نہیں لیڈروں کی ذاتی رنجشوں نے سارے کام کو تباہ کیا ہے مگر پنڈت موتی لال نہرو مسٹر جیکر اور مولانا شوکت علی میں ذاتی رنجش نہ ہوتی تو ملک کا یہ حال نہ ہوتا جو آج ہے۔

کئی سال کے بعد ملک کی فضا سیجر درست ہو رہی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اسے الفاظ کی تیزی سے بگڑنے نہ دیا جائے۔ مسٹر جناح خیالات کے اعتبار سے آپکے بہت قریب ہیں اس سے بہتر اور آدمی آپکو نہیں ملے گا۔ مسٹر جناح کو قریب لانے کی کوشش کیجئے۔

یہ خط و کتابت اس لئے کر رہا ہوں کہ جی چاہتا ہے کہ ملک میں کانگریس کی وقعت ہو۔ ہندوستان کی آزادی قریب آجائے۔ آپ سے کیونکہ دلی محبت ہے اس لئے جو بات دل میں تھی اسے صاف صاف لکھ دیا ہے۔ خواہ آپ اسے قبول کریں یا نہ کریں۔ اخبار احسان کا ایڈیٹوریل نوٹ جس میں آپکی تقریر بھی ہے ارسال خدمت ہے۔

حبیب الرحمٰن لدھیانوی صدر مجلس احرار اسلام ہند

۲ر فروری ۱۹۳۷ء

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے مسلم لیگ کانگریس کی کشمکش کے بارے میں الجمعیۃ اخبار میں چھپے ہوئے ایک بیان کی طرف ڈاکٹر راجندر پرشاد موجودہ صدر جمہوریہ ہند کو توجہ دلائی کہ اس قسم کے بیانات سے ہندو اور مسلمانوں میں اور زیادہ ناخوشگواری پیدا ہوگی اور ملک کے سیاسی حالات بگڑتے چلے جائیں گے۔ اس خط کے جواب میں ڈاکٹر راجندر پرشاد موجودہ صدر جمہوریہ ہند نے اپنے قلم سے اردو میں صداقت آشرم پٹنہ سے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے نام حسب ذیل خط لکھا۔

یہ خط صدر جمہوریہ کے اردو رسم خط میں ہونے کی وجہ سے اسی کتاب میں بلاک سے شائع کیا جاتا ہے۔

صداقت آشرم۔ پٹنہ ۲۵ مارچ ۱۹۳۶ء
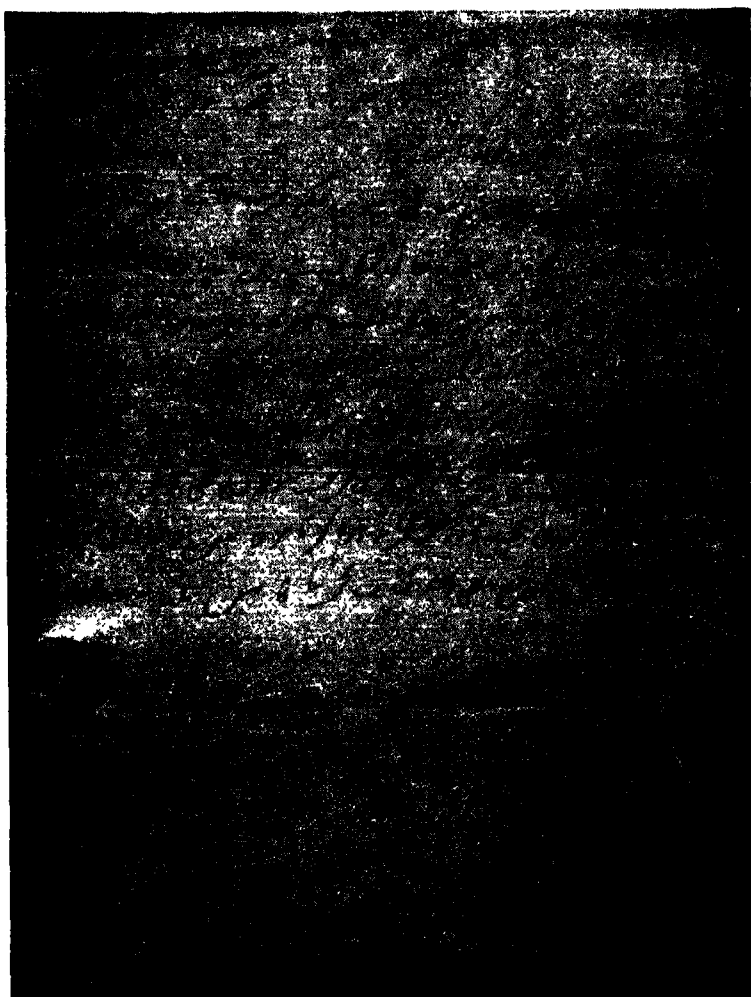
مکرمی مولانا صاحب۔

بعد آداب تسلیم۔ میں بخیریت پٹنہ پہونچا۔ آپ کی خیریت چاہتا ہوں۔ آپ نے مہربانی کرکے جو الجمعیۃ کا پرچہ بھیج دیا تھا۔ اس کی نسبت میں نے یہاں ایسوسی ایٹڈ پریس کے منیجر کے پاس خط لکھا جو میرا بیان الجمعیۃ میں چھپا ہے۔ وہ میں نے نہیں دیا۔ وہ کہاں سے ایسوسی ایٹڈ پریس نے الجمعیۃ اخبار کے پاس بھیجا۔ اس کے جواب میں جو خط آیا ہے۔ اسکی نقل بھیج رہا ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہوگا۔ کہ میں نے یہ بیان دیا ہی نہیں۔ چونکہ آپ نے مہربانی کرکے میری توجہ اس طرف دلادی تھی۔ آپ کو اس کی نسبت عرض کردینا ضروری سمجھا اور شکریہ ادا کرتا ہوں۔ نہیں تو یہ غلط فہمی رہ جاتی۔ اور مجھے کوئی موقع بھی اسے صاف کرنے کا نہیں ملتا۔

زیادہ آداب

نیازمند راجندر پرشاد

کانگریس مسلم لیگ اتحاد اور دشمنی کی کہانی ڈاکٹر اشرف اور سید طفیل احمد کاظمی کی زبانی!

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے اپنے خطوط میں مسٹر جناح اور پنڈت جی کے اختلافات مسلم لیگ اور کانگریس کے اتحاد و اختلاف کی طرف پنڈت جی کے خط میں جو توجہ دلائی ہے ان سیاسی حقائق کے بارے میں اس خط کی شرح کے طور پر مولانا سید محمد طفیل احمد صاحب کاظمی کا بیان روشن مستقبل کے صفحہ ۵۹۷ پر تاریخی شہادت ہے۔

مسلم یونٹی بورڈ کے نام سے الیکشن

آخر ۱۹۳۴ء میں مرکزی اسمبلی کے انتخابات کا وقت آیا تو آل مسلم پارٹیز کانفرنس

کے کارکنان نے ایک جماعت "مسلم یونٹی بورڈ" کے نام سے راجہ سید احمد علیخاں علوی راجہ سلیم پور نے قائم کر کے صوبہ متحدہ صوبہ متوسط صوبہ جات بہار و مدراس میں الیکشن لڑائے یونٹی بورڈ کے مقابلہ میں بعض صوبوں میں مسلم لیگ "پارلیمنٹری مجلس" کے نام سے ایک جماعت کھڑی ہوئی۔ مگر یونٹی بورڈ کے مقابلہ میں ناکام رہی۔ یونٹی بورڈ کی کامیابی میں جمعیۃ العلماء کا بھی بڑا حصہ رہا تھا۔ کامیابی کے بعد یونٹی بورڈ کے نمائندوں اور دوسرے مسلمان ممبروں نے مرکزی اسمبلی میں بسرکردگی مسٹر محمد علی جناح کانگریس پارٹی کے ساتھ اتحاد عمل کر کے مسلسل دو سال تک حکومت کو خوب شکستیں دیں۔

مسلم لیگ کے نام سے الکشن

اس کے بعد جبکہ صوبوں کی اسمبلیوں کے انتخاب کا وقت آیا تو شروع ۱۹۳۶ء میں یونٹی بورڈ کی مجلس عاملہ نے دہلی میں اپنا ایک جلسہ منعقد کیا۔ اس میں مسٹر جناح کی طرف سے مسٹر عبدالمتین چودھری نے یہ پیام سنایا کہ بجائے یونٹی بورڈ کے مسلم لیگ کے نام سے الیکشن لڑے جائیں اور اس پرانی جماعت کو مضبوط کیا جائے۔ دوسرے دن اس بارے میں مسٹر جناح کی موجودگی میں مفصل مشورہ ہوا جس میں یونٹی بورڈ، مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء کے خاص خاص اراکین شامل تھے۔ اس میں یہ بحث پیش آئی کہ جو لوگ اپنا مسلک "کامل آزادی" رکھتے ہیں۔ وہ مسلم لیگ کے ممبر کس طرح بن جائیں۔ اس پر مسٹر جناح نے کہا کہ جو لوگ آگے ہیں ان کا پیچھے والوں کے ساتھ شامل ہو جانا کوئی قابل اعتراض عمل نہیں ہے۔ بالآخر قرار پایا کہ بجائے مسلم لیگ کے "مسلم پارلیمنٹری بورڈ" الیکشن کی غرض سے قائم کیا جائے جس میں تمام مسلم جماعتیں شریک ہوں۔ اس کے بعد ۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء کو بمبئی میں مسلم لیگ کا اجلاس بصدارت سید وزیر حسن منعقد ہوا جس میں صدر اجلاس نے اپنے خطبہ میں اس امر کو واضح کر دیا کہ کانگریس کے ذریعہ ایک قدم سوراج کی طرف نہیں بڑھا ہے۔ بلکہ جدید آئین میں گورنر کے اختیارات پہلے سے زیادہ قائم ہو گئے ہیں۔ اور نہ مسلم لیگ کے ذریعہ مسلمانوں ...

عوام کے واجبی حقوق لیے اس لئے نہ صرف کانگریس اور مسلم لیگ کو بلکہ ملک کی جملہ سیاسی جماعتوں کو چاہیئے کہ حکومت خود اختیاری کے حصول، سخت قوانین کی منسوخی، تقریر و تحریر اور اخبارات کی آزادی، کاشتکاروں اور کاریگروں کی ملی حالت کی بہتری اور ابتدائی تعلیم کے اجراء کے لئے ایک متحدہ پروگرام بنا کر اس پر یکجائی سے عمل کریں۔

اس اجلاس میں مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند کی تحریک پر مسٹر جناح کو کامل اختیار دیا گیا۔ کہ وہ پارلیمنٹری بورڈ کے ممبر خود نامزد کریں۔ اس پارلیمنٹری بورڈ کا جو مینی فیسٹو شائع کیا گیا اس میں صاف الفاظ میں لکھا گیا۔

تمام جابرانہ قوانین منسوخ کرائے جائیں گے، ملک کی اقتصادی لوٹ کو روکا جائے گا۔ ملک کے گرانبار اخراجات کو گھٹایا جائے گا۔ فوج کے اخراجات گھٹا کر اسے قومی بنایا جائے گا۔ صنعت و حرفت کو ترقی دی جائے گی۔ سکہ و شرح تبادلہ کا خیال رکھا جائے گا۔ زرعی قرضوں کے بار کو گھٹایا جائے گا۔ ابتدائی تعلیم کو مفت کیا جائے گا مسلمانوں کے مذہب اور زبان و حروف کی حفاظت کی جائے گی۔ اور ملک میں رائے عامہ پیدا کی جائے گی۔

مسلم لیگ اور کانگریس میں بدمزگی !!

مندرجہ بالا مینی فسٹو (یادداشت) میں مسلمانوں کی مخصوص ضروریات میں سے صرف مذہب زبان اور حروف کی حفاظت درج تھی اس کے بعد ملکی ترقی کے کاموں اور عوام الناس کے فوائد کے بارے میں مسلم لیگ نے کانگریس کا پروگرام اختیار کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم لیگ کے امیدواروں کو ہر جگہ کانگریس نے انتخاب اسمبلی میں مدد دی۔ اس وقت معلوم ہوتا تھا کہ بیس سال بعد پھر قرون السعدین واپس آ جائے گا۔ اور مسلم لیگ اور کانگریس یک جان دو قالب ہو کر ملکی کام کریں گی! لیکن برطانیہ یہ کب گوارا کر سکتا تھا کہ یہ دونوں جماعتیں پھر متحد ہو کر یکدل ہو کر کام کریں۔

چنانچہ انتخابات میں کانگریس کی غیر معمولی کامیابی کے ساتھ ہی مسلم لیگ سے اس کی بدمزدگی بھی بڑھ گئی کی وجہ یہ ہوئی کہ کانگریس نے اپنی اکثریت دیکھکر اپنے وزراء میں مسلم لیگ کے لوگوں کو شامل کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی زمانہ میں پنڈت جواہر لال نہرو صدر کانگریس نے مدراس کی ایک تقریر میں کہا کہ ہندوستان میں صرف دو پارٹیاں ہیں۔ ایک کانگریس اور دوسری گورنمنٹ برطانیہ مسٹر جناح نے اسپر کہا کہ نہیں تیسری جماعت مسلم لیگ بھی ہے۔ اس پر پنڈت جواہر لال نے کہا کہ مسلم لیگ اعلیٰ طبقہ پر محدود ہے۔ اس کے کارکن دیہات میں جاتے تک نہیں۔ برخلاف اس کے کانگریس کے لوگ مسلم عوام سے ملتے ہیں۔ مختصر یہ کہ بات کی بات میں جھگڑا ہو گیا۔

اب ایک اور واقعہ پیش آیا کہ مجلس احرار نے ۵ اپریل ۱۹۳۷ء کے اجلاس میں جو لکھنؤ میں ہوا مسٹر کرپلانی سکریٹری کانگریس کو شرکت کے لئے مدعو کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ بیمار ہیں اس لئے نہیں آسکتے مگر اس کے ساتھ لکھا کہ اگر میں اچھا بھی ہوتا تب بھی نہ آتا کیونکہ مجلس احرار ایک فرقہ وارانہ جماعت ہے۔ درآں حالیکہ یہ فرقہ وارانہ جماعت ہمیشہ سے کانگریس کے ساتھ اور اس کی مددگار بنی رہی تھی اس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ کانگریس والوں کو اپنی کامیابی پر اسقدر غرہ ہو گیا تھا کہ انہیں اپنے ساتھیوں کا دل دکھانے میں بھی تامل نہ ہوتا تھا اور انہیں خیال ہو گیا تھا کہ واقعی مسلمانوں کی اکثریت ان کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد صوبہ متحدہ میں اسمبلی کی ممبریوں کے ضمنی انتخابات پیش آئے جن میں سب سے پہلا انتخاب حلقہ بندیل کھنڈ میں ہوا۔ اس میں کانگریس نے مسٹر نثار احمد خاں شروانی کی امداد کی جنہوں نے ترک موالات کے زمانہ میں ایک بڑے عہدے سے دست کش ہو کر ملک و قوم کی خدمت کی تھی مگر اس انتخاب میں کانگریس کو ناکامی ہوئی۔

بہرحال اس قسم کی مکدر فضا میں مسلم لیگ کا پچیسواں سالانہ اجلاس مسٹر محمد علی جناح مستقل صدر کی زیر صدارت ۱۵، ۱۶، ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو بمقام لکھنؤ منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مسلم لیگ کی ۳۵ سالہ زندگی میں سب سے زیادہ ذوق تحریک ملک

پیدا کیا۔ جس کے ذریعہ عوام الناس کو ابھارا جائے۔ غنیمت ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو کا
یہ طعنہ دینا کہ مسلم لیگ عوام الناس کی اصلاح سے غافل ہے۔ غریب مسلمانوں کے لئے مفید ثابت
ہوا۔ انہیں ابھارنے کا پروگرام مسلم لیگ نے بنایا ایک اور امر میں مسلم لیگ نے آدھا قدم اٹھایا وہ
یہ کہ مسلمانوں میں ایک بھی سیاسی جماعت ایسی نہ رہی تھی جس نے اپنا مقصد کامل آزادی" قرار نہ دیا ہو
اس بارے میں صرف مسلم لیگ پیچھے تھی۔ اب اس اجلاس میں اس نے مشروط آزادی کی تجویز پاس
کردی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

وفاقی حکومت کی شکل میں پوری آزادی حاصل کی جائے جس کے آئین میں مسلمانوں اور
دیگر اقلیتوں کے حقوق محفوظ ہوں۔ (طفیل احمد کاظمی)

ڈاکٹر اشرف کا بیان!

اخبار عوامی دور ۳ر جنوری ۱۹۴۰ء

کانگریس کے مرکزی دفتر الہ آباد میں ایک نئے شعبہ کا اضافہ ہوا یعنی مسلم رابطہ عوام
اور میں نے بڑی تیزی سے اس کی نگرانی قبول کرلی۔ مجھے یقین تھا کہ پنڈت نہرو کے اس پروگرام پر ایمانداری
مسلمان کو دوبارہ کانگریس میں لایا جاسکتا ہے۔

عام انتخاب کے لئے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبروں نے ہر صوبہ میں بڑی ہوشیاری
سے کام لیا۔ کہیں پنڈت مالوی جی کے پلیٹ فارم سے اپنے آدمی کھڑے کئے کہیں کہیں
آزاد امیدواروں سے اپنا ناطہ جوڑا۔ بہت سے حلقوں میں مسلم لیگیوں کی حمایت کی مگر
عام پرچار کے لئے انہوں نے جواہر لال کے "طوفانی" دوروں سے کام لیا یہ دورے
کیا تھے۔ غریبی اور غلامی مٹانے کا اعلان تھا اور میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ
جگہ جگہ سے نہرو۔ گزرتے۔ رات کے تین تین بجے اس اعلان کو سننے کے لئے
لاکھوں کی تعداد میں آتے تھے۔ چنانچہ ان دوروں کا اثر ہوا اور کانگریس طرف ...

بھی یہی نہیں کہ عام علاقوں سے جیتی بلکہ اس نے مسلم اکثریت کے صوبوں میں بھی مختلف [illegible] سرحد [illegible]
بھی قدم جما لئے۔

پنجاب اور بنگال میں فضل الحق کی پارٹی کامیاب ہوئی مسلم لیگ کا پرسان حال سوست کوئی نہ دکھائی دیتا تھا۔ اور جب اس ماحول میں چودھری خلیق الزماں نے کانگریس ہو وزارت کے بارے میں مفاہمت کی کوشش کی تو کانگریس نے لیگ کے متوقع نامزد وزیروں کی جماعتی انفرادیت ماننے سے انکار کردیا۔ کانگریس کی پہلی شرط یہ ٹھہری کہ ارکان لیگ اور کانگریس کی لیجسلیٹو پارٹی کی رکنیت قبول کرکے اس پروگرام کے پابند ہوجائیں۔

یہ شرط غالباً اس لئے اور بھی ضروری تھی کہ کانگریس وزارت قبول کرنے سے پہلے برطانوی گورنروں سے قول وقرار لے لینا چاہتی تھی۔ تاکہ اس کی سامراج دشمن اور انقلابی شہرت کا پردہ فاش نہ ہو۔ بہرنوع کانگریس نے وزارتیں قبول کیں۔

میں اس معاملہ میں مسلمانوں کی مذمت بھی نہیں کرسکتا اس لئے کہ کانگریس نے جب مسلم رابطہ عوام کے لئے ہاتھ بڑھایا تو مسلمان کے سامنے عملی جدوجہد آزادی اور ایکٹ ۳۵ء کی تنسیخ کا پیام تھا۔ جب ہم ضمنی انتخابات لڑنے کے لئے گئے تو وزارت کے پردہ میں ایک متوسط طبقہ کے محدود مفاد کی حفاظت کا پہلو نمایاں تھا۔ اور کوئی خاص وجہ نہیں تھی کہ وہ ہندو بورژوا مفاد کو مسلم بورژوا مفاد پر ترجیح دیتے۔ ایسی صورت ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ دونوں پر صلاوات بھیج کر کسی تیسرے انقلابی فریق کی حمایت کے لئے آمادہ ہوجاتے۔ کانگریس کے وزارت ساز حلقے جس میں سردار پٹیل نمایاں حیثیت رکھتے تھے، یوں بھی پنڈت نہرو سے خوش نہ تھے۔ اور بالآخر جب نہرو ہندوستان سے باہر گئے تو ایک دن بلا اطلاع و تشریح مسلم رابطہ عوام کا شعبہ بند کردیا گیا۔ میں نے اس شعبہ کے کام اور مسلمانوں کے [illegible] ایک تفصیلی رپورٹ تیار کی تھی مگر میرے نگراں اور سردار پٹیل کے خاص [illegible] کانگریس کے جنرل سکریٹری نے اسے شائع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ [illegible]

۱۹۳۶ء کے الیکشن میں مسٹر جناح کی بے بسی!

انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے اعلان کے مطابق ۱۹۳۶ء میں جنرل انتخابات ہونے والے تھے۔ انڈیا ایکٹ کے مصنف سر فضل حسین نے کانگریس کے مقابلہ میں تمام ہندوستان میں سرکار پرست ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ پارٹیاں بنالیں۔ یوپی میں نواب چھتاری کی سرکردگی میں ایگریکلچرسٹ پارٹی اور پنجاب میں یونینسٹ پارٹی قیام عمل میں آئی جس کے لیڈر سر فضل حسین تھے۔ غرضیکہ ہندوستان میں کانگریس کے مقابلے کے لئے ہندو مسلمانوں کی مشترک پارٹیوں نے کام کرنا شروع کر دیا۔

مسٹر جناح اور مسلم لیگ مرکزی اسمبلی میں اپنی آزادانہ پالیسی کی وجہ سے انگریزی حکومت کا اعتماد کھو چکے تھے اور مسٹر جناح کو ہندوستان میں دس باثر آدمی بھی نہ ملے جو مسلم لیگ کے نام سے الیکشن لڑنے کے لئے تیار ہوں۔

مسٹر جناح عجیب کشمکش میں مبتلا تھے۔ یوپی میں نواب اسمٰعیل اور خلیق الزماں صاحب نے مسٹر جناح کو کانگریس کے اشارے پر کانگریس کے ساتھ مل کر الیکشن لڑنے کے لئے تیار کرلیا۔ ادھر مرکزی اسمبلی کے لیڈر بھولا بھائی ڈیسائی نے مسٹر جناح کو کانگریس کی طرف سے اتحاد و تعاون کی یقین دہانی کرائی۔

مسٹر جناح نے ہندوستان کی تمام آزاد خیال جماعتوں اور آزاد خیال مسلم لیڈروں سے بات چیت کرنے کے لئے دورے شروع کر دیئے۔

مسٹر جناح کو یقین تھا کہ کانگریس مسلم لیگ کے دستوری اتحاد سے سرکار پرست جماعتوں کو انتخابات میں شکست ہوگی۔ مسٹر جناح کے دورے کانگریس لیگ اتحاد کے حق میں چلے گئے۔ جمعیۃ العلماء ہند نے مسلم لیگ کی امداد کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے ہندوستان کے مسلم ووٹروں کے نام مسلم لیگ کو ووٹ دینے کے لئے اپیل

شائع کی۔ حضرت مفتی صاحب کی مسلم لیگ کے بارے میں اپیل کے خط کا بلاک بنا کر بمبئی کی مسلم لیگ نے اس خط کو ایک لاکھ کے قریب شائع کر کے پورے بمبئی اور گجرات میں تقسیم کیا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نے یوپی میں مسلم لیگ کے ممبروں کے لئے تقریریں شروع کر دیں۔

لیگ کانگریس جمعیتہ العلماً اتحاد کی تہہ میں یہ بات طے ہو چکی تھی کہ انتخابات کے بعد ہندوستان کے ہر صوبہ میں "ملی جلی" مشترکہ وزارتیں بنائی جائیں گی۔ مولانا شوکت علی نے بھی مسٹر جناح کے ساتھ ملک میں طوفانی دورہ شروع کیا۔

مولانا شوکت علی مسٹر جناح، حضرت مفتی کفایت اللہ۔ حضرت شیخ الاسلام، مولانا مدنی کی مشترکہ کوششوں سے ہر جگہ مسلم لیگ کے لئے فضا تیار ہو گئی۔ اس دوران میں نواب چھتاری نے ہر ممکن کوشش کی کہ یوپی میں جمعیتہ العلماء ہند کو مسلم لیگ کے اتحاد سے باز رکھا جائے لیکن نواب صاحب اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوئے۔

۱۹۳۶ء کے الیکشن میں لیگ کی کامیابی دراصل جمعیتہ العلماء ہند کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ ورنہ مسٹر جناح اور مسلم لیگ کے پاس کوئی طاقت نہ تھی۔ کہ وہ عوام میں جا کر ووٹ حاصل کر سکے مسلم لیگ میں جو چند نفوس قدسیہ تھے۔ ان کی یہ حالت تھی کہ وہ مسلم لیگ کی کامیابی تو چاہتے تھے۔ لیکن دوسری طرف انگریزی حکومت .... کو بھی راضی رکھنے کے حق میں تھے۔"

جمعیتہ العلماً ہند کے اکابرین اگر ۱۹۳۶ء کے الیکشن میں مسلم لیگ کا ساتھ نہ دیتے تو خود جمعیتہ العلماً ہند الیکشن کے بعد صوبائی اسمبلیوں میں کانگریس کے بعد دوسری دستوری پارٹی ہوتی۔"

ہندوستان کی دستوری حکومت

پر

حبیب جنلح ملاقات

مسٹر جناح کی لاہور میں آمد

۱۹۳۶ء میں جناح صاحب مسلم لیگ کی تنظیم اور الیکشن میں مسلم لیگ کو پارٹی بنانے کے سلسلے میں لاہور تشریف لائے تھے اور غالباً نواب ممدوٹ کے یہاں جناح صاحب کا قیام تھا جناح صاحب پبلک جلسہ میں تقریر کرنا چاہتے تھے لیکن پنجاب کے سرکار پرست اور ماڈریٹ طبقے میں جرأت نہ تھی۔ کہ وہ میاں فضل حسین کو ناراض کر کے جناح صاحب کے پبلک جلسے کا انتظام کریں۔ اسی قیام کے دوران میں مسٹر جناح سر فضل حسین سے ملے۔ سر فضل حسین نے مسٹر جناح سے گفتگو کرتے وقت یہ حرکت کی کہ دو انگریز سکریٹریوں کو پردے کے پیچھے بٹھادیا۔ یہ دونوں انگریز سکریٹری مسٹر جناح کی گفتگو نوٹ کرتے رہے۔ مسٹر جناح چاہتے تھے کہ الیکشن کے بارے میں میاں فضل حسین سے گفتگو ہو مگر سر فضل حسین کی گفتگو کا انداز یہ تھا کہ وہ معلوم کر سکیں کہ مسٹر جناح کہاں تک الیکشن میں اور الیکشن کے بعد کانگریس سے تعاون کرنے کو تیار رہیں۔ مسٹر جناح غریب کو کیا معلوم تھا کہ یہ گفتگو راز داری سے نوٹ کی جا رہی ہے۔ تاکہ وزیر ہند کو جناح صاحب کے خیالات سے مطلع کیا جائے۔ اس بیخبری میں کانگریس کے ساتھ اپنے اور مسلم لیگ کے اشتراک عمل کے متعلق جناح صاحب نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ فضل حسین نے گفتگو کے آخر میں مسٹر جناح سے کہا کہ آپ کانگریس سے مل جائیں یا اور کسی جماعت سے لیکن پنجاب میں مسلم لیگ نہ کامیاب ہو سکتی ہے نہ اس کے ٹکٹ پر یہاں لوگ کھڑے ہوں گے اور مناسب یہی ہے کہ آپ بعزت تمام لاہور سے چلے جائیں اور کسی جلسہ کا یہاں پروگرام نہ بنائیں۔ مسٹر جناح ایک گھنٹہ کی گفتگو کے بعد بہت مایوس ہو کر اٹھے۔ اسی دن شام کو انہیں جب ایک سرکاری آدمی نے بتایا کہ فضل حسین کی کوٹھی میں دو انگریز سکریٹری پردے کے پیچھے آپکی گفتگو نوٹ کر رہے تھے۔ تو انہیں اس کا بہت رنج ہوا۔

ڈاکٹر عبدالقوی لقمان کے مکان 67 میکلوڈ روڈ پر

حبیب جناح ملاقات

مسٹر جناح نے فضل حسین کے سلوک کے بعد رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی سے ملاقات کی اس گفتگو میں چودھری افضل حق اور ڈاکٹر عبدالقوی لقمان شامل تھے مسٹر جناح نے فضل حسین سے اپنی گفتگو اور فضل حسین کی سازش کا ذکر کیا اور یہ بھی کہا کہ فضل حسین اس بات پر تل گئے ہیں کہ میں لاہور میں کسی جلسہ میں تقریر نہ کر سکوں اگر احرار میرا ساتھ دیں تو میں فضل حسین سے ٹکرلے سکتا ہوں۔ اس پر چودھری افضل حق صاحب نے کہا۔ لیکن ہمیں خطرہ ہے کہ اگر ہم آپ کے ساتھ میدان عمل میں آگئے تو ہمیں چھوڑ کر جس طرح شفیع لیگ سے مل گئے تھے۔ اس طرح پھر خان بہادروں سے جا ملیں گے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے مسٹر جناح سے کہا کہ آپ مسلم لیگ کو عوامی جماعت بنائیے۔ جب تک آپ اسے عوامی جماعت نہیں بنائیں گے اسوقت تک آپ ٹوڈی مسلمانوں کے حلقے سے باہر نہیں نکل سکتے ہیں اور انگریز جب چاہتا ہے اپنے مفاد کے لئے ٹوڈی مسلمانوں کو آپ کے ساتھ کر دیتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے آپ سے جدا کر دیتا ہے جس کی یہ تازہ مثال آپ کے سامنے ہے۔ گفتگو بڑی طویل تھی۔ جناح صاحب بہت مایوس تھے لیکن رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے انہیں حوصلہ دیا کہ آپ کی تقریر لاہور میں ہونی چاہئیے۔ احرار رضا کار آپ کے جلسے کی حفاظت کریں گے۔ مسٹر جناح اس بات پر بڑے خوش ہوئے اور طے ہو گیا کہ کل مسٹر جناح کی تقریر لاہور میں ہوگی۔ دوسرے دن مسٹر جناح کی تقریر ہوئی۔ احرار رضا کار سفید وردیوں میں جلسے میں تھے۔ جناح صاحب نے کامیابی سے تقریر کی۔ سر فضل حسین کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ جلسہ احرار کی طاقت پر ہو رہا ہے۔ اس دن سے فضل حسین اور احرار رضا کاروں میں جنگ شروع ہو گئی۔ احرار کو مسٹر جناح کی حمایت کرنے کی سزا میاں فضل حسین نے مسجد شہید گنج کو گرا کر دی۔

دہلی میں حبیب جناح ملاقات

اسی دوران میں مسٹر جناح نے جمعیتہ علماء ہند کے ناظم مولانا احمد سعید صاحب سے گفتگو شروع کی اور اس گفتگو میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کو خاص طور سے مدعو کیا گیا۔ مسٹر جناح دہلی کے ایک ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے اور اسی ہوٹل میں سر فیروز خان نون بھی تھے۔ صبح کو ۹ بجے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی جناح صاحب سے گفتگو کرنے کے لئے گئے تو سر فیروز خان نون نے مولانا سے طنزاً کہا کہ جناح صاحب کو کامیاب کرائیے .... مسٹر جناح نے بڑی کوشش کی کہ احرار کسی طرح مسلم لیگ میں آجائیں۔ مسٹر جناح نے مولانا حبیب الرحمٰن کے کندھے پر ہاتھ رکھکر کہا کہ آپ مجھ سے ملجائیں تو میں ان سرکار پرستوں کو سزا دے سکتا ہوں۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ میدان عمل میں ٹھہر نہ سکیں گے اور ہمیں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ سیاست میں کسی پر سولہ آنہ یقین کرنا نہ صرف نادانی ہے۔ بلکہ سیاسی عدم تدبر کا ثبوت ہے۔

مولانا احمد سعید صاحب مسٹر جناح کے ساتھ پارٹی بنانے میں مشروط طور پر متفق ہوگئے لیکن مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے مسلم لیگ کے مشترکہ محاذ میں شامل ہونے سے انکار کردیا۔

سلیم پور ہاؤس لکھنؤ میں کانگریس لیگ اتحاد کا مشورہ

۱۹۳۶ء کے رمضان المبارک میں مولانا ابوالکلام آزاد الیکشن کی تیاریوں کے سلسلہ میں لکھنؤ تشریف لائے اور سلیم پور ہاؤس میں قیام کیا چودھری خلیق الزماں کے ذریعے یوپی کے مسلم لیگیوں سے کانگریس لیگ مشترکہ محاذ کی گفتگوئیں شروع ہوئیں۔ یوپی میں جمعیتہ علماء ہند کا بے پناہ اثر تھا۔ اس لئے یوپی کا الیکشن بلا جمعیتہ علماء ہند کی امداد کے جیتا نہیں جاسکتا۔

تھا چنانچہ جمعیۃ علماء کے رہنما بھی اس گفتگو میں شامل تھے۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی سلیم پور ہاؤس میں مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ ٹھہرے اور چودہ دن تک قیام رہا رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن صاحب کی چودھری خلیق الزماں صاحب سے بار با گفتگو ہوئی لیکن مولانا حبیب الرحمن صاحب اس بات پر متفق نہ ہوئے۔ کہ وہ یوپی اور پنجاب میں مسلم لیگ کے مقابلے میں اپنے نمائندے نہیں کھڑے کریں گے لیکن کانگریس لیگ اور جمعیۃ علماء کا اتحاد ہو گیا۔ سوال یہ تھا کہ الیکشن میں مسلم لیگ کے امیدواروں پر روپیہ کون خرچ کرے اس بارے میں پنتھ جی اور خلیق الزماں میں بات چیت طے ہوگئی کہ کانگریس مسلم لیگ کے امیدواروں کی ہر طرح مدد کریگی۔ الیکشن پر کوئی پچاس ہزار روپے کے خرچ کا تخمینہ تھا۔ مسلم لیگ الیکشن کے نگران چودھری خلیق الزماں بنائے گئے۔ چودھری صاحب اس وقت تک کانگرسی تھے انہیں صرف کانگریس نے الیکشن کی کامیابی کے لئے مسلم لیگی بنوایا۔

یوپی کا الیکشن

اس تقسیم کے تحت یوپی میں کانگریس اور مسلم لیگ کے الیکشن لڑے گئے ضلع بستی سے مولانا محمد قاسم صاحب احرار کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے تھے۔ تو وہاں ان کی مخالفت کے لئے پنتھ جی خود تشریف لے گئے اور مسلم لیگ امیدوار کے مقابلے میں مولانا قاسم صاحب کی مخالفت کی یہی حال سہارنپور کے ضلع میں نواب مقصود علی خانصاحب کی سیٹ پر ہوا۔ یہاں ایک طرف مسلم لیگ اور کانگریس اور جمعیۃ علماء ہند تھی! اور دوسری طرف صرف احرار رہنما مولانا سید عطاء اللہ صاحب بخاری اور رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کام کر رہے تھے۔ اس سیٹ پر معاملہ اسقدر نازک ہوگیا کہ ایک طرف حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اور دوسری طرف سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے اس الیکشن کے سلسلہ میں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ایک مدت تک مولانا سید عطاء اللہ بخاری سے ناراض

رہے۔ آخر ۹ مئی ۱۹۳۷ء کو جمعیت کے اجلاس مراد آباد میں سید عطاء اللہ صاحب بخاری نے بڑی مشکل سے حضرت شیخ الاسلام کو راضی کیا۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے مولانا سید عطاء اللہ صاحب کی طرف سے وکالت کی جس پر یہ معاملہ ختم ہوا۔

لیگ کانگرس کا اختلاف

الیکشن کے بعد کانگرس کو ہندوستان کے سات صوبوں میں غالب اکثریت سے کامیابی حاصل ہوئی۔ اور مسلم لیگ کو کسی بھی صوبے میں سوائے یوپی کے کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ پنجاب میں صرف راجہ غضنفر علی کامیاب ہوئے جو مسلم لیگ کے واحد نمائندے تھے خلیق صاحب کانگرس دوستی کی بناء پر اس خیال میں تھے۔ کہ کانگرس کے ساتھ کولیشن وزارتیں بنا کر مسلم لیگ کی عزت کو بچا لیا جائے لیکن کانگرس کے رہنما الیکشن کے بعد مسلم لیگ کو کسی حیثیت سے ملنے کے لئے تیار نہ تھے۔ سب سے بڑا مسئلہ یوپی مسلم لیگ کا تھا۔ اور خاص طور پر چودھری خلیق الزماں اور نواب اسمعیل خاں کی وزارت کا تھا۔ چودھری خلیق الزماں سے وزارت کا پیشگی وعدہ ہو چکا تھا لیکن پنڈت جی یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھے کہ وزارت میں تین مسلمان لئے جائیں پنڈت جی چودھری خلیق الزماں کو وزارت میں لینے کو تیار تھے۔ لیکن بحیثیت مسلم لیگی کے وہ بھی تب جبکہ وہ کانگرس کے پروگرام پر دستخط کر دیں۔ چودھری صاحب کا یہ کہنا تھا کہ میری سیٹ تو خود کانگرس ہی کی سیٹ ہے۔ مسلم لیگی کی حیثیت سے جو سیٹ دی جائے وہ نواب اسمعیل خاں کو دی جائے۔ مگر چونکہ قدوائی مرحوم کو وزارت میں لینا ضروری تھا اس لئے تیسری سیٹ کے لئے نواب اسمعیل خاں کو منظور نہ کیا گیا۔ اس طرح صرف وزارت کی ایک سیٹ کو منظور نہ کرنے کی بناء پر کانگرس اور لیگ میں نہ صرف اختلاف پیدا ہوا بلکہ یہ اختلاف دشمنی کی حد تک پہنچا اس طرح کانگرس نے پاکستان بننے کی پہلی اینٹ خلیق الزماں اور نواب اسمعیل خاں کو وزارت میں نہ لیکر اپنے ہاتھ سے رکھدی

ڈاکٹر محمد اشرف صاحب یوپی کی وزارت میں لیگ کی ناکامی یا کانگریس کی وعدہ خلافی کے بعد مسلم لیگ کے انتقام کی داستان کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

مُسلم لیگ کا عوامی ادب

اب مسٹر جناح اور ان کے "صاف باطن" اور پاک طینت ہمدموں کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ کہ وہ مسلم عوام کے پاس قومی زندگی یا موت کا پیام لیکر جائیں اور کانگریس سے انتقام لینے کے لئے وہ سب جتن کریں۔ جو ان کے کانگریسی اور خلافتی رفیقوں نے کانگریس میں رہ کر سیکھے تھے۔ چنانچہ اب چشم زدن میں لیگ بھی ممبروں کی عام بھرتی کے لئے نکل کھڑی ہوئی۔ بلکہ اس نے چار کنے کی بجائے اس کی ممبری کا چندہ دو آنے رکھا۔ ترنگے جھنڈے کی جگہ ہرا اسلامی جھنڈا لہرایا گیا۔ کانگریس نے سماجی حقوق کے لئے ایک کمیٹی بنائی تھی۔ لیگ نے بھی اس کی طرز میں سوشل پروگرام کی کمیٹی بنا ڈالی۔ نواب صاحب چھتاری (سابق گورنر یوپی) اس کے کنوینر چنے گئے۔ زیادہ ضروری یہ تھا کہ کانگریسی وزارتوں کا سلسلہ دشمنی کا مرثیہ لکھوا کر جگہ جگہ پڑھا جائے یہ فریضہ راجہ صاحب پیر پور کے سپرد ہوا۔ اور تھوڑے دن بعد بجائے انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کے کانگریسی وزارتوں کو نکال کر باہر کرنے کے لئے یوم نجات سارے ہندوستان میں منایا گیا۔ اور ہر مسلمان سے مطالبہ کیا گیا کہ ؎

"مُسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ"

اور جو نہ آئے ان کے حق میں غداری کا فتویٰ عاقبت میں تا جہنم لکھدیا گیا۔ اب جناح مسٹر نہیں قائداعظم کہلاتے تھے۔ اگر وہ یورپین نما ہندوستانی .... نہ ہوتے تو شاید امیر المومنین بن جاتے۔ بہر نوع قائداعظم نے اعلان کردیا کہ تاریخ قانون کلچر غرضکہ ہر لحاظ سے مسلمانان ہند ایک جداگانہ قوم ہے۔ ان میں اور ہندؤوں میں کوئی سماجی ثقافتی یا مذہبی قدر مشترک سرے سے ہے، نہ آئندہ ہو سکتی ہے۔

اب صوبوں کی اسمبلیوں کے ضمنی انتخابات اس قومیت کی آزمائش کے لئے میدان جنگ قرار پائے اور انتخابات میں گفتگو سیاسی پروگرام کی نہیں بلکہ شریعت اور ایمان کے بارے میں ہوتی تھی۔ کانگریس کے مسلمان چاہے ابوالکلام یا حسین احمد ہی کیوں نہ ہوں کم از کم زرخرید ورنہ بے دین ضرور قرار دیئے جاتے تھے۔ فرض کیجئے کہ یہ تہمت بھی کارگر نہ ہوتی تو پھر چھرے اور ڈنڈے کی باری آسکتی تھی۔ ایک مرتد کی سزا دہی کے لئے از روئے شرع ہر کاروائی جائز ہے۔ یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے اور یہ مناظر میری آنکھوں نے درجنوں بار اور جانے کتنی جگہ دیکھے ہیں۔

منقول ہفتہ وار عوامی دور" نئی دہلی

۳ر فروری ۱۹۶۰ء

پاکستان کا بنیادی پتھر!

کانگریس کے رہنما مسلم لیگ کو مایوس کرتے وقت یہ بھول گئے کہ مسلم لیگ کی کمزور رگوں اور مردہ شریانوں میں کانگریس کا انقلابی خون پہنچ چکا ہے۔ اب کانگریس کے انقلابی خون نے مسلم لیگ کو نئی انتقامی راہ دکھائی چودہری خلیق الزماں نے اپنی وزارت کا انتقام لینے کے لئے کانگریس ردعمل کو تمام ہندوستان میں انتقامی شکل میں منظم کردیا اسی تنظیم کے پیٹ سے پاکستان کی پیدائش مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور مسلم لیگ کے اجلاس میں ہوئی اب پاکستان کانگریس کی منافرت پر بڑی تیزی سے ترقی کرنے لگا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کانگریسی اور غیر کانگریسیوں میں اختلافات کی ایسی وسیع خلیج قائم ہوگئی جو پھر کبھی پاٹی نہ جا سکی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اپنی کتاب میں کانگریس کی پہلی اور سیاسی اور بنیادی غلطی یہی بتائی ہے۔ کہ اگر کانگریس اس وقت مسلم لیگ کو اپنا کر ہم آہنگ کر لیتی تو یہ نوبت ہی نہ آتی کہ پاکستان پیدا ہوتا اور اس طرح ملک کے دو ٹکڑے ہو جاتے:

کانگریسی وزارتوں کی سیاسیات!

۱۹۳۷ء کی وزارتوں کے زمانے میں کانگریس نہ صرف لیگ ہی کو نظر انداز کر رہی تھی بلکہ وہ تمام مسلمان قوم پرست جماعتیں جن کی قربانیوں اور محنتوں سے کانگریس اپنے آپ کو ایک قومی جماعت کہلانے کی مستحق تھی انہیں بھی نظر انداز کیا جا رہا تھا۔ مسٹر کرپلانی نے اس طاقت کے زعم میں یہ اعلان کر دیا کہ ہندوستان میں مسلمان قوم پرست جماعتیں بھی فرقہ پرست جماعتیں ہیں۔ کانگریس آزادیٔ ہند کا کوئی کریڈٹ انکو دینے کو تیار نہیں کانگریسی نیتاؤں کے یہ بیانات مجلس احرار، جمعیت علمائے ہند اور دوسری تمام قوم پرور آزاد خیال مسلمان جماعتوں کے لئے توہین آمیز تھے۔ مولانا محمد میاں نے تو یہ بیان دیا جس کا عنوان تھا "آچاریہ کرپلانی کو سمجھاؤ انہیں کیا ہو گیا"۔ کانگریس کی وزارتی سیاست کے متعلق مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ ناظم جمعیۃ علمائے ہند کے حسب ذیل مکتوبات سے بھی اس زمانے کی سیاست پر روشنی پڑتی ہے۔ جو انہوں نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے نام لکھے تھے۔

مکتوبات مولانا احمد سعید صاحب

۲۵ مارچ ۳۸ء۔ محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب زید مجدکم

السلام علیکم۔ آپ کو معلوم ہے کہ ڈھائی ماہ کے بعد برما سے واپس ہوا یہاں پہنچکر تبادلہ خیال کا موقع نہ ہوا تھا۔ کہ آپ گرفتار ہو گئے۔ اچھا ہوا آپ کی ضمانت ہو گئی۔ یہاں کی پارٹی میں جو صورت حال درپیش ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔

ذاتی اغراض اور ذاتی منافع کے پیش نظر یا جماعتی وقار یا استحکام کے مدنظر مختلف کھیل کھیلے جا رہے ہیں۔ مسلم لیگ اور کانگریس کی باہمی کشمکش کے مقابلے میں فلسطین کی فکر ہے نہ عرب کی۔

انگریز نے ایک ایسا خوش ذائقہ لقمہ ڈال دیا ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی فکر میں مبتلا ہے۔
۔ آپ مقدمے کو چلنے دیجئے۔ میں کل آٹھ یوم کے لئے ڈابھیل اور ملا ندیر
جا رہا ہوں۔ واپسی پر انشاء اللہ پہلی ٹرین سے لدھیانہ حاضر ہوتا ہوں۔ آپ سے زبانی باتیں
کرنے کے بعد ۔ ۔ ۔ کوئی رائے قائم کروں گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر آپ کے لدھیانہ سے
باہر جانے پر پابندی نہ ہو تو آپکو دہلی بلالوں ۔ بہر حال تبادلہ خیال کی ضرورت ہے۔ مقدمے
کی نقلیں بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ اس لئے جو کچھ آپ نے کہا ہوگا وہ میں جانتا ہوں۔ امید
ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔ فقیر احمد سعید کان اللہ وکلی قاسم جان

دفتر جمعیت علماء ہند دہلی ۶

دوسرا خط

۲۹ اپریل ۱۹۳۸ء محترم مولانا سید محمد کم

السلام علیکم ۔ بہار کی واپسی پر مفصل خط ملا ۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان میں
انقلاب کی خواہش کا سب بڑا مبنیٰ یہ تھا کہ ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچے گا اور
وہ سب آزاد ہوجائیں گے۔ انہیں جذبات کے تحت ہر قسم کی جدوجہد کی گئی تھی۔ لیکن
بیس سالہ محنت کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے انگریز کی قوت بحالہ موجود ہے۔ ممالک اسلامیہ
کے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ سعودی مسلمان فلسطین کے
مسلمان عرب اور ہند کے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہماری
حالت یہ ہے کہ انگریز سے جنگ یا مسلمانوں کی امداد یا ملک کی آزادی صرف زبانوں پر
ہی رہ گئی ہے بلکہ ہمارے سامنے وزارتیں ہیں اور عہدے ہیں اور ناقص آئین کو چلانا ہے
انگریز کی پوزیشن بالکل محفوظ ہے۔ اگر کوئی حرکت کرنے کا خیال بھی آتا ہے تو سر سکندر
کی وزارتیں سامنے آجاتی ہیں۔ ان حالات میں آپ ہی فرمائیں کہ کیا کیا ممکن نہیں۔

یہ آپ نے خوب کہا کہ کانگریس کا حقیقی علاج لیگ ہے۔ یہ صحیح ہے علاج تو ایسا ہے جیسے سانپ کا علاج نیولا۔ لیکن آپ درمیان میں نہ آئیں تو بات ہے۔ آپ حکیم جی کو صحیح علاج کرنے کہاں دیتے ہیں۔ بلکہ جب وہ علاج کرنا چاہتا ہے۔ جب ہی آپ اور ہم درمیان میں آ کھڑے ہوتے ہیں"

فقیر احمد سعید کان لہٗ

گلی قاسم جان دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی ۱۲

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی گرفتاری

مارچ ۱۹۳۲ء میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کو اور راقم الحروف عزیز الرحمٰن کو منٹگمری میں فوجوں میں بغاوت پھیلانے کے الزام میں گرفتار کیا گیا اور تین دفعات کے تحت مقدمہ چلایا گیا۔ پہلی فوجوں میں بغاوت۔ دوسری ملک کے خلاف بغاوت۔ تیسری حکومت وقت کے خلاف بغاوت مقدمات کنور رشیو سنگھ مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہوئے اتفاق کی بات کہ مجسٹریٹ بھی بہت ہی جانبدار اور سمجھدار تھا۔ مقدمہ پیش ہوتے ہی اس نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کا جو پہلا بیان عدالت میں سنا تو بڑا متاثر ہوا۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن نے اپنے بیان میں کہا۔

میری تقریر کی جو رپورٹ عدالت میں پیش کی گئی ہے وہ غلط ہے اسمیں بے ربط اور بے ترتیب جملے لکھے گئے ہیں جس سے کوئی مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ میں مجلس احرار اسلام ہند کا صدر ہوں میں عدم تشدد پر یقین رکھتا ہوں اور پورے بیس سال میں نے عدم تشدد کی تلقین کی ہے اور میرا یہ بھی یقین ہے کہ عدم تشدد کے ذریعہ سے ہی ہم مکمل آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔ میرا یہ فرض ہے کہ بطور مذہبی عالم کے مسلمانوں کو شرعی احکام بتا دوں اور میرا پورا پورا مکمل فرض ہے کہ لوگوں کو سیاسی طور سے بیدار کردوں۔ جمعۃ الوداع سہ دسمبر ۱۹۳۱ء اور عید الفطر ۱۲ دسمبر ۱۹۳۱ء کے موقع پر میں نے تقریریں کی ہیں۔ یہ فقرہ جات غلط اور غیر مرتب ہیں۔

اصل فقرے یوں ہیں۔

(۱) مسلم لیگ کے ممبر جو تمکو اسلام کے نام پر کانگریس سے الگ ہونے کو کہتے ہیں۔ یہ وہ مسلمان ہیں جنہوں نے پچھلی جنگ میں تمکو فوج میں بھرتی کرا کر ترکوں سے لڑا دیا تھا اور تمہارے ہاتھوں سے عراق کو بغداد کو فلسطین کو ترکوں سے لیکر انگریزی جھنڈے کے نیچے کر دیا اس لئے یہ مسلمان جھوٹے ہیں تم ان کا مت اعتبار کرو۔ یہ اسلام کے حقیقی دشمن ہیں یہ کانگریس سے اپنے اغراض کے لئے تمکو جدا کرنا چاہتے ہیں۔ نہ کہ اسلام کے لئے۔

(۲) تم یہ کہتے ہو کہ مجھے کانگریس نے روپیہ سے خرید لیا ہے۔ سب سے زیادہ روپیہ انگریز کے پاس ہے اور اس کے بعد مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح اور راجہ محمود آباد کے پاس ہے اگر میرا ایمان بازار میں بک سکتا ہے تو انگریز کو کہو کہ وہ میرے ایمان کو خرید لے اگر وہ خرید سکتا ہے۔ انگریزوں کی ساری دولت ہی نہیں بلکہ ساری کائنات میرے ایمان کی قیمت نہیں ہو سکتی اور انگریز کی دولت کو تو میں جوتے کے تسمہ کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔

۳۔ میں کانگریس میں اس لئے آیا ہوں کہ کانگریس یہ چاہتی ہے کہ ملک میں پنچایتی راج ہو کانگریس نے روپیہ میں دس آنہ (ملک میں) جمہوریت قائم کر دی ہے۔ موجودہ حکومت تمہاری اپنی بنائی ہوئی ہے اب تم پر کوئی ظلم نہیں کر رہا بلکہ تمہارا ووٹ کر رہا ہے اب تم پر حکومت تمہارے ووٹ کی ہے تلوار کی نہیں۔ سنو جو کچھ تم پیدا کرتے ہو اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تم اپنے کھیت میں سونا پیدا کرتے ہو۔ لیکن یہ سونا تمہارے کام نہیں آتا بلکہ ان لوگوں کے کام آتا ہے۔ جن کو تمہارے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ وائسرائے سے لیکر ایک چپراسی تک کی تنخواہوں کا روپیہ تم پیدا کرتے ہو اگر تمکو سمجھ آ جائے کہ ووٹ کس طرح استعمال کیا جائے تو یہ سونا تمہارے ہی کام آنے لگے۔ میں تمہاری بھوک اور ننگے ہونے کا علاج نہیں کر سکتا نہ کانگریس کر سکتی ہے

بلکہ جو قوت ووٹ تمنے تمکو دی ہے۔ اب وہی تمہارا علاج کر سکتی ہے تمہارے قریب کانگریسی حکومتیں ہیں۔ جاؤ دیکھو کہ وہاں کے وزیر اعظم اپنے آپکو لوگوں کا خادم سمجھتے ہیں۔ اور تمہارے وزیر جنکو تمنے بنایا ہے اُن کو تمہارے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ اس لئے تمہاری حالت کبھی بہتر نہیں ہو سکتی۔

(۴) ہم ہر گاؤں میں کانگریس مجلس احرار قائم کرنے میں تمہاری مدد کریں گے۔ کیونکہ ہر گاؤں میں کانگریس قائم ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ مسلمانوں کے کسی گاؤں ضلع لدھیانہ میں کانگریس قائم نہیں تم مجھسے پوچھو گے کہ ان دو سیاسی جماعتوں کے بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ کانگریس ہندوستان کے اندرونی اصلاح اور ملک کی کامل آزادی کے لئے ضروری ہے۔ اور مجلس احرار کی اس لئے ضرورت ہے کہ تمام دُنیا میں مسلمان بستے ہیں۔ اس لئے تمام دُنیا کی مسلمانوں کی ہمدردی کے لئے کام کرنے کی ضرورت ہے اس بنا پر ایک مسلم پولیٹیکل جماعت کی ضرورت ہے۔ اور یہ مجلس احرار ہے جب میں کانگریس میں ہوں تو صرف ہندوستانی ہوں اور جب میں مسلمان ہوں تو بین الاقوامی ہوں۔

(۵) میں اب آپ کے سامنے مسئلہ فلسطین ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ فلسطین اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بیت المقدس ہے۔ جہاں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کیا اور جس کا قرآن میں ذکر ہے۔ یہ علاقہ بارہ سو برس تک مسلمانوں کے قبضہ میں رہا تم مسلمانو نے گذشتہ جنگ میں ہلال کا جھنڈا اتار کر وہاں پر صلیب کا جھنڈا لگایا! آج فلسطین میں انسانیت سوز کام ہو رہے ہیں یہ کس کی امداد سے ہو رہے ہیں ہندوستانیوں کی امداد سے اور بالخصوص مسلمانوں کی امداد سے ہو رہے ہیں۔ وہاں کے مفتی اعظم کو بندرہ دن ہوئے پھانسی دی گئی ہے۔ عورتوں کو دس دس سال کی سزا دی گئی ہے۔ انگریز کی قوت اور یہود کی دولت یہ دونوں ملکر

وہاں کے عربوں کو ہمیشہ کی غلامی پر مجبور کر رہے ہیں۔ ان کی ہمدردی کے لئے ہم کیا کر سکتے ہیں، سنو آل انڈیا کانگریس کے لیڈر جواہر لال نہرو آل انڈیا فلسطین کمیٹی آل انڈیا مجلس احرار اور جمیعت علمائے ہند نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم فلسطین کی امداد تین طریقوں سے کر سکتے ہیں۔ اول دربار تاج پوشی کا مقاطعہ۔ ۲ انگریزی مال کا مقاطعہ ۳۔ آئندہ جنگ میں ہر قسم کی امداد کا مقاطعہ۔

تجویز آل انڈیا مجلس عمل فلسطین منعقدہ میرٹھ ۲۹-۳۰-۳۱ اکتوبر ۳۷ء

اس لئے تمہیں فوج میں کبھی بھرتی نہیں ہونا چاہئیے قرآن عزیز کا حکم ہے کہ جو مسلمان کسی غیر مسلم حکومت سے مل کر کسی مسلمان حکومت کیخلاف لڑے وہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔ اور قرآن کی زبان میں اسے منافق کہتے ہیں۔ اور منافق کی سزا جہنم میں سب سے نیچے کا درجہ ہے۔ منافق اس کو کہتے ہیں جس کی ظاہری زندگی بالکل مسلمانوں کی سی ہو۔ اور اس کا عمل اور اندرونی یقین اسلام کے خلاف ہو، سنو تم مجھے کہتے ہو کہ میں کانگریس اور جواہر لال کو چھوڑ دوں اس لئے کہ جواہر لال دہریہ اور لامذہب ہے۔ جواہر لال دہریہ کہتا ہے فلسطین کے مسلمانوں کے خلاف بھرتی مت دو اور بیرونی مسلمانوں کے غلام بنانے کیلئے انگریزوں کی مدد کرو۔ اور تمہارا بنا یا ہوا مسلمان وزیر اعظم (پنجاب) لاہور میں ڈنیر لائے کو بلا کر دربار کرتا ہے۔ اور وائسرائے کے سامنے تقریر کی ہم نے پچھلی جنگ میں پانچ لاکھ کے قریب بھرتی دی تھی اور یہ کہا کہ ہم آئندہ جنگ میں زیادہ سے زیادہ بھرتی دینے کو تیار ہیں۔ یہ کون کہہ رہا ہے ر اسلام کا محافظ سکندر حیات اس کا ساتھی کون ہے میاں عبدالحئی جس کو تم نے وزیر بنایا ہے۔ یہ دونوں امیر ہونے کے فاداہیں تین تین ہزار کے لئے اپنا ایمان فروخت کر چکے ہیں اگر یہ مسلمان ہوتے تو مستعفی ہوجاتے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ہندو اور کانگریس کا دشمن کہتے ہیں۔ لیکن ہندوستان کے باہر اسلامی حکومتیں ہیں۔ جن کو تم غلام بنانے کے لئے جاؤ گے! وہاں ہندو اور سکھ نہیں بستے ہیں۔ اور نہ وہاں اور سکھوں کی حکومتیں ہیں۔ سنو اگر تمہیں کسی نے

یالالچ یا دھوکہ سے یہ اسلام کے دشمن فوج میں بھرتی کرادیں تو وہاں جا کر کبھی کسی مسلمان پر گولی نہ چلانا بلکہ پر امن انجاحت کرنا خود مر جانا لیکن کسی انگریزی افسر کے حکم کے ماتحت کسی مسلمان کو قتل نہ کرنا یہ جو کچھ میں نے کہا ہے قرآن عزیز کا حکم ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ ایک مومن جو ہم پہ ہتھیار اٹھاتا ہے۔ وہ ہم میں سے نہیں۔

(۶) تم ہندوؤں سے ڈرتے ہو کہ ہیں کھا جائیں گے۔ ارے جو مرغی کی ایک ٹانگ نہیں کھا سکتا وہ تمہیں کیا کھا جائے گا۔ ڈرنا ہندوؤں کو چاہیئے کہ تم سے کم ہو رہیں وہ صرف چھ صوبوں میں ہیں تمام سرحدات پر تم رہتے ہو۔ تمہارا فرض ہے کہ تم ان کو اپنے عمل سے یقین دلاؤ کہ ہندوستان کی آزادی کے بعد کسی کو باہر سے آنے نہیں دو گے بھائی پر مانند اگر بزدلی کی بات کرتا ہے تو وہ سچا ہے تم اس کو یقین دلاؤ کہ ہندوستانی جمہوریت قائم ہونے کے بعد وہ ہندوستانیوں کی ہوگی۔ بیرونی طاقتوں کا مقابلہ صرف مسلمان کریں گے تمہارا دشمن ہندو نہیں ہے بلکہ وہ ہے جس نے ہندوستان کی حکومت تمہارے ہاتھ سے چھین لی۔ اب اس حکومت کو واپس لینا بھی تمہارا فرض ہے۔

(۷) اٹلی میں مسولینی جرمن میں ہٹلر جو کہ دونوں میں سے ایک لوہار کا بیٹا اور ایک بڑھئی کا ہے اگر جمہور کی امداد سے وہ ملک کے ڈکٹیٹر ہو سکتے ہیں کیا یہ ممکن نہیں کہ تم میں سے کوئی ایسا نکل آئے اپنے آپ کو عاجز نکما اور ذلیل مت خیال کرو ممکن ہے تم میں ہٹلر اور مسولینی موجود ہوں پہلے خیال کو بلند کرو پھر عمل کا وقت آئے گا!

میرا عقیدہ اور میرا ایمان

(۱) میں نے قرآن عزیز سے یہ پایا کہ مسلمان وہ ہے جو اللہ پر ہر چیز نثار کر دے اسلام کو بلند کرنے کے لئے قربان ہونا ایک سچے مسلمان کی تعریف ہے۔ مسلمان کے سامنے زندگی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام کے نزدیک یہ زندگی زندگی نہیں بلکہ

اُن کے نزدیک آموت کی زندگی ہے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ظالم کے سامنے
سر نہیں جھکایا۔ جو مسلمان تھا۔ تم نے اس ظلم کے سامنے سر جھکا دیا جو کافر بھی ہے۔
مسلمان کی تعریف سچائی کے لئے انقلاب کرنا ہے۔

(۹) جو نماز روزہ اور عبادت کرنے والا ظالم کی مدد کرے۔ اور اسلام کے مقابلہ میں کفر کا ساتھ دے۔ اس کی نماز نماز نہیں نہ عبادت عبادت ہے ظلم کی حمایت کرنے کے بعد اپنے آپ کو دیندار سمجھنا اپنے آپ کو فریب اور دھوکہ دینا ہے۔

(۱۰) میں نے لوگوں سے پوچھا کہ تم امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور یزید سے واقف ہو۔ لوگوں نے کہا ہاں پھر پوچھا جو جنگ امام حسین اور یزید میں ہوئی ان میں کون حق پر تھا اگر امام حسینؑ حق پر تھے تو تم ۔ ۔ ۔ ۔ باطل پر ہو اور اگر تم حق پر ہو تو یزید حق پر تھا۔
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے صرف یزید کی بیعت سے انکار کیا یعنی اسکو اپنا ووٹ نہیں دیا حالانکہ وہ مسلمان تھا اور صحابی کا بیٹا تھا انہوں نے اپنی جان دے دی اور بچے کٹوا دیئے مگر ایک ظالم اور غیر جمہوری حکومت کی اطاعت نہیں کی حضرت امام حسین رضی اللہؓ نے اس لئے بیعت سے انکار کیا کہ یزید کو حکومت وراثت میں ملی تھی۔ اور وہ شخصی حکمران تھا۔ اسلام کا قانون غیر جمہوری حکومت کو برداشت نہیں کر سکتا تم میں اگر ایمان ہے اور اگر تم مسلمان ہو تو کم از کم موجودہ حکومت سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کرو۔ اور اعلان کر دو کہ ہم انگریزی حکومت سے خوش نہیں ہیں تم کہتے ہو کہ یہ حکومت اسلام میں مداخلت نہیں کرتی۔ کیا شراب کی علانیہ فروخت زنا کی عام اجازت اسلام کے حکم کے مطابق ہے کیا اسلام کا یہ حکم نہیں کہ زانی کو درے مارے جادیں۔ یا پتھر۔ کیا اسلام کا یہ حکم نہیں کہ شراب پینے والے کو درے لگاؤ۔ پھر کیا یہ حکومت اسلام کی حکومت ہے۔ انگریزی حکومت کا یہ کہنا کہ ہم نے مذہب کی آزادی دے رکھی ہے غلط ہے بلکہ اس نے مذہب سے آزادی دے دی ہے۔

۱۱۔ انگریز پرست مسلمان ہر طرف یہ پروپگنڈا کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کے دشمن ہندو ہیں۔ حالانکہ اسلام اور مسلمان حکومت کو تباہ کرنے والی انگریز حکومت ہے۔ فلسطین پر آج کون ظلم کر رہا ہے عراق کو کس نے تباہ کیا ہے۔ قبرص اور عمان پر کس کا قبضہ ہے ایران و افغانستان کس سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔ ترکی کی حکومت کو کس نے تباہ کیا ہے۔ صرف انگریز حکومت نے۔ مگر تمہاری مدد اور تمہارے روپیہ سے اگر تم ہندوستان کے مسلمان صرف خاموش ہو جاتے۔ یعنی بیرونی مسلمانوں کی نہ مخالفت کرتے نہ امداد تب بھی دنیا اسلام انگریزی دست و برد سے بچ جاتی۔

۱۲۔ یہ فقرہ متعلق ہے فقرہ ۵ سے میں نے کہا تھا کہ میں تمہارا اپنا بیٹا ہوں مگر تم کو جگاتا ہوں کہ تمہارا ایمان لٹ نہ جائے لیکن تم نے اپنے اس وفادار بیٹے کو ڈاکوؤں کے سپرد کر دیا۔ اور تم نے ڈاکوؤں سے کہا کہ یہ ہمیں سونے نہیں دیتا۔ تم اسکو مار ڈالو۔ تم نے اپنے ووٹ سے ان لوگوں کو ہم پر قابض کر دیا۔ جو اسلام کے دشمن ہیں تم کہتے ہو کہ افغان اور ترک فلسطین والوں کی مدد کیوں نہیں کرتے وہ تم سے ڈرتے ہیں اگر انہوں نے فلسطین کے مسلمانوں کی مدد کی تو تم فوج میں بھرتی ہو کر پہلے کی طرح اُن سے لڑنے جاؤ گے۔ میرے دل کی اور کوئی خواہش نہیں کہ میں دنیا میں ایمان پر رہوں اور اسی پر میرا خاتمہ ہو۔

سوالوں کے جواب کے بعد .... عدالت نے سوال کیا کہ یہ مقدمہ آپ پر کیوں چلایا گیا ہے۔ مولانا نے جواب میں کہا کہ یہ مقدمہ مجھ پر اس لئے چلایا گیا ہے کہ میں موجودہ وزارت کے خلاف ووٹروں میں پروپگنڈا کرتا ہوں۔ کیونکہ میں اس وزارت کو ملک اور اسلام کے لئے خطرناک سمجھتا ہوں۔ اس قسم کی تقریریں میں نے پہلے بھی کی ہیں اور دوسرے صوبوں میں بھی کی ہیں لیکن ان کے خلاف کوئی نوٹس نہیں لیا گیا۔ میں اپنا قانونی حق سمجھتا ہوں کہ اس وزارت کے خلاف پروپگنڈا کروں کیونکہ جمہوری حکومت کو اس کے سوا بدلنے کا کوئی طریقہ نہیں۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے اس بیان کو سنکر مجسٹریٹ نے دفعہ ۲۵ دفعہ
توڑ دی۔ اور تیسری دفعہ ایکسویں الف رہنے دی اور مولانا کی ضمانت لے لی مجسٹریٹ
نے ضمانت لیتے ہوئے فیصلے میں لکھا کہ فوجوں کی دفعہ اس وقت جاری ہوتی ہے۔ جب کوئی
شخص فوجوں کے اندر جاکر فوجوں کو بغاوت کیلئے کہے مولانا کی تقریر سیاسی اور مذہبی ہے
سیاسی اور مذہبی طور پر اپنی رائے ظاہر کرنے کا انہیں حق حاصل ہے۔ اور دفعہ ایکسویں کے
تحت مقدمے کی سماعت ہوگی۔ چنانچہ مقدمہ لڑا گیا۔

مجسٹریٹ مولانا کی حق گوئی سے معتقد ہوگیا تھا۔ اس لئے اس نے مولانا کو بری کر دیا
اس کے خلاف حکومت پنجاب نے ہائی کورٹ میں اپیل کی لیکن مقدمے کا فیصلہ اسقدر مضبوط
قانونی دلائل سے لکھا گیا تھا کہ ہائی کورٹ میں بھی حکومت پنجاب کو شکست ہوئی۔ اور فیصلے
کے خلاف اپیل خارج کردی گئی۔

دوسرا فیصلہ

بعدالت جناب کنور شیو سنگھ صاحب پی۔ سی ایس مجسٹریٹ درجہ اول با ختیارات خصوصی
برائے سماعت مقدمہ زیر دفعہ ۱۲۴ ۔ اے تعزیرات ہند ضلع لودھیانہ

فوجداری مقدمہ ۱/۳۳ ۲/۹۵ آف ۱۹۳۸

مقدمہ دائر ہونے کی تاریخ ۳/۳۸ ۱۰

تاریخ فیصلہ ۵/۳۸ ۶

سرکار قیصر ہند۔ بنام مولوی عزیز الرحمٰن صاحب ولد مولوی حبیب الرحمٰن صاحب
ساکنہ لودھیانہ

جرم زیر ضابطہ ۱۲۴۔ اے ، ۱۵۳ ۔ اے۔
تعزیرات ہند

عزیز الرحمٰن عمر بیس سال پسر مولوی حبیب الرحمٰن صاحب زیر دفعہ ۱۲۴۔ اے و ۱۵۳۔ اے تعزیرات ہند حکومت مقامی کی اجازت سے فسادات اور فرقہ وارانہ نفرت پھیلانے کے جرم میں اس تقریر کے سلسلہ میں جو مجرم نے ۱۰ دسمبر ۳۷ کو شاہی مسجد میں عام جلسہ کے روبرو کی تھی۔ گرفتار کیا گیا۔

یہ نہایت افسوسناک امر ہے کہ بعض اوقات ایسی اہم تقریروں کی رپورٹ کرنے کا کام ادنیٰ پولیس افسروں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ جو نا تجربہ کاری اور کم علمی کی وجہ سے ان تمام باقاعدگیوں اور طریقہ ہائے عمل کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ جن سے وہ تمام شبہات دور ہو جاتے ہیں۔ جو ایسی ڈائریوں کی صحت کے متعلق پیدا ہوتے ہیں۔ جو ایسے جلسوں میں تیار کئے جاتے ہیں۔ جہاں ان کی حرکات کا پبلک بھی بغور مطالعہ کرتی رہتی ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں۔ کہ ایسی ڈائریوں کی باضابطہ تیاری کے متعلق جو پہلے شارٹ ہینڈ میں قلمبند کی جاتی ہیں۔ اور پھر جلسہ کے اختتام پر ضبط تحریر میں لائی جاتی ہیں کوئی مضبوط قوانین نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ مقررین اور اکثر ارباب سیاست کے چالان کا انحصار انہیں شارٹ ہینڈ میں لکھی ہوئی تقریروں پر ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی تیاری اور تکمیل میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ تاکہ ان اقتباسات کے متعلق یقین کامل ہو جائے بعض اوقات یہ خیال کیا جاتا ہے اور اکثر صفائی کی طرف سے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ شارٹ ہینڈ نوٹ جو جلسہ میں تیار کئے گئے تھے۔ بعد میں تبدیل کر دیئے گئے ہیں۔ اور ایسے تمام مقدمات میں یہ ضرور کہا جاتا ہے۔ کہ ان کی ترتیب بدل دی گئی ہے۔ ایسے تمام شبہات اور تہمتوں سے بچنے کے لئے یہ محفوظ طریقہ ہے۔ کہ شارٹ ہینڈ میں نوٹ اس کاپی میں لئے جائیں جو اس کام کے لئے مخصوص ہو۔ اور کاپی کے ہر صفحہ پر شروع سے آخر تک تقریر کے ختم ہونے تک بعد کو جلسہ ہی میں با عزت اشخاص کے دستخط کرا لئے جائیں۔ پھر تھانہ میں پہونچتے ہی اسے لانگ ہینڈ میں کر لیا جائے۔ اور اسکو ان کے کسی ذمہ دار افسر کی موجودگی میں پڑھکر انہیں گواہان سے تصدیق کرائی جائے۔ اس کے بعد انہیں ایک سربمہر لفافہ میں سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بھیج دیا جائے

میں سمجھتا ہوں۔ کہ اکثر با عزت اشخاص علانیہ طور پر پولیس کی ایسی ڈائری کی تصدیق کرنے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔ اور انکار کرتے ہیں مبادا کہ وہ پبلک کی نظروں میں ذلیل ہو جائیں۔ لیکن اس وجہ سے اس امر کی اہمیت اور پولیس کی ذمہ داری کم نہیں ہو جاتی۔ کہ وہ نہایت درجہ عزت دار اور آزاد رائے رکھنے والے گواہ حاصل نہ کرے۔ جو اِن کے تمام افعال و اعمال کی گواہی دیں۔ جن پر کہ پبلک کی طرف سے سخت نکتہ چینی کا احتمال ہے حکومت کی منظوری حاصل کرنا ایسے چالانوں کے لئے ایک عام دستور ہے جو دیدی جاتی ہے اور اس کا انحصار بھی ان واقعات پر ہے جو حکومت کی توجہ اور حکم کے لئے مہیا کئے جاتے ہیں اس سے استغاثہ کو کوئی مدد نہ ملنی چاہئیے۔ کہ وہ اس اجازت کو غیر ضروری اہمیت دیں کہ چونکہ حکومت نے اجازت دیدی ہے۔ اس لئے کسی قسم کی تھوڑی سی شہادت مقدمہ کو کامیاب بنا دینے کے لئے کافی ہے۔ غالباً اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ استغاثہ کی کامیابی کا تمام تر انحصار واقعات پر ہے جنکو ثابت کرنا ضروری ہے تاکہ وہ تمام شبہات سے بالا اور بالکل صحیح ہوں اور یہ نہایت اہم فریضہ استغاثہ کو انجام دینا ہوتا ہے۔

یہ تمام امور اس مقدمہ میں کامیاب نہیں ہو سکے جیسا کہ مقدمہ کی حقیقت پر بحث سے ثابت ہے۔

ان تمام ایک دوسرے کی تردید کرتے ہوئے بیانات کی موجودگی میں استغاثہ کے ثبوت کے لئے کوئی بنیاد نہیں ہے۔ ملزم نے صفائی پیش کرتے ہوئے استغاثہ کے ثبوت کے نقائص کا اتنا یقین کر لیا کہ اس نے کوئی صفائی پیش نہ کی۔ اور اپنے مقدمہ کی ثبوت میں صرف شہادت استغاثہ کی نقائص پر بحث کی۔ اپنے بیان میں اس نے تسلیم کیا کہ اس نے جلسہ میں تقریر کی مگر وہ تقریر جو رپورٹ کی گئی ہے۔ اس کی نہیں ہے۔ ان تمام نقائص کی وجہ سے جو ان مختصر ثبوت میں موجود ہیں جو استغاثہ نے پیش کیا ہے بالکل غلطی ہوگی۔ اگر ملزم کو اس جرم میں گرفتار کیا جائے۔ جو اس سے منسوب کیا گیا ہے۔ . . .

اور استغاثہ کے گواہان کے بیانات کی موجودگی بعد جرح بنفس مقدمہ اور واقعات کے متعلق ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں۔ اور یہ طریقہ جس سے نوٹ لئے گئے اور پانچ گھنٹے کے وقفہ کے بعد تصدیق کر لئے گئے جن کا حقیقی ہونا ملزم کے اس بیان سے زیادہ معرض شک میں پڑ جاتا ہے کہ کاغذات جو تقریر کو نوٹ کرنے کے لئے استعمال کئے گئے برادن رنگ کے ہیں چنانچہ میرے خیال میں یہ محال ہے کہ ملزم کو اس تقریر کی وجہ سے جو اس کے خلاف رپورٹ کی گئی ہے مجرم قرار دوں۔ جیسا کہ اوپر بحث کی گئی ہے اور میں حکم دیتا ہوں کہ ملزم عزیز الرحمٰن کو اس سے بری کر دیا جائے:

حکم سنایا گیا   دستخط کنور شیو سنگھ

مجسٹریٹ با اختیارات خصوصی

مجسٹریٹ پر سکندری عتاب

کنور شیو سنگھ صاحب نے دلیری اور جرأت سے دونوں فیصلے کئے۔ لیکن سکندری حکومت اور حکومت ہند کو مجسٹریٹ کے انقلابی فیصلے پسند نہ آئے یہ ہندوستان کی تاریخ میں پہلا واقعہ تھا۔ کہ انگریزی حکومت کے مجسٹریٹ نے جرأت اور دلیری کے ساتھ حکومت کے خلاف فیصلہ دیا ہو حکومت ہند نے اس فیصلہ سے مجبور ہو کر مرکزی اسمبلی سے آرڈی ایکٹ پاس کر دیا۔ تاکہ ہندوستان کی جمہوری آزادی کو سلب کر لیا جائے یا کم از کم پنجاب کے فوجی صوبے میں "احرار" کو سزا دینے کے لئے قانون کا سہارا لیا جا سکے۔ حکومت پنجاب نے ان فیصلوں کے بعد کنور صاحب کو ڈیرہ غازیخاں کے جنگلی علاقہ میں تبدیل کر دیا۔ یہ تبدیلی گویا کنور صاحب کو بطور سزا کے دی گئی۔ کیونکہ پنجاب کا یہ علاقہ نہ صرف یہ کہ جنگلی علاقہ تھا، بلکہ یہاں آئے دن علاقہ کے زمینداروں کے اشارے پر بڑے بڑے آدمیوں کو قتل کر لیا جا سکتا تھا۔ اور اس علاقہ کا قاتل کبھی گرفتار نہیں ہوا۔ کنور صاحب بھی ہوشیار تھے وہ خوب سمجھے تھے کہ ان کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے چھ سال کی عمر کی رخصت لے لی اور اطمینان سے گھر میں آرام کرنے لگے ان کی رخصت سکندری حکومت کی ایک اور شکست تھی!

احرارؒ

جنگ عظیم ——— کے خلاف پہلی آواز
گرفتاریوں ——— اور ——— نظر بندیوں
——— کے اعداد و شمار ———
۱ ستمبر ۳۹ء تا مئی ۴۳ء

صوبہ پنجاب	تین ہزار احرار کارکن گرفتار ہوئے ۵۴ لیڈر نظر بند کئے گئے
صوبہ سرحد	ایک ہزار احرار کارکن گرفتار ہوئے ۱۰ نظر بند۔
صوبہ یوپی	ایک ہزار کارکن گرفتار ہوئے۔
صوبہ بنگال	پانچ صد احرار رضا کار گرفتار ہوئے۔
صوبہ بمبئی	ایک ہزار احرار کارکن گرفتار ہوئے۔
صوبہ بہار	ایک ہزار احرار کارکن گرفتار ہوئے۔

ان تمام گرفتار ہونے والوں کو دو سال سے پانچ سال تک کی طویل سزائیں دی گئیں یہ وہ زمانہ تھا۔ جب گاندھی جی انفرادی سول نافرمانی کی تحریک چلا رہے تھے۔ اور انگریز کانگریس سے صلح کرنے کی کوشش میں تھا۔ لیکن مجلس احرار ہند نے جو پالیسی ۱ ستمبر ۳۹ء کو بنائی تھی۔ اس پالیسی کو ۱۵ اگست ۴۲ء کو کانگریس نے اجلاس بمبئی میں پاس کیا۔ ہندوستان کا دیانتدار مورخ احرار کی قربانیوں کو ہمیشہ سنہری حروف میں لکھنے پر مجبور ہے۔

جنگ کا آغاز

۱۹۲۰ء

احرار سول نافرمانی

جنگ کا آغاز اور احرار سول نافرمانی!

ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمنی نے اچانک جنگ کا آغاز کر دیا۔ مجلس احرار کی ورکنگ کمیٹی نے ۱۱ ستمبر ۱۹۳۹ء کو جنگ کے خلاف تجویز پاس کر دی۔ جنگ کے خلاف تحریک چلانے کے لئے شیخ حسام الدین صاحب مجلس احرار کے صدر منتخب کئے گئے اور شورش کشمیری جنرل سکرٹری

جنگ کے خلاف تجویز کے پاس ہوتے ہی تمام ہندوستان میں احرار رضاکاروں اور لیڈروں کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ شورش کشمیری کتاب عطاء اللہ شاہ بخاری میں احرار کی اس تحریک کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

دوسری جنگ عظیم

ابھی شہید گنج کے زخموں کا کھرنڈ باقی تھا کہ احرار نے آر سی بل کی مخالفت کا ڈول ڈالا یہ بل یورپ کے جنگی امکانات کی وجہ سے سنٹرل اسمبلی میں زیر بحث تھا ستمبر ۱۹۳۹ء میں ہٹلر نے ڈینزگ پر حملہ کر کے دوسری عالمگیر جنگ چھیڑ دی گویا احرار رہنما اسی دن کی راہ دیکھ رہے تھے۔ چودھری افضل حق نے چھ ماہ قبل ۷/اپریل ۱۹۳۹ء کو آل انڈیا احرار کانفرنس پشاور میں صدارتی ایڈریس پڑھتے ہوئے کہا تھا۔

جنگ تقاضائے مبرم بنکر مغرب کے سروں پر کرگس کی طرح منڈلا رہی ہے۔ یہ نازک اور مغلوب قوموں کو خبردار ہونے کا اشارہ ہے۔ برطانوی سرکار میدان جنگ میں پہلا گولہ پھینکنے سے پیشتر نیاز مندی کا نمونہ بن کر سامنے آئے گی۔ احرار شہنشاہیت کی اس مصیبت کو غلاموں کے لئے رحمت خیال کرتے ہیں۔ از آنکہ وہ جنگ کو ہندوستان و دنیائے اسلام کے لئے حصول آزادی کا بہترین موقع سمجھتے ہیں۔ ہمارا فرض ہوگا کہ ہم اس موقع پر فائدہ اٹھا کر برطانوی شہنشاہیت پر ضرب لگائیں:

چنانچہ احرار ہائی کمانڈ کا ایک فوری اجلاس ۱۳ ستمبر کو امرتسر میں منعقد ہوا جس میں فوجی بھرتی کے خلاف جدوجہد کا فیصلہ کیا گیا۔ ساڑھے چھ ماہ کے بعد تمام چیدہ چیدہ احرار رہنما جیل خانے میں تھے۔ کانگریس نے احرار کے اس فیصلے کو عاجلانہ قرار دیا۔ مسلم لیگیوں نے تعاون کی پیش کش کی اور ایک متحدہ محاذ بنانے کے لئے گفت گو بھی ہوتی رہی لیکن فوری گرفتاریوں سے مشترک محاذ کا مسئلہ کھٹائی میں پڑ گیا۔

احرار کو اس عاجلانہ اقدام کی بہت زیادہ قیمت ادا کرنی پڑی۔ کانگریس نے نظر انداز کیا۔ بالخصوص پنجاب کے کانگریسی زعماء احرار کی نسبت سر سکندر حیات خاں کے زیادہ قریب تھے۔ انگریز نے اپنے گماشتوں کی معرفت احرار کو طویل سے طویل سزا دے کر بزعم خویش خوار کیا۔ جیلوں میں احرار قیدیوں کے ساتھ بدتر سلوک ہوتا رہا۔ گوجرانوالہ کے ایک ہندو مجسٹریٹ نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ احرار سے اخلاقی قیدیوں جیسا سلوک کیا جائے۔ اس پر بڑے بڑے دیش بھگت منہ میں گھنگنیاں ڈالے بیٹھے رہے۔ المختصر احرار نے اس مارکہ میں سخت سے سخت اذیتیں سہیں۔ استبداد کو خندہ پیشانی سے قبول کیا حتیٰ کہ موت و حیات کے درمیان کوئی راہ باقی نہ رہ گئی۔ چودھری افضل حق جان لیوا مرض میں مبتلا ہو کر اور چند ہی مہینوں میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ احرار کے سبھی ممتاز کارکن جیلوں میں تھے۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی جو احرار کے ہمیشہ سے صدر چلے آ رہے تھے۔ ایک بے میعاد زمانہ نظر بندی دھرم سالہ جیل میں گزار رہے تھے!

حبیب سوبھاش اور حبیب گاندھی ملاقات

جنگ کے خلاف احرار رہنماؤں کے گرفتار ہونے کے بعد رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے جو کہ اس تحریک کی خاموشی سے رہنمائی کر رہے تھے۔ انہوں نے راقم الحروف کو مجلس احرار اسلام ہند کا آفس سیکرٹری مقرر

کیا اور خود تمام ہندوستان میں دورے شروع کئے۔ سول نافرمانی کے سلسلے میں دہلی
میں سر سبھاش چندر بوس سے ملاقات کی اور اس کے علاوہ گاندھی جی جب دہلی میں
وائسرائے سے ملنے آئے تو مہاتما گاندھی سے دلی سے لیکر فریدآباد تک ٹرین میں ملاقات کی
اور مہاتما گاندھی جی کو احرار سول نافرمانی کا حال بتایا۔ گاندھی جی نے تحریک سول نافرمانی
سے ہمدردی ظاہر کی لیکن یہ کہا کہ احرار کے ساتھ صوبہ کے تمام مسلمان نہیں ہیں کیونکہ مجلس احرار
نے دیہات کے مسلمانوں میں پورا کام نہیں کیا۔ گاندھی جی نے مزید فرمایا کہ انفرادی سول نافرمانی
کے ذریعہ جنگ کے خلاف اتنا وسیع پروپیگنڈا کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے ایک ایک کونے
اور گوشے گوشے میں لوگ جنگ کے خلاف میری آواز کو سن لیں اس پر مولانا حبیب الرحمٰن
صاحب نے گاندھی جی سے کہا کہ آپ کی وائسرائے سے بار بار ملاقات ہندوستان کی تحریک
آزادی کو نقصان پہنچائے گی۔ گاندھی جی نے اس پر فرمایا کہ میں وائسرائے کو اور انگریزی حکومت
کو ایسی پوزیشن میں ڈالنا چاہتا ہوں کہ تحریک سول نافرمانی کا تمام الزام انگریز کے سر رہے
انتہائی نرم شرائط پر بھی اگر انگریز صلح کرنے پر تیار نہ ہوگا تو کانگریس سول نافرمانی کرنے میں
حق بجانب ہوگی۔

واردھا کو روانگی

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی دہلی سے لوٹ کر لاہور پہنچے۔ مولانا
محمد داؤد غزنوی سے سارے مسئلے پر گفتگو کی اور یہ بات طے ہوئی کہ گاندھی جی کی رہنمائی
میں سول نافرمانی کی تحریک چلانے کے لئے چودھری افضل حق صاحب اور مولانا مظہر علی
صاحب سے جیل میں بات چیت کی جائے۔ مولانا سید داؤد غزنوی نے چودھری افضل حق
صاحب اور مولانا مظہر علی سے یکم اکتوبر کو ملاقات کی اور یہ بات طے ہوئی کہ رئیس الاحرار
مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی۔ واردھا جاکر مہاتما گاندھی، مولانا ابوالکلام آزاد اور

پنڈت جواہر لال نہرو سے بات چیت کریں اس سلسلے میں ۱۰ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کو مولانا سید داؤد غزنوی نے حسب ذیل خط مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے پاس لدھیانہ لکھا۔

۱۰ر اکتوبر ۱۹۳۹ء - لاہور

مولانا مکرم السلام علیکم و رحمۃ اللہ

امرتسر کے احباب کے فیصلہ اور چودھری افضل حق اور مولانا مظہر علی صاحب کی تائید و توثیق کے بعد یہ اطلاع عرض کر رہا ہوں کہ یہ عاجز اور آپ دونوں واردھا جا کر مولانا ابوالکلام آزاد، پنڈت نہرو، مہاتما گاندھی سے ملاقات کریں اور موجودہ حالات کے متعلق جو پنجاب میں پیش آرہے ہیں اس کے تمام پہلوؤں پر ان سے گفتگو کریں اور بہت سی باتیں حیطۂ تحریر میں نہیں آسکتیں اس لئے یہ عاجز ہفتے کی شام کو لاہور سے براستہ امرتسر و لدھیانہ عازم دہلی ہو جائیگا آپ اگر لدھیانہ میں تشریف فرما ہیں تو لدھیانہ سے ہی مجھے ملجائیے۔ نہیں تو دہلی ریلوے اسٹیشن پر ملجائیے

والسلام علیکم فقیر بارگاہ محمدی

محمد داؤد غزنوی

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی دلی سے ۱۵ر اکتوبر کی صبح کو دہلی سے واردھا روانہ ہو گئے۔ واردھا ہو کر ان دونوں رہنماؤں نے پنڈت جی اور مولانا ابوالکلام آزاد سے کانگریس احرار سول نافرمانی کے متحدہ محاذ کے متعلق گفتگو کی۔ پنڈت جی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے احرار سول نافرمانی کی تائید کی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک فارمولا بنایا جس کے مطابق احرار سول نافرمانی مہاتما جی کی رہنمائی میں دیدی جائے اور مہاتما جی اعلان کریں کہ احرار کی سول نافرمانی جس میں ہزاروں والنیٹر جیل میں جاچکے ہیں وہ میرے پروگرام کے مطابق کانگریس کی سول نافرمانی سمجھی جائے۔

واردھا کے قیام کے دوران میں جبکہ آل انڈیا کانگریس کا اجلاس وہاں ہو رہا تھا رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور مولانا سید داؤد غزنوی نے بڑی

کوشش کی کہ کسی طرح گاندھی جی سے ملاقات ہو جائے۔ لیکن پنجاب کانگریس کے لیڈر میاں افتخار الدین اور ڈاکٹر گوپی چند کے اشارے پر مسٹر پیارے لال سکرٹری گاندھی جی نے ان دونوں رہنماؤں کو گاندھی جی سے ملنے کا وقت نہ دیا اور مولانا آزاد کے جو فارمولا بنایا تھا اسے بھی گاندھی جی کو دکھانے سے انکار کر دیا۔

لاہور میں احرار رہنماؤں کے مشورے

واردھا سے لوٹ کر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے اپنے صاحبزادے مولانا خلیل الرحمٰن کو تحریک کا ڈکٹیٹر بنا دیا۔ اور مولانا آزاد کے فارمولے کے مطابق دفتر احرار لاہور میں مجلس مشاورت ہوئی جس میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مولانا سید داؤد غزنوی چودھری افضل حق صاحب جو جیل سے بیماری کی وجہ سے رہا ہو چکے تھے۔ میاں قمر الدین صاحب آف اچھرا ڈاکٹر عبدالقوی لقمان اور کچھ اور لوگ شامل ہوئے۔ اور مولانا آزاد کی گفتگو کے مطابق حسب ذیل تجویز مرتب ہوئی۔

مجلس احرار ہند اب بھی یہ یقین کرتی ہے کہ ہندوستان کو جنگ میں اس کی منشا کے خلاف شامل کیا گیا ہے۔ مجلس احرار نے ۱۱ ستمبر ۱۹۳۹ء کو کھلے الفاظ میں اس کا اعلان کر دیا تھا جس کے مطابق اس وقت ہزاروں کی تعداد میں احرار رضاکار جیلوں میں بھر دیئے گئے ہیں۔

مہاتما گاندھی جی نے بھی ہندوستان میں انفرادی سول نافرمانی کے ذریعہ وہی بات کہی ہے جو احرار نے ۱۱ ستمبر ۱۹۳۹ء کو کہی تھی۔ اس لئے مجلس احرار اب اپنی تحریک کو گاندھی جی کی رہنمائی میں چلانے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ اور مولانا ابوالکلام آزاد کے مشورے کی روشنی میں گاندھی جی کے پروگرام کے مطابق احرار رضاکار سول نافرمانی میں حصہ لیں گے۔

اس تجویز کو منظور کرنے کے بعد رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور مولانا سید داؤد غزنوی کو ہدایت کی گئی کہ وہ مناسب وقت پر مولانا ابو الکلام آزاد سے مل کر اس تجویز کے تحت احرار کے حق میں گاندھی جی سے اعلان کرا دیں اس طرح احرار اور کانگریس تحریک کا متحدہ محاذ قائم ہو جائے گا۔

گورنمنٹ ہند اور گورنمنٹ پنجاب کی نگرانی!

اگرچہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی بظاہر تحریک سے علیحدہ تھے لیکن گورنمنٹ ہند اور گورنمنٹ پنجاب کی دو سی آئی ڈی اور بہت سے دوسرے اعزازی سی آئی ڈی رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کی سخت نگرانی کر رہے تھے۔ اور گورنمنٹ یہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ مولانا حبیب الرحمٰن کا استعفےٰ احرار سے اسی طرح کا ہے۔

-- -- --- -- -- جیسے گاندھی جی کا کانگریس سے استعفےٰ دیکر کانگریس کی رہنمائی کرتے ہیں اسی طرح احرار کی تحریک سول نافرمانی مولانا حبیب الرحمٰن ہی کے مشورے اور رہنمائی سے کی جا رہی ہے، چنانچہ احرار سول نافرمانی کے شروع ہوتے ہی دفتر سیرت کمیٹی پٹی ضلع لاہور سے ایک خط رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کے نام آیا۔ دفتر سیرت کمیٹی گورنمنٹ آف انڈیا کی ایسی شاخ تھی جو مذہبی طور پر آزاد خیال علماء کی سراغ رسانی کا کام کرتی تھی تاکہ علماء کو مذہبی سوالات کر کے ان کی رائے معلوم کی جائے اور وہ رائے گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیج دیا جائے سیرت کمیٹی پٹی کا خط حسب ذیل ہے۔

از دفتر مرکزی سیرت کمیٹی پٹی ضلع لاہور۔ ۳۹ - ۴ - ۱۱

محترمی و معظمی زاد لطفہ۔

--- السلام! اس وقت سیرت کمیٹی کی طرف سے جمعہ کے لئے جو نامزد وعظ شائع کئے جا رہے ہیں۔ وہ ہر جمعہ کے دن پانچ ہزار مسجدوں میں سنائے جاتے ہیں میرا خیال ہے

کہ اس سلسلہ کو اور زیادہ وسعت دینے کیلئے مبین ہزار مسجدوں پر حاوی کرنے کی کوشش کی جائے
یہ خطبات وعظ ایک ایسا ذریعہ ہیں جس سے سرینگر سے راسکماری تک کے مسلمانوں میں ایک آواز
کی گونج پیدا کی جاسکتی ہے اور انہیں ایک مرکز اور پروگرام پر جمع کیا جاسکتا ہے۔ سیرت کمیٹی چاہتی
ہے کہ مسلمانوں کو جنگ عظیم کے حالات اور مسائل سے باخبر رکھنے کے لئے خطبات جمعہ کا ایک خاص
کورس شائع کیا جائے۔ اس میں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے آپ کی رائے میں ایسے بنیادی
اصول کون سے ہیں۔ جنکو پیش نظر رکھکر یہ خطبات لکھے جائیں۔ ۲مسلم لیگ نے اپنے گزشتہ
اجلاس میں فلسطین اور حقوق کے متعلق جن شکایتوں کا اعادہ کیا تھا۔ ان خطبات میں ان کا ذکر
کرنا چاہئے۔ یا نہیں۔ ۳موجودہ جنگ کے متعلق مسلمانوں کے لئے کس پالیسی پر عمل کرنا بہتر ہوسکتا
ہے؟ چونکہ یہ مسئلہ نازک تھا۔ اس لئے آپ سے استصواب کرنا ضروری سمجھا گیا۔ امید ہے
کہ آپ واضح جواب سے ضرور مشکور کریں گے۔ والسلام۔ (خاکسار عبدالمجید قریشی)
عبدالمجید قریشی کے اس خط کی پشت پر یہ تحریر کر کے خط کو فائل کر دیا گیا۔

یہ خط حکومت ہند کے اشارے اور حکم پر
قریشی صاحب نے مجھ کو لکھا۔ تاکہ میرے
جواب سے حکومت ہند کو مطلع کیا جاسکے۔ خدا
قریشی صاحب پر رحم فرمائے۔ اور انہیں مسلمانوں
کی سی۔ آئی ڈی۔ کرنے سے باز رہنے کی توفیق
بخشے۔ قریشی صاحب کو اسلام کو فروخت کرنے کا
گورنمنٹ برطانیہ سے ایک اچھا صلہ مل رہا ہے۔

یہ نوٹ تو اس وقت کی بات تھی۔ اللہ تعالیٰ ستار العیوب ہے اور دُنیا والوں کے عیب
کی پردہ پوشی پر اللہ کی ستار العیوبی ہے ورنہ اس دُنیا میں کون ہے جو عیبوں سے پاک ہے
مگر قریشی صاحب کے ساتھ عجیب واقعہ پیش آیا۔ کہ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں لاہور پہنچے

تو چھ سات ماہ بعد ہی ۱۹۴۸ء کے شروع میں ان کے متعلق لاہور کے اخبارات میں یہ خبر چھپی۔

مولانا عبدالمجید قریشی ناظم سیرت کمیٹی پٹی کو کسی شخص نے ان کے کمرے میں جاکر قتل کیا اور ان کا سارا سرمایہ لیکر فرار ہو گیا۔ اور کمرے کو باہر سے مقفل کر گیا تین دن کے بعد لوگوں کو اس واقعہ کا علم ہوا۔ دروازہ توڑ کر لاش باہر نکالی گئی تو لاش سے بو آنے لگی تھی! مولانا قریشی کی اس بے کسی اور بے بسی میں موت نہایت قابل افسوس اور رنج دہ ہے اور قاتل کی یہ شقاوت کہ وہ قتل کرنے کے بعد کمرہ بند کر کے چلا گیا یہ نہایت بہیمانہ اور ظالمانہ حرکت ہے۔

دہلی میں احرار کیخلاف حکومت ہند کی سازش!

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے بڑے لڑکے مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانوی بطور ڈکٹیٹر مجلس احرار اسلام ہند تحریک احرار چلا رہے تھے۔ ——————

—————— ایک دن انہیں دفتر احرار اسلام دہلی میں معلوم ہوا کہ گورنمنٹ ہند کی سی آئی ڈی نے احرار کے کچھ رضاکاروں کو کچھ بیکار پستولیں اور بے کار بم دیئے ہیں۔ تاکہ انہیں برآمد کر کے احرار کے رہنماؤں کو لمبی سزائیں دی جائیں اور تمام احرار رہنماؤں کو اس سازش میں شامل کیا جائے۔ اس سازش کا علم ہوتے ہی مولانا خلیل الرحمٰن نے فوراً واقعہ کی تحقیق کی اور رات ہی کو تمام بیکار چیزیں ان رضاکاروں سے کنوئیں میں گروا دی گئیں اور یہ چیزیں لانے والوں کے پورے پتے اور نام معلوم کئے گئے دوسری صبح کو مولانا خلیل الرحمٰن ڈکٹیٹر احرار مجلس اسلام ہند نے اور سالار محمد شفیع جو کہ احرار رضاکاروں کے سالار اعظم تھے۔ اور رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے دہلی کے اخبارات کو ایک بیان دیا جس میں اس سازش کے متعلق کہا گیا۔

حکومت ہند کی سی آئی ڈی احرار پر نئے اور جھوٹے مقدمے بنانے کے

کی کوشش کی ہے۔ ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جن رضاکاروں سے گورنمنٹ ہند کے نمائندوں نے اس قسم کی بات چیت کی ہے۔ ہم اُن کے نام ظاہر کر دیں گے اور عدالت میں ان کے خلاف مقدمہ چلایا جائے گا۔ احرار اپنی سول نافرمانی کو پرامن طریقے سے چلا رہے ہیں اور کسی تشدد پسند کے لئے مجلس احرار میں کوئی جگہ نہیں۔

ان بیانات کا نکلنا تھا کہ گورنمنٹ کی تمام اسکیم ختم ہو گئی اسطرح گورنمنٹ کی سازش کو بیکار بنا دیا گیا۔ اب تحریک سول نافرمانی دہلی میں جاری تھی۔ مولانا خلیل الرحمٰن ڈکٹیٹر مجلس احرار ہند، مسٹر آصف علی، مولانا نورالدین بہاری لالہ۔ دلیش بندھو گپتا کو ایک ہی دن میں گرفتار کر لیا گیا۔ مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانوی ڈکٹیٹر مجلس احرار اسلام ہند نے مجلس احرار کی پالیسی کے بارے میں حسب ذیل بیان دہلی کی عدالت میں دیا۔

تحریری بیان مولانا خلیل الرحمٰن صاحب لدھیانوی

ڈکٹیٹر ہفتم مجلس احرار اسلام اسیر ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ دفعہ ۳۸ بعدالت جناب اے ڈی صاحب ڈسٹرکٹ دہلی۔ ڈسٹرکٹ جیل دہلی مورخہ ۹ ردسمبر ۱۹۴۰ء بروز پیر۔

مجلس احرار اسلام ہند نے موجودہ جنگ میں جب ہندوستان کو اس کی مرضی و منشاء کے خلاف شامل کیا گیا تو اس کے بعد فوراً ۱۱ رستمبر ۱۹۴۰ء کو اپنا مسلک حسب ذیل تجویز کے ذریعہ واضح طور پر اخبارات میں شائع کر دیا۔ ہرگاہ مجلس احرار کئی سال سے ہندوستان کی آزادی اور عالم اسلام کی مکمل خلاصی کو برطانیہ کے ساتھ اپنے تعاون کی شرط قرار دیتی چلی آئی ہے۔

ہرگاہ موجودہ دور میں حکومت برطانیہ کو جرمنی کے خلاف اعلان اس بناء پر کرنا پڑا کہ وہ کمزور اقوام کی آزادی کی حامی ہے لیکن جمہوریت اور کمزور اقوام کی حمایت پسندی کے تمام دعاوی کے باوجود برطانیہ نے ہندوستان اور عالم اسلام بالخصوص فلسطین اور آزاد قبائل کے ساتھ اپنے دعاوی کے مطابق کسی قسم کا عملی ثبوت نہیں دیا۔

ہندوستان بھی غلام ہندوستان اور غلام مسلمان جو خود اپنے وطن میں غلامی کی وجہ سے زندہ درگور ہیں کیونکر خوشی سے پولینڈ جیسے دور افتادہ ملک کی جدوجہد آزادی کے لئے جان و مال دے سکیں گے۔ اندریں حالات مجلس احرار اسلام گورنمنٹ برطانیہ کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتی ہے کہ کسی جنگ میں ہندوستان کا تعاون صرف اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ ہندوستان آزاد ہو اور برطانیہ و فرانس کے محکوم اسلامی ممالک بھی مکمل طور پر آزاد کئے جائیں

مذکورہ بالا قرارداد میں جس عقیدہ اور پالیسی کا اعلان مجلس احرار اسلام ہند نے کیا تھا تقریباً یہی اعلان مگر کسی قدر تفصیل کے ساتھ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے کر دیا مجلس احرار اسلام ہند اُس وقت سے اِس وقت تک برابر موجودہ جنگ کے متعلق اپنے مسلک اور عقیدہ کا اعلان کرتی رہی اور نہایت ہی پُر امن طریق پر عدم تشدد پر کامل طور سے کاربند رہتے ہوئے سول نافرمانی کو جاری رکھا اس سلسلہ میں جماعت احرار کے اکابر اور سینکڑوں کارکنوں کو گرفتار کر کے پانچ پانچ سال تک کے لیے جیلوں میں بند کر دیا گیا۔ تقریباً ایک سال بعد کانگریس ہائی کمانڈ نے بھی .... سول نافرمانی کا اعلان کیا تو احرار نے خوشی محسوس کی کہ جس پُر امن طریق پر تحریک کو مجلس احرار نے شروع کیا تھا۔ ہندوستان کی سب سے بڑی جماعت کانگریس نے بھی شروع کر دیا مجلس احرار نے جب تحریک شروع کی تھی اس وقت ہزار ہا انسانوں کے عظیم الشان اجتماعات اور بڑے بڑے مظاہرے ہوئے مگر کارکنان احرار نے عدم تشدد پر سختی سے عمل پیرا رہتے ہوئے آنچ تک بدامنی یا تشدد کو برسرِ کار نہیں آنے دیا۔ کارکنان احرار عدم تشدد کے صحیح معنوں میں قائل ہیں مجلس احرار تشدد پسند عنصر کو مجلس میں جگہ نہیں دے سکتی حال ہی میں احرار زعماء نے اپنے مسلک اور عقیدے کا کھلے اور واضح الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ مجلس احرار اسلام میں صرف وہی حضرات رہ سکتے ہیں جو عدم تشدد پر سختی سے کاربند ہوں چنانچہ مجلس احرار اسلام ہند کے اسی مسلک اور عقیدہ پر قائم رہتے ہوئے ہندوستان کے گوشے گوشے اور کونے کونے میں مجلس احرار کے ایک لاکھ رضاکاروں نے فوجی بھرتی کا "

بائیکاٹ کیا فوج میں بھرتی نہ دو کے نعرے بلند کئے لیکن ہندوستان کے ہر مقام پر ہزارہا گرفتاریوں
کے بعد حکومت نے گرفتاریاں بند کیں کیونکہ حکومت نے محسوس کیا کہ مسلمانوں میں جونہی یہ تحریک
زور پکڑ جائے گی۔ تو پھر اسے یہ کہنے کا موقع نہ ملے گا کہ مسلمان جنگ کے حق میں ہیں اور ہندوستان
رضاکارانہ طور پر جنگ میں امداد دے رہا ہے۔

اب جبکہ ہندوستان کی انڈین نیشنل کانگریس نے یہ تحریک شروع کر دی تاکہ دنیا
پر یہ ثابت کر دیا جائے کہ ہندوستان رضاکارانہ طور پر جنگ میں شامل نہیں ہے تو مجلس احرار
نے اپنی تحریک کو اور تیز رفتاری کے ساتھ شروع کر دیا لیکن اب علاوہ دیگر مقامات کے
حکومت دہلی نے بھی دہلی کے پانچصد احرار رضاکاروں کے بعد احرار کی گرفتاری سے ہاتھ کھینچ
لیا ہے۔ حالانکہ احرار کارکن وہی نعرے ہندوستان کے گلی کوچوں میں لگا رہے ہیں جن نعروں پر
ہند کے قومی وزراء مرکزی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبران اور کانگریس ہائی کمان کے
ممبران گرفتار کئے جا رہے ہیں۔

حکومت کی اس پوزیشن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عوام میں بڑھتی ہوئی بیداری سے
خوف زدہ ہو کر آر ڈی۔ ایکٹ کے استعمال کرنے سے گھبرا رہی ہے لیکن اس سے یہ ثابت
نہ ہو سکے گا کہ ہندوستان کے عوام رضاکارانہ طور پر جنگ میں امداد دے رہے ہیں۔

میں بحیثیت آل انڈیا ڈکٹیٹر احرار اسلام ہند مجلس احرار اسلام ہند کے عقیدے اور
پالیسی کے مطابق عدالت کے سامنے بیان کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ کسی بھی ہندوستانی کو اس
جنگ میں نہ ہی روپیہ سے مدد اور نہ ہی افراد سے مدد کرنی چاہئیے۔ اس لئے کہ جنگ برطانیہ
شہنشاہانہ مقاصد کے لئے لڑ رہا ہے۔ کمزور قوم کی آزادی کے لئے نہیں۔

خلیل الرحمن لدھیانوی
ڈکٹیٹر آل انڈیا مجلس احرار اسلام ہند

امیر شریعت سید عطاء اللہ صاحب بخاری پر سکندری عتاب

نومبر ۱۹۳۶ء میں امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ صاحب بخاری پر دفعہ ۱۲۴ ایکسو ستر اور ایکسو ترپن الف کے تحت تین مقدمات سر سکندر حیات خاں نے گجرات کے سپرنٹنڈنٹ پولیس کو ایک چٹھی لکھ کر بنوائے اور سپرنٹنڈنٹ پولیس نے لدھا رام پولیس انسپکٹر کے ذریعے خود تقریریں بنوائیں لیکن مقدمے کے دوران میں ۸ دسمبر ۱۹۳۶ء کو مسٹر لدھا رام نے گجرات کی عدالت میں یکایک یہ راز فاش کر دیئے کہ شاہ صاحب پر یہ مقدمہ جھوٹا ہے شاہ صاحب کی جو تقریریں عدالت میں پیش کی گئیں۔ سکندر حیات خاں کے حکم پر مجھ سے بنوائی گئیں اس بیان پر پولیس نے اپنے گواہ کو منحرف قرار دے دیا اور اس بیان سے مقدمے کا رنگ ہی پلٹ گیا اب کمرہ عدالت ہی میں پولیس کی یہ کوشش تھی کہ مسٹر لدھا رام کو گرفتار کر لیا جائے شاہ صاحب کی طرف سے دیوان چمن لال وکیل تھے۔ انہوں نے مقدمہ ختم ہوتے ہی ایک ایسے ڈرامائی انداز میں مسٹر لدھا رام کے ساتھ گفتگو شروع کی کہ پولیس یہ سمجھی کہ مسٹر لدھا رام سے دیوان چمن لال جرح کر رہے ہیں۔ دیوان چمن لال مسٹر لدھا رام پر جرح کرتے کرتے اسے اپنی موٹر کے قریب لے آئے پولیس کو گمان بھی نہ تھا کہ دیوان چمن لال لدھا رام کو پولیس کی دست برد سے بچا کر لے جائیں گے پولیس کے لوگ کوئی ایک فرلانگ کے فاصلے پر کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے جونہی دیوان چمن لال صاحب نے اپنی کار کا دروازہ کھولا تو ایکدم سے لدھا رام موٹر کار میں بیٹھ گئے اور دیوان چمن لال بھی موٹر کے دروازے کا بند ہونا تھا کہ کار ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ اور پولیس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کریں۔ راقم الحروف بھی اس وقت وہیں موجود تھا اور پولیس کی بے بسی کا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ باوجود پوری تلاش و تجسس کے مسٹر لدھا رام پولیس کے ہاتھ نہ آ سکے بعد میں ظاہر ہوا کہ اس کے بیانات نے سر سکندر حیات خاں کی وزارت کی تمام قلعی کھول دی اور وزارت کی وہ بہروپ سازشیں ننگی ہو گئیں۔

جیب ینگ ملاقات

پنجاب کے چیف جسٹس مسٹر ینگ تھے ان میں اور سکندر حیات خاں میں کسی بات پر اقتدار کی جنگ چل رہی تھی۔ اسی دوران رئیس الاحرار کو مسٹر ینگ کا یہ پیغام پہونچا کہ اگر آپ مجھے مطمئن کر دیں کہ سکندر حیات خاں نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف ذاتی اقتدار کی بنا، پر در پردہ سازش کر کے مقدمہ چلایا ہے تو میں سید صاحب کے ساتھ پورا پورا انصاف کروں گا۔ اس پیغام پر مسٹر ینگ سے دہلی کے مشہور چارٹرا کاؤنٹنٹ مسٹر اٹری کی معرفت ملاقات طے ہو گئی۔

رئیس الاحرار اور ڈاکٹر عبد القوی لقمان صبح پانچ بجے مسٹر ینگ کی کوٹھی پر ایک سکھ ڈرائیور کی ٹیکسی کے ذریعے ینگ کی کوٹھی کے عقبی دروازے سے پہونچے۔ مسٹر ینگ دروازے پر انتظار ہی کر رہے تھے۔ وہ بہت عزت و احترام کے ساتھ دونوں مہانوں کو کوٹھی میں اپنے خصوصی کمرے میں لے گئے۔ رئیس الاحرار کے ترجمان ڈاکٹر عبد القوی لقمان تھے۔ مسٹر ینگ سے کوئی دو گھنٹے ترجمان کے توسط سے گفتگو ہوتی رہی۔ رئیس الاحرار نے سکندر حیات خان کے پرائیویٹ سکریٹری کے خطوط کے فوٹو گراف دکھائے۔ اس پر مسٹر ینگ نے وعدہ کیا کہ مقدمے کی ابتدائی سماعت سے لیکر آخری فیصلے تک یہ مقدمہ خود سنوں گا۔ اور خود ہی فیصلہ کروں گا۔ اس ملاقات کے بعد سی۔ آئی۔ ڈی کو پتہ چل گیا کہ لاہور میں مسٹر ینگ کی کوٹھی پر جیب ینگ ملاقات ہوئی۔ اس پر حکومت پنجاب اور خاص کر سکندر حیات خاں کو سخت پریشانی ہوئی باوجود پوری کوشش کے بھی۔ آئی ڈی کو معلوم نہ ہو سکا کہ ملاقات کس وقت ہوئی اور کس نے کرائی مسٹر ینگ نے اپنے وعدہ کے مطابق ۱۳ فروری ۱۹۳۰ء کو مقدمہ کی سماعت ابتدائی عدالت میں بند کر دی۔ اور مقدمہ کی سماعت ہائیکورٹ میں شروع ہوئی ہو دیوان چمن لال وغیرہ

میاں عبدالعزیز مرحوم نے تمام سرکاری گواہوں کو ہائی کورٹ کی عدالت میں بری طرح ذلیل کیا اور عدالت پر ثابت کر دیا کہ مقدمہ نہ صرف جھوٹا ہے بلکہ سازش کے تحت بنایا گیا ہے۔
مسٹر ینگ کے تیور دیکھ کر جنگ کی وجہ سے گورنر پنجاب کو مداخلت کرنی پڑی اور آخر گورنر نے ایک ڈنر پر مسٹر ینگ اور سر سکندر حیات خاں کی صلح کرا دی لیکن اس کے باوجود مسٹر ینگ نے سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو مقدمے سے بری کر دیا اور مقدمہ کا سارا بوجھ پولیس رپورٹر لدھا رام پر ڈال کر اسے تین سال کی سزا دی۔

حبیب کرپس ملاقات

اکتوبر سنہ ۱۹۴۲ء کو سر اسٹیفورڈ کرپس جب سرکاری دورے پر تشریف لائے تو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے میاں افتخار الدین کی کوٹھی پر ملاقات کی مسٹر کرپس ہندوستان کے لیڈروں سے ملکر ہندوستان کا سیاسی مزاج معلوم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے لاہور۔ کلکتہ۔ دہلی اور بمبئی میں مختلف لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے مسٹر کرپس سے سوال کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ سوشلزم کے حامی ہیں لیکن آپ یہ بتلایئے کہ اگر سوشلزم کی تحریک انگریزی مفاد کے مقابلے میں آجائے تو کیا پھر آپ انگریزی مفاد کا ساتھ دیں گے۔ یا سوشلزم کا۔ مسٹر کرپس اس سوال پر بہت چکرائے ان سے اور کوئی جواب تو بن نہ پڑا۔ انہوں نے کہا کہ انگریزی قوم کا مفاد کیا ہے۔ اور انگریز قوم کس حد تک سوشلزم کو پسند کرتی ہے یہ تو جنگ کے بعد ہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ سردست تو میں ہندوستانی سیاستدانوں کے خیالات معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کس حد تک آزادی حاصل کر کے جنگ میں امداد کر سکتے ہیں۔ مولانا نے اس پر فرمایا کہ یہ مسئلہ ابھی بحث طلب ہے کہ یہ جنگ کن لوگوں کے مفاد کے لئے لڑی جا رہی ہے۔ ساتھ ہی مولانا نے مسٹر کرپس پر یہ سوال کیا کہ آپ کو دنیا کی آزادی زیادہ محبوب ہے یا انگریز قوم کی اگر انگریزی حکومت قومیت سے بلند ہو کر جنگ لڑے تو

دنیا کے عوام اس کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ انگریز قوم زندگی کے کسی موڑ پر بھی اپنے قومی مفاد کے خلاف کوئی کام نہیں کرتی۔ مسٹر کرپس نے ان حالات کے جواب دینے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ کوئی خاص جواب نہ دے سکے مسٹر کرپس نے آخر میں کہا کہ میں آپ سے بڑی تفصیلی بات چیت کرنا چاہتا ہوں اس لئے اگر آپ مجھے لندن آکر ملیں تو میں بڑا مشکور ہوں گا۔ اس گفتگو میں ترجمان کے فرائض ڈاکٹر عبد القوی لقمان ہی ادا کر رہے تھے۔

پھر یہ موقع نہ ملا کہ مسٹر کرپس سے ملاقات ہوتی جنگ کے خاتمے کے بعد ۱۹۴۵ء میں جب مسٹر کرپس لیبر وزارت میں وزیر ہو گئے۔ تو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے ان کے نام ایک خط لکھا کہ میں آپ کو وزیر بننے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ اب آپ ہندوستان کو آزادی دینے میں دیر نہ کریں گے جیسا کہ آپ مجھ سے وعدہ کر گئے تھے اس کے جواب میں مسٹر کرپس نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کو ایک خط لکھا یہ اصل خط بلاک سے کتاب میں شائع کیا جا رہا ہے۔

حبیب آزاد ملاقات

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی مولانا ابوالکلام آزاد کے پیغام پر الہ آباد پہنچے الہ آباد میں مولانا آزاد۔ رفیع احمد قدوائی اور رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے درمیان دو دن تک گفتگو ہوتی رہی۔ مولانا نے احرار کی طرف سے وہ فارمولا پیش کیا جو احرار دعا میں مولانا آزاد کے مشورے سے بنایا گیا تھا۔ مولانا آزاد نے اس فارمولا کو منظور کر لیا اور یہ بات طے پائی کہ یکم جنوری ۱۹۴۱ء تک مولانا آزاد اور گاندھی جی انفرادی سول نافرمانی کے حق میں اعلان کر دیں گے۔ اس اعلان کے بعد گاندھی جی کے پروگرام کے مطابق احرار رضاکار سول نافرمانی کریں گے یہ گفتگو ۱۲ دسمبر ۱۹۴۰ء کو ختم ہوئی اور ۱۵ دسمبر کے اخبارات میں اس گفتگو کا جو خلاصہ چھپا وہ یہ تھا۔

BOARD OF TRA[illegible]

MILLBA[illegible]

18th August, 194[illegible]

Dear Mr. Maulana Habib-ur-Rehman,

Thank you very much for your kind letter of good wishes and congratulations.

I am very glad you are free again and I hope before too long we may be able to help in solving India's problems.

Yours sincerely,

[illegible]

[illegible]-Rehman, Esq.

"حبیب آزاد کانفرنس الہ آباد میں احرار کی تحریک سول نافرمانی کے متعلق نہایت ہی اہم فیصلے ہوئے ہیں احرار نے اپنی سول نافرمانی گاندھی جی کے ماتحت کردی ہے اور آئندہ پنجاب میں احرار گاندھی جی سے پروگرام لیکر سول نافرمانی کریں گے۔"

یہ خبر شائع ہوتے ہی گورنمنٹ آف انڈیا حبیب آزاد پیکٹ سے بڑی گھبرائی حکومت ہند نہیں چاہتی تھی کہ ساری دنیا میں جنگ کے خلاف مسلمانان ہند کی رائے اور قربانی کا چرچا ہو اور گاندھی جی کی رہنمائی میں مسلمانوں کا قربانی دینا گورنمنٹ ہند کے لئے اور بھی زیادہ ناقابل برداشت تھا۔ چنانچہ آزاد حبیب پیکٹ کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد کو الہ آباد میں ۴ دسمبر ۱۹۴۰ء کو گرفتار کر لیا گیا اور رفیع احمد قدوائی کو لکھنؤ سے گرفتار کیا گیا ۷ دسمبر ۱۹۴۰ء کو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کو ڈاکٹر عبدالقوی لقمان کے مکان پر صبح ۸ بجے قانون نظر بندی کے تحت گرفتار کیا گیا۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی اس وقت مولانا عبیداللہ صاحب سندھیؒ چودھری افضل حق اور ڈاکٹر عبدالقوی لقمان سے بات چیت کر رہے تھے۔ کہ پولیس کی ایک مسلح لاری آئی اور رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کو نظر بندی قانون کے تحت لاری میں بٹھا کر لے گئے یہ لاری لاہور سے منٹگمری جیل تک گئی اور وہاں مولانا کو منٹگمری جیل میں قید تنہائی میں بند کر دیا گیا منٹگمری کے دوسرے سیاسی قیدیوں کو ایک عرصہ تک پتہ نہ چلا کہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی بھی اسی جیل میں آچکے ہیں۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی سے پہلے ان کے بڑے لڑکے مولانا خلیل الرحمن لدھیانوی گجرات جیل میں ایام اسیری گذار رہے تھے۔ کہ خود مولانا بھی ایک مہینہ کے بعد نظر بند ہو گئے۔ اس نظر بندی پر مولانا کی عالم فاضل بچی ام سلمان نے اپنے بھائی کے نام گجرات جیل میں حسب ذیل خط لکھا:

یہ خط مولانا کے خاندان کے صبر و استقامت اور رضائے الٰہی اور کلمۂ حق کہکر مصائب اٹھانے کی تاریخ پر روشنی ڈالتا ہے۔

لدھیانہ شفاف منزل

۲۶-۱۲-۴۰ محترم بھائی صاحب السلام علیکم

بعد آدائے آداب کے عرض یہ کہ ہم بفضل تعالےٰ خیریت سے ہیں۔ اور جناب باری کی درگاہ سے امید رکھتے ہیں کہ آپ بھی جیل میں خوش وخرم ہوں گے۔ آپ کی گرفتاری اور والد صاحب کی نظر بندی آپ کے یا ہماری لئے کوئی نئی بات نہیں۔

———— بلکہ یہ گرفتاری اور نظر بندی تاریخ اسلام کو دہرا رہی ہے۔ اور یہ ادنیٰ سی قربانی اور یہ تھوڑی سی تکلیف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور رہنمایان دین صحابہ کرام اور مردان حق کی تکالیف و مصائب کا جو انہوں نے راہ حق میں برداشت کئے ہیں۔ نمونہ یاد دلاتی ہے۔ اور مشیت ایزدی ہمیشہ اپنے مقبول بندوں کو قسم قسم کے مصائب میں مبتلا رکھکر ان کی آزمائش کرتی ہے۔ ہم سب بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ باری تعالےٰ ہم کو اور آپ سب کو اس پہلی منزل سے نکال کر منزل مقصود تک پہنچا ئے۔ اور ہر مصیبت و آزمائش سے پہلے صبر و برداشت کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

برخوردار سلمان ہندی شیر کی طرف سے نیاز مندانہ سلام قبول فرمائیے وہ ہر وقت کہتا ہے کہ میں بھی ماموں جان کے پاس جیل میں جاؤں گا۔ والسلام

آپکی چھوٹی بہن ام سلمان

دوسال منٹگمری جیل میں!

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کو ہر ماہ تک بالکل قید تنہائی میں رکھا گیا ان کو گھر کے لوگوں کے خطوط تک نہیں دیئے جاتے تھے۔ اور جو خطوط دیئے بھی جاتے

تھے۔ اسے قینچی سے اس طرح تراش دیا جاتا تھا کہ اس خط میں سوائے اس کے کہ السلام علیکم امید ہے کہ آپ لوگ خیریت سے ہوں گے اس کے بعد کا باقی مضمون قینچی سے کاٹ دیا جاتا تھا اور آخر کے چند جملے رہنے دیئے جاتے جو عام طور پر یہ ہوتے تھے: ہم بھی خیریت سے ہیں والسلام اس کے بعد نام ہوتا اور پتہ غائب کئے ہوئے خطوط کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

السلام علیکم۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

یہاں کا تمام مضمون تراش دیا جاتا تھا

ہم بھی خیریت سے ہیں والسلام

مکتوب بھیجنے والے کا نام

چھ ماہ کے بعد رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے ایسے خط لینے سے انکار کر دیا۔ اور گورنمنٹ پنجاب کو انہوں نے لکھ دیا کہ مجھے ایسے خطوں کی ضرورت نہیں ہے گورنمنٹ ان خطوں کو تسکین قلب کے لئے اپنے ہی فائلوں میں رکھ لیا کرے۔ کیونکہ حکومت کو میری خیریت کے خطوط سے بھی بغاوت کی بو آتی ہے۔ میری بیوی اور بچوں کے خطوط بھی اس طرح سے قینچی سے کاٹے جاتے ہیں۔ کہ اس میں لفظ لدھیانہ بھی تراش دیا جاتا ہے۔ مولانا کے اس خط کے بعد قینچی کی تراش خراش کچھ کم ہوگئی۔ پورا خط تراشنے کے بجائے اب حکومت کی سی آئی ڈی کے مخلصین نے خطوط میں سے فقروں کو تراشنا شروع کیا اور مولانا تک جو خط بھی پہنچا وہ بے جوڑ فقروں کا ایک مجموعہ ہوتا مثلاً خط یہ ہے۔

لدھیانہ
۷ر اکتوبر ۱۹۴۱ء   محترمی قبلہ والد صاحب
السلام علیکم۔ امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ معلوم ہوا تھا کہ آپ کو......
..... ہم سب دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ...... کچھ چیزیں جو آپ نے منگوائی تھیں وہ
ارسال خدمت ہیں۔ اور .... والدہ صاحبہ کی طبیعت ٹھیک ہے لیکن ....
.... دادا صاحب قبلہ سلام کہتے ہیں۔ اور انہوں نے آپکی
خدمت میں .... آپ کے جواب آنے پر ہیں .... آپکے خط بھی ....
.... امید ہے آپ جواب دیں گے۔   آپکا بیٹا عزیز الرحمٰن
اور کسی خط سے بھی مفہوم ظاہر نہ ہوتا تھا کہ خط لکھنے والے نے کیا لکھا ہے۔
دسمبر ۱۹۴۱ء کو مولانا کے پاس صاحبزادہ سید فیض الحسن اور منیا جی سوبھاش چندر بوس کے بھتیجے اورا ودیر بوس بھی پہنچ گئے۔ اور منشی احمد دین بھی اس احاطہ جیل میں گئے۔ چنانچہ چھ سات قیدیوں کی معیت سے قید تنہائی تو ختم ہو گئی لیکن اور پابندیاں تمام اسی طرح سے جاری رہیں۔ مولانا کے بچے جب جیل میں ملنے جاتے یا ان کی اہلیہ یا پردہ دار لڑکیاں ملنے جاتیں تو یہ ملاقات اس طرح ہوتی کہ ایک طرف گورنمنٹ کا سی آئی ڈی بیٹھا ہوتا۔ ایک طرف داروغہ جیل اور بیچ میں مولانا کی کرسی ہوتی اور سامنے مولانا کی اہلیہ اور لڑکیاں بیٹھی ہوتیں جوان گروں کی موجودگی کی وجہ سے برقعہ نہ اٹھاتیں۔ اس طرح مولانا کی اہلیہ اور پردہ دار لڑکیاں تو مولانا کو دیکھ سکتیں مگر مولانا پردہ کی وجہ سے اپنے اہل وعیال کو نہیں دیکھ سکتے
منٹگمری جیل میں مولانا کی صحت گرتی چلی گئی اور گورنمنٹ کی پابندیوں اور سختیوں میں کوئی کمی نہ آئی۔ مگر مولانا بھی استقامت کے پہاڑ تھے۔ وہ صبر ورضا کے ساتھ ایام نظر بندی گزارتے رہے۔ ان سختیوں اور پابندیوں کے خلاف ۹ر فروری ۱۹۴۲ء کو دفتر مجلس احرار اسلام ہند سے مجالس کے نام ایک سرکلر جاری کیا گیا جو حسب ذیل ہے

مورخہ ۹ر فروری ۱۹۴۲ء   از دفتر مجلس احرار اسلام ہند لاہور

سرکلر نمبر۱

مکرمی محترمی جناب سکریٹری صاحب مجلس احرار اسلام

آپکو معلوم ہوگا کہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی عرصہ سوا سال سے منٹگمری جیل میں نظر بند ہیں ان کی صحت کے متعلق متعدد دفعہ اطلاعات موصول ہوئیں کہ طبیعت خراب ہے بدن کے ایک حصہ کے شل ہو جانے کی بھی اطلاع آئی ہے۔ ماہ دسمبر میں مولانا سید محمد احمد کاظمی ممبر سنٹرل اسمبلی نے آپ سے ملاقات کی ملاقات کے بعد آپ نے مولانا صاحب کی صحت سے متعلق ایک دردناک بیان پریس کو دیا۔ اب تازہ ترین اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی صحت بہت گرتی جا رہی ہے:

حکومت ہند کے ایماء سے صوبائی حکومتوں نے اپنے اپنے نظر بندوں کو اپنے صوبے کی ایک جیل میں مقید کر دیا ہے۔ چنانچہ حکومت پنجاب نے بھی دیولی کیمپ اور پنجاب کے نظر بندوں کو گجرات سپشل جیل میں بھیج دیا ہے۔ ۲۰ر جنوری کو مجلس احرار اسلام منٹگمری کی طرف سے ایک تار موصول ہوا۔ کہ مولانا صاحب منٹگمری سے گجرات جیل تبدیل کئے جا رہے ہیں۔ زیارت کے لئے سینکڑوں کارکن لاہور اسٹیشن پر انتظار کرتے رہے۔ اور ٹرین آئی تو دوسرے نظر بندوں کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ مولانا کا سامان اسٹیشن پر پہنچ چکا تھا اور مولانا کو ہتھکڑی بھی لگ چکی تھی لیکن جب مولانا ڈیوڑھی سے چلنے لگے تو گورنمنٹ پنجاب نے تار کے ذریعہ آپ کا چالان روک دیا۔ اس وقت مولانا اکیلے ہی منٹگمری میں نظر بند ہیں کسی قیدی کو آپکی بیمار پرسی کرنے کی اجازت نہیں۔ یہ امتیازی سلوک انتقامی جذبے کے تحت حکومت پنجاب مولانا سے کر رہی ہے کیونکہ مولانا نے مجلس احرار کی ہمیشہ رہنمائی کی ہے اور مجلس کے صدر رہے ہیں۔

لہٰذا بایں حالات مجلس مرکزیہ نے ۲۰ر فروری بروز جمعہ تمام ہندوستان میں یوم

حبیب منانے کا فیصلہ کیا جمعہ کے روز پبلک جلسے کرکے ریزولیشن پاس کئے جاتے تھے کہ حکومت ہند مولانا پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلائے۔ یا وہ وجوہات بتلائے کہ کس بنا پر مولانا کو سخت سے سخت تکالیف جیل میں دی جا رہی ہیں۔

ناظم دفتر عبدالغفور انوری ملتانی

دھرمسالہ جیل

منٹگمری جیل میں ساتھیوں کے چلے جانے کے بعد سخت تکالیف کا سامنا رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کو کرنا پڑا۔ مجلس احرار کے اس احتجاج اور یوم حبیب الرحمٰن منانے کا یہ اثر ہوا کہ بجائے اس کے مولانا کو پنجاب کی کسی ایسی جیل میں رکھا جاتا جہاں پولیٹیکل قیدیوں کی زیادہ تعداد تھی۔ یا جو مقام آب و ہوا کی وجہ سے معتدل ہوتا اس کے بجائے دسمبر ۱۹۴۲ء کو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کو موسم سرما کے شروع ہوتے ہی سب جیل دھرمسالہ میں بھیج دیا گیا۔ دھرمسالہ سب جیل میں مولانا اکیلے ہی نظربند تھے۔ اور بیماریوں کی وجہ سے یہ سرد مقام ان کے لئے مفید نہ تھا۔ لیکن سکندر حیات خاں کی وزارت رئیس الاحرار کو زیادہ سے زیادہ تکلیف دینے پر تلی ہوئی تھی۔ گورنمنٹ ہند گورنمنٹ پنجاب کی اس منتقمانہ کارروائی کے خلاف مجلس احرار اسلام ہند لاہور نے پھر یوم حبیب الرحمٰن منانے کے لئے ایک سرکلر جاری کیا۔ جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔ یہ سرکلر گورنمنٹ ہند کی منتقمانہ کارروائی پر تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

یکم دسمبر ۴۲ء از دفتر مجلس مرکزیہ احرار اسلام ہند لاہور سرکلر ۴۳

اخبارات کے ذریعہ آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی سابق صدر مجلس احرار اسلام ہند عرصہ ہونے دو سال سے منٹگمری جیسے سخت گرم علاقہ کی جیل میں نظربند تھے۔ انہیں اب موسم سرما کے شروع میں حکومت پنجاب نے دھرمسالہ جیل جیسے سرد ترین مقام پر تبدیل کر دیا ہے یہ تبدیلی حکومت کی منتقمانہ پالیسی

کا بین ثبوت ہے کہ ایک فالج کے مریض کو گرمیوں میں ایسے علاقے میں رکھا جائے جو پنجاب بھر میں گرم اور ریتیلا ہے جہاں بارشیں بہت کم ہوتی ہیں اور انتہا درجہ کی گرمی ہوتی ہے اور سردیوں کے شروع میں دھرمسالہ جیل میں منتقل کر دیا جو برساتی علاقہ کے علاوہ ایک سرد مقام ہے۔ مولانا کی صحت بہت خراب ہو چکی ہے۔ آپ کا وزن ۲۵ پونڈ کم ہو گیا ہے آپ دائم المریض ہیں متعدد امراض میں مدت سے مبتلا ہیں مثلاً خونی و بادی بواسیر ذیابطیس پیشاب کا زیادہ آنا، درد گردہ اختلاج قلب اور فالج جیسے موذی امراض کی ہمیشہ شکایت رہتی ہے۔ مزید برآں یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ آپ کے تمام دانتوں میں بھی تکلیف ہو گئی ہے ضعیف العمر اور دائم المریض بزرگ کو ایسی چھوٹی اور تنگ جیل میں اکیلا نظر بند رکھنا جہاں کل ۳۰ قیدی مقید ہوں اور علاج کے لئے ادویات تو کیا خود کھانے پینے کی اشیاء یعنی سبزی وغیرہ بھی میسر نہیں آسکتی یہ حکومت پنجاب کی غیر منصفانہ اور منتقمانہ پالیسی کی کھلی دلیل ہے۔

لہٰذا صدر مرکزیہ محترم شیخ حسام الدین صاحب نے جملہ ماتحت مجالس کو یہ حکم دیا کہ مورخہ ۱۱ دسمبر بروز جمعۃ المبارک ہندوستان بھر میں "یوم مولانا حبیب الرحمٰن" منایا جائے اور عام جلسے منعقد کر کے حسب ذیل ریزولیشن پاس کیا جائے اور اس کی نقول براہ راست حکومت ہند حکومت پنجاب اور سر منوہر لال وزیر جیل خانہ جات پنجاب کے نام بذریعہ ڈاک بھیج جاویں اس کے علاوہ اخبارات اور دفتر مرکزیہ و آرگن مجلس احرار "افضل" سہارنپور کو اپنی مفصل کارروائی سے آگاہ کیا جائے

ریزولیشن مسلمانان (مقامی نام) کا یہ عظیم الشان جلسہ حکومت پنجاب کے اس منتقمانہ اور غیر منصفانہ رویہ پر صدائے احتجاج بلند کرتا ہے جو اس نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے ساتھ روا کر رکھا ہے۔

(الف) کہ متعدد دفعہ مجالس احرار اور عوام کی طرف سے حکومت سے مطالبہ کیا جا چکا ہے کہ حکومت نے جو مولانا صاحب کو غیر معین عرصہ کے لئے بلا وجہ نظر بند کر رکھا ہے۔

رہا کر دے یا کھلی عدالت میں مقدمہ چلا کر جرم ثابت کرے۔ (ب) کہ مولانا موصوف کی بیماری کا
خاطر خواہ علاج کرائے یا موقع دیا جائے تاکہ وہ خود باہر سے علاج کرالیں۔ اندریں حالات یہ
اجلاس حکومت کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ جلد سے جلد مولانا موصوف کو لاہور جیسے مرکزی مقام پر تبدیل کر کے
علاج کا موقع دے۔ ناظم دفتر (عبدالغفور انوری ملتانی)

حکومت پنجاب نے یوم حبیب کی تجویز پاس ہونے کے بعد دھرم سالہ جیل میں مولانا کو آرام
و راحت دینے کے بجائے ایک سوال نامہ بھیجا۔ ــــــ آپ پرانے عادی مجرم ہیں آپ
کا پرانا ریکارڈ بتاتا ہے کہ آپ کئی دفعہ جیل کاٹ چکے ہیں۔ اس لئے حکومت ہند کیوں نہ مستقل طور
پر آپ کو نظر بند رکھے ؟ ــــــ آپ کے تشدد پسندانہ طرز عمل سے ہمیشہ امن عامہ کو خطرہ رہا ہے۔
ملک معظم کی رعایا فوج اور پولیس کے خلاف آپ نے ہمیشہ منافرت پھیلائی ہے۔ اس لئے بھی آپ کی نظر بندی
ضروری ہے ان وجوہات کے خلاف اگر کوئی صفائی دینا چاہیں تو حکومت اس صفائی پر غور کر سکتی ہے
رئیس الاحرار نے اس سوال نامے کا جواب حسب ذیل دیا۔

میں حکومت کو مجرم سمجھتا ہوں۔ حکومت ہندوستانیوں کو گزشتہ سو سال سے تباہ کرتی چلی
آئی ہے۔ غیر ملکی غلامی اور غیر ملکی حکومت کے تشدد کے خلاف بغاوت پھیلانا میرا فرض رہا ہے۔
اور یہ میرا فرض حکومت کی نظر میں جرم ہے۔ میں نے ملک کی آزادی کے لئے بارہا جیل کاٹی ہے اور
اب بھی ملک کی آزادی کیلئے نظر بند کیا گیا ہوں ــــ جیل کا ایک قیدی خود حکومت ہندوستان کو غلام
رکھنے کا عادی مجرم سمجھتا ہے ــــ میں نے کبھی غیر ملکی حکومت کو حکومت تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی غیر ملکی حکومت
کے بادشاہ کو بادشاہ تسلیم کرتا ہوں، فوج اور پولیس کو یہ بتانا میرا فرض رہا ہے کہ غیر ملکی حکومت کیلئے کام کرنا ہندوستان
کی غلامی کی زنجیروں کو اور مضبوط کرنا ہے۔ امن عامہ کی تباہی کی ذمہ داری حکومت ہند پر ہے۔ جو ہندوستان سے
زبردستی جنگ میں امداد لے رہی ہے ہندوستان کا کوئی شہری جنگ میں امداد دینا پسند نہیں کرتا۔ رئیس الاحرار
کے مذکورہ جواب کے جواب میں حکومت پنجاب نے لکھا۔ آپ کا جواب نہایت گستاخانہ ہے۔
اس پر رئیس الاحرار نے جواب دیا۔ حکومت پنجاب کا سوال نامہ میرے جواب سے زیادہ گستاخانہ
تھا۔

* —— حبیبِ شبیر خط و کتابت

* —— جنگ کے خلاف احرار کا پروپیگنڈا

* —— رئیس الاحرار کی نظر بندی اور رہائی

* —— مولانا ابو الکلام آزاد کا تاریخی خط

مولانا شبیر احمد صاحب کا خط مولانا حبیب الرحمن صاحب کے نام!

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے خطوط کے ساتھ قطع و برید اور تراش خراش کا سلسلہ جون ۱۹۳۲ء تک جاری رہا ۲ر اگست ۱۹۳۲ء کو مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے ایک خط لکھا یہ پہلا خط تھا جو بلا کسی قطع و برید کے مولانا کو دیا گیا خط حسب ذیل ہے۔

برادرم محترم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ میں اس مرتبہ بہت علیل تھا۔ درد نقرس اور درد حوالی گردہ کے شدید دورے پڑتے رہے ایک ماہ تک گھر سے نہیں نکل سکا اب بحمد اللہ صحت ہے۔ کچھ خفیف سا اثر پاؤں میں باقی ہے امید ہے انشاء اللہ زائل ہو جائے گا۔

آپکی خرابیٔ صحت کا حال معلوم کر کے بہت قلق ہوا حق تعالیٰ ظاہری و باطنی صحت عطا فرمائے ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی کچھ نہ کچھ نعمتیں بھی مرد مومن کے لئے ہوتی ہیں جس کا اندازہ پہلے سے نہیں ہوتا۔ زندانی مدت کی یکسوئی اور تنہائی نے قرآن کریم میں تدبر کا موقع دیا یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے بہت سے فقہاء اور محدثین پر قید کی سختیوں نے علوم کے دروازے کھول دیئے۔ حق سبحانہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو قرآنی روح سے زندگی بخشے حواشی قرآن کریم جس نقطۂ نظر سے میں نے لکھے ہیں وہ اس سے مختلف ہیں جو اس وقت آپ کا نقطۂ نظر ہے۔ الحمد للہ کہ ان حواشی نے بہت سے لوگوں کے نظریئے قرآن کریم کے متعلق تبدیل کر دیئے اور ہر طبقہ کے تلاوت کرنے والوں کو درجہ بدرجہ فائدہ پہنچایا۔

فی الحال جس نقطۂ نظر کے ماتحت آپ مشورہ دے رہے ہیں وہ درست ہے میں یہ خود مدت سے محسوس کر رہا ہوں کاش اس کے لئے وقت مل جائے اور توفیق حق مساعی ہو آپ بھی دعا فرمائیں امید ہے کہ دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ سب احباب کی طرف سے سلام مسنون۔ عزیز مولوی محمد یحییٰ کی طرف سے سلام مسنون۔ دعا گو عاجز

بندہ شبیر احمد عثمانی از دیوبند

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی سے ۱۹۱۸ء سے تعلقات قائم تھے۔ یہ تعلق استادی شاگردی کے بھی تھے اور دوستانہ اور برادرانہ بھی حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے حسب ذیل چار خط تعلقات کی گہرائی کا اور اخلاص محبت کا نمونہ ہیں جو مولانا شبیر احمد عثمانی نے انہیں سنہ ۱۳۵۰ھ سے لیکر ۱۳۶۲ھ تک زمانہ جیل سے پہلے لکھے تھے۔

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ مطالعہ برادر محترم دامت برکاتکم۔

بعد سلام مسنون آنکہ

آپ کا خط پہنچا نہایت خوشی ہوئی خدا کا شکر ہے کہ اپنے مجمع میں تم جیسے شیر دل مستقیم الحال محب اسلام موجود ہیں۔ بھائی میں یہاں یکسوئی سے ایک گوشہ میں پڑا ہوا ڈھائی سال سے قرآن کریم اور استاد رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کی تھوڑی سی خدمت کر رہا ہوں فی الحقیقۃ بھی بے انتہا مسرت ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے وہ کام کرا دیا جس کی توقع کم از کم مجھے اپنے سے نہ تھی۔ آپ دیکھکر امید ہے بہت زیادہ خوش ہوں گے اور ربیع الاول میں میرا مقصد وطن آنے کا ہو رہا ہے کاش آپ سے ملاقات ہو سکے بندہ کو آپ سے قلبی تعلق ہے اور آپ کے حق میں فلاح دارین کی دعا کرتا ہے۔ یہاں سب احباب خصوصاً عزیزم محمد یحییٰ سلمہ سلام مسنون کہتے ہیں۔ جناب مولانا عبد الرشید مرحوم کی وفات کا حال سن کر بہت قلق اور صدمہ ہوا۔ حق تعالےٰ مرحوم کو فردوس بریں میں پہنچائے اور ان کی یادگاروں کو قائم رکھکر ترقی دے۔ اپنے والد ماجد و مولانا محمد رمضان صاحب۔ مولانا نعیم صاحب اور سب بھائیوں کو سلام مسنون کہدیجئے گا۔ گھر میں سب خورد و کلاں کو سلام و دعا کہدیں

از ڈابھیل ضلع سورت ۸ ار صفر ۱۳۵۰ھ

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ — گرامی برادر محترم دامت کاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ آپ کا خط ملا۔ میں بہت زیادہ درد سر میں مشغول تھا۔ الحمد للہ

کل صحیح بخاری ختم ہو گئی تمہاری پھوپی کے لئے صبر و سکون کی دعاء کی گئی اور مولانا الیاس مرحوم کی مغفرت کیلئے دعا۔
آپ دونوں صاحب اس مرتبہ جوار نیکر گئے۔ اسی طرح کا اثر آپ یقین کیجئے۔ کہ ہمارے دونوں پر چھوڑ کر گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔ اور بیش از بیش اپنے دین کی خدمت کا موقع دے کبھی کبھی اپنے احوال سے اور مجلس کے کوائف سے مطلع کرتے رہیں۔ ترجمان احرار علیگڈھ کے کچھ پرچے دیکھے بعض مضامین بہت مفید اور مفرح ہیں۔ یہاں سب حضرات کو آپ کا خط سنا دیا گیا۔ سب سلام کہتے ہیں۔ عزیز الرحمٰن سلمہ کا حال معلوم نہ ہوا۔ کیا صورت ہوئی۔ شاہ صاحب سے ملاقات ہو تو سلام مسنون عرض کر دیں۔ میں انشاء اللہ ۱۷ ر شعبان تک دیوبند پہونچوں گا۔ کتاب کے لئے دوسرا پرچہ ملاحظہ کیجئے۔ از ڈابھیل ضلع سورت

۲۰ ر رجب ۵۶ھ

برادر محترم۔ السلام علیکم۔ ورحمۃ اللہ برکاتہم

آپ کا پرچہ مل گیا۔ اس سے قبل کوئی خط نہیں ملا۔ تعجب ہے۔ میں بالکل نہیں سمجھا کہ کس قصور کی معافی چاہتے ہیں۔ میرے ذہن میں تو شاید کچھ آپ کا قصور نہیں ہے مجھے اس سے سخت تکلیف ہوئی کہ آپکو میرا جواب نہ ملنے سے تکلیف ہوئی۔

میرے نہایت ہی عزیز اور محترم بھائی اس کا تو وسوسہ بھی اپنے دل میں اس دعاء گو کی طرف سے نہ لائیے۔ اور اگر فرض کیجئے۔ کوئی قصور ہوا ہو۔ گو مجھے معلوم نہیں، تو بالکل اطمینان رکھئے۔ کہ میرا قلب نہ صرف آپکی طرف سے صاف ہے۔ بلکہ آپکی سچی محبت سے معمور ہے، اور اسی طرح یہ بھی یقین رکھتا ہوں۔ کہ آپ کے دل میں بھی میری محبت جاگزیں ہے،

کیا آپ ایسی چیز ہیں۔ جس کا تعلق ہمارے قلب سے محو ہو سکے۔ ہم کو آپ سے فی اللہ محبت ہے، بلا شبہ میں نے پبلک زندگی سے ایک بڑی حد تک یکسوئی اختیار کر رکھی ہے۔ اس کے اسباب جو کچھ ہوں۔ اس لئے زاویہ خمول میں پڑا ہوں۔ امید ہے اب آپ میری طرف سے بالکل مطمئن ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ۔ اپنے حفظ و امان میں رکھے اور تندرست کر دے۔ آپکی

زندگی بہت قیمتی ہے۔ شبیر احمد عثمانی

از دیوبند ۲۷ صفر ۶۱ھ

برادر محترم بعد سلام مسنون آنکہ۔ کل آپ کا کارڈ غیر متوقع طور پر ملا۔ مجھے آپ کا دیوبند آنا معلوم ہوا تھا۔ اور یہ بھی کہ مجھ سے ملنے کا قصد کر رہے ہیں۔ بہرحال پھر کبھی موقعہ ہوا تو ملاقات ہو جائے گی۔ میں آپ کے لئے دعاء خیر کرتا ہوں۔ میں تین سال سے امراض کے چکر میں ہوں۔ کمزور وقتاً فوقتاً دورے پڑتے رہتے ہیں۔ پھر کچھ افاقہ ہو جاتا ہے۔

بقول اکبر مرحوم ؎

کمزور ہے میری صحت بھی کمزور مری بیماری بھی
زندہ جو رہا کچھ کر نہ سکا بیمار پڑا تو مر نہ سکا!

دعاء کی ضرورت مجھے بھی ہے والسلام

شبیر احمد عثمانی۔ از دیوبند ۲۵ جمادی الاول ۶۲ھ

جنگ کے خلاف احرار پروپیگنڈے کا پلان!

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے جنگ کے خلاف وسیع پیمانے پر پروپیگنڈا کرنے کے لئے مختلف صوبوں میں مختلف آدمی مقرر کئے، اور اپنے بڑے لڑکے مولانا خلیل الرحمان کو ان لوگوں کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کے لئے تحریک کا ڈکٹیٹر مقرر کیا۔ پنجاب میں مولانا عبدالغفور لدھیانوی کام کر رہے تھے جنھوں نے اپنا مرکز سیالکوٹ شہر بنایا تھا دہلی میں مولانا حکیم عبدالحفیظ تحریک کے نگران اور انچارج تھے۔ اور سرحد میں مولانا عبدالقیوم صاحب پوپلزئی جنگ کے خلاف پروپیگنڈہ کے انچارج تھے۔

اور بہار میں جناب رضوی صاحب جنگ کے خلاف پروپیگنڈہ کے انچارج تھے۔ یوپی میں حکیم آفتاب احمد صاحب جامعی مرحوم ان دنوں بنارس رہتے تھے۔ تحریک کے نگران

وانچارج تھے۔ اور شاعر انقلاب کوثر میرٹھی مرحوم بھی اس کام میں حکیم صاحب کے مددگار تھے اور اپنے علاقہ میں تحریک کے انچارج تھے سی پی بہار اور کلکتہ میں کام کرنے کے لئے صاحبزادہ سید محمد سلیمان سلیم سجادہ نشین خانقاہ برکتیہ علاوالپور ضلع جالندھر کو مقرر کیا۔ صاحبزادہ سید سلیمان کو مولانا کا گہرا سیاسی اعتماد حاصل تھا اس لئے صاحبزادہ صاحب کو گاندھی جی، مولانا ابوالکلام آزاد، نیتا جی سبھاس چندر بوس کے پاس دستی خطوط دیکر بھیجا۔ صاحبزادہ واردھا میں گاندھی جی سے ملنے گئے اور وہاں سے وہ سیدھے کلکتے پہنچے۔ کلکتے سے صاحبزادہ صاحب نے ۱۱ر جنوری ۱۹۴۰ء کو اپنے دورے کے حالات سے مولانا خلیل الرحمٰن صاحب کو جو تحریک احرار کے مرکزی ڈکٹیٹر تھے۔ حسب ذیل خط لکھے۔

۱۴ر جنوری ۱۹۴۰ء کلکتہ۔

برادرم محترم۔ السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ'

۷ر جنوری کو واردھا ہوتے ہوئے دس بجے ہوڑہ مولانا آزاد کے مکان پر پہنچا ساڑھے گیارہ بجے تک ان سے گفتگو ہوتی رہی۔ گاندھی جی کے سکریٹری مسٹر پیارے لال کے طرز عمل ان کی متعصبانہ گفتگو اور جنگ کے خلاف تحریک احرار کے بارے میں پیارے لال جی کی تنقید و تنقیص اور باوجود اصرار کے گاندھی جی سے نہ ملنے دینے پر پیارے لال کی ضد کا ذکر بھی مولانا سے کیا۔ تو مولانا کو پیارے لال صاحب کے طرز عمل اور ان کی گفتگو سنکر بہت افسوس ہوا۔

مولانا جنگ کے خلاف احرار کی تحریک سول نافرمانی سے بہت خوش ہیں۔ البتہ تحریک چلاتے وقت مشورہ نہ لینے کا شکوہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ پنجاب گورنمنٹ کے تمام مظالم کی فہرست بناکر مجھے بھیج دیجئے، اسے میں کانگریس ورکنگ کمیٹی میں بھی پیش کروں گا۔ اور مولانا نے مزید فرمایا ہے کہ تحریک سول نافرمانی کے تمام حالات ہفتہ وار مجھے ملنے چاہئیں اور سول نافرمانی کے پروپگینڈے کے لئے انگریزی اخبارات میں خبریں بھیجنے کی طرف توجہ

والی تا کہ جنگ کے خلاف احرار کی سول نافرمانی کو زیادہ موثر درجہ حاصل ہو۔ آجکل مولانا جوش میں نظر آتے ہیں۔ مجھ سے فرمایا ہے کہ کانگریس بھی مہینے دو مہینے تک سول نافرمانی کرنے والی ہے جس سے احرار سول نافرمانی کو چلانے میں کافی مدد مل جائے گی۔ مولانا آزاد نے یہ بھی فرمایا کہ جنگ کے خلاف احرار پہلی تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ آج ہی شام کو مسٹر سبھاش چندر بوس کے مکان پر ان سے ملنے گیا۔ اس وقت ڈاکٹر ان کا معائنہ کر رہے تھے۔ اور کوئی انجکشن لگایا جا رہا تھا ان کے سکریٹری سے باتیں ہوئیں۔ سکریٹری نے ۱۶ر تاریخ کو ملاقات کا وقت دیا ہے اور سکریٹری صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی سے دہلی میں سبھاش بابو کی تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ اب مولانا کے اس خط کا جواب وہ گیارہ تاریخ کو مدراس سے لوٹ کر دیں گے اور جواب بھی زبانی ہوگا۔ چنانچہ اب گیارہ تاریخ کو میں سبھاش بابو سے ملونگا پھر جیسی کچھ بات ہوگی ویسے ہی آپ کو مطلع کروں گا!

یہ تمام حالات رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کی خدمت میں عرض کر دیئے جائیں۔ جو مزید مشورہ وہ فرمائیں اس سے مجھے مطلع کیا جائے۔ میں اب کلکتہ سے ضلع جلپائیگوڑی مقام نوپاڑہ جاؤں گا۔ وہاں مولانا نوشیر علی اور مولانا اسلام آبادی ایم ایل اے اور نوپاڑہ کے گدی نشین خواجہ عبدالحمید سے ملاقات کروں گا! تاکہ بنگال میں جنگ کے خلاف بڑا جلسہ کر کے احرار سول نافرمانی کا پروگرام شروع کیا جائے اور ایک ایسی مجلس مشاورت کے دعوت نامے بھی جاری کئے ہیں جس میں بہت سے ایم ایل اے صاحبان کو نوپاڑہ میں مولانا نوشیر علی صاحب کے مکان پر بلایا ہے۔ امید کرتا ہوں کہ آزاد خیال ایم ایل اے صاحبان احرار کا ساتھ دیں گے۔ میرے اس تمام کام میں مولانا نوشیر علی صاحب میرے مشیر اور مددگار ہیں۔ انہوں نے احرار کے پروگرام کے متعلق کام کرنے کا نہ صرف وعدہ کیا ہے بلکہ کام شروع کر دیا ہے۔

۱۲ر جنوری کو نوپاڑہ کی جامع مسجد میں ایک بہت بڑا جلسہ جنگ کیخلاف مولانا نوشیر علی

کی صدارت میں ہوا۔ یہ جلسہ خالص احرار کے زیر اہتمام ہوا مسجد تمام بھر گئی تھی۔ اور حاضرین تین چار ہزار سے زیادہ تھے۔ جلسہ بہت کامیاب رہا خواجہ عبدالمجید سجادہ نشین اور مولانا نوشیر علی نے بنگالی زبان میں لوگوں کو مجلس احرار کا پروگرام سمجھایا جلسے کے خاتمے پر لوگوں نے سول نافرمانی کے لئے رضا کارانہ طور پر اپنا نام لکھوایا۔ غرضیکہ عنقریب ہی پورے بنگال کا دورہ کر کے کلکتے میں احرار سول نافرمانی کا پروگرام بن جائے گا۔ اس بارے میں قاری رحمت اللہ صاحب اور ابوالحسن صاحب کے نام رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کی طرف سے خط لکھوائے جائیں۔ اگرچہ یہ دونوں صاحبان احرار میں شامل ہو گئے ہیں مولانا کے خطوط سے اور زیادہ مضبوطی کیساتھ کام کریں گے۔ بنگال میں سول نافرمانی کا پروگرام جنوری کے آخر تک شروع ہو جائے گا۔ پھر میں بہار شریف، پٹنہ، گیا، ہوتا ہوا اگر گرفتاری سے بچا رہا تو پنجاب پہنچ جاؤں گا۔ خادم سید سلیمان سلیم

۱۱ر جنوری ۱۹۴۰ء

تحریک احرار کا یہی تنظیمی پس منظر تھا جس کی بناء پر رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے اپنی گرفتاری سے کچھ روز پیشتر دہلی میں اخباری نمائندوں کو ایک بیان دیتے ہوئے کہا:

ہمارے لئے کس قدر مسرت کا مقام ہے کہ مجاہدین احرار نے جنگ کے خلاف اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہناتے ہوئے پوری حوصلہ مندی کے ساتھ مصائب اٹھائے۔ ہیں عزیز شورش کشمیری، مولانا احسن عثمانی اور دوسرے احرار ورکروں اور رضا کاروں کو پولیس نے سڑکوں پر گھسیٹا اور پیٹا ہے اور جیلوں میں ان کے ساتھ نہایت ہی نازیبا اور ذلیل کن سلوک کیا جا رہا ہے۔ جو جرائم پیشہ مجرموں کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا۔

مجھے حیرت ہے کہ سبھاش چندر بوس اور مولانا آزاد کے سوا ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں نے احرار کی کوئی مدد نہ کی بلکہ ہندوستان کی نیشنل جماعتیں آئین کے ذریعہ ہندوستان

کی مکمل آزادی کا ... خواب پریشان تحریر کرنے میں مصروف ہیں:
وائسرائے کے موجودہ بیان کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو چکی ہے۔ کہ مجلس احرار ہند کا فیصلہ ہی ملک کی بہترین رہنمائی ہے اور آخر کار ہندوستان کی تمام جماعتوں کو احرار کے نقش قدم پر چلنا پڑے گا۔

مجلس احرار ہند کی دس سالہ صدارت

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی دس سال تک مجلس احرار کے صدر رہے اس زمانہ صدارت میں جنگ آزادی ۱۹۲۹ء کی سول نافرمانی کے بعد تحریک کشمیر، تحریک کپورتھلہ تحریک بہاولپور اور تحریک قادیان اور تحریک شہید گنج کو مولانا کی فکری اور عملی رہنمائی حاصل رہی اور جماعت احرار کو پورے نظم و ضبط کے ساتھ چلاتے رہے صوبہ یوپی اور صوبہ سرحد بہار اور بمبئی اور بنگال تک مجلس احرار کے نظام کو پھیلایا اور منظم کیا اور اپنے دور صدارت میں ہندوستان کے سیاسی جماعت کے لیڈروں سے سیاسی مسائل پر ہمیشہ ایسی بات چیت کرتے رہے جس سے جماعت احرار کے وقار میں اضافہ ہو۔ ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتوں کو احرار کی تنظیم کو ماننا پڑا۔ جو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

جمعیتہ علماء ہند سے مولانا حبیب الرحمٰن کے تعلقات

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ۱۹۱۹ء سے جمعیتہ علماء ہند کے رکن بنے اور ۱۹۵۰ء تک برابر جمعیتہ علماء ہند کے ممبر رہے۔ احرار کے نظام کے ساتھ ساتھ پنجاب میں جمعیتہ علماء کا کام بھی کرتے رہے اور جمعیتہ علماء کے تمام اجلاس اور مجلس مشاورت میں جمعیتہ علماء ہند کی خصوصی دعوت پر شریک ہوتے رہے۔ احرار اور جمعیتہ علماء میں انہوں نے کبھی اختلاف کی خلیج حائل نہ ہونے دی۔ احرار کو جمعیتہ کے ساتھ اور جمعیتہ کو احرار کے ساتھ ملائے رکھنا

ان کے سیاسی تدبر کا ثبوت تھا۔ احرار کی کانفرنسوں میں جمعیت علماء کے بزرگوں کو بلا کر پنجاب کے مسلمانوں کی مذہبی رہنمائی کا کام کیا۔ جماعت احرار میں جمعیت علمائے ہند اور کانگریس کے اثرات کو قائم رکھنے میں ہمیشہ انہوں نے اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے کام لیا اور اُن کے زمانہ صدارت میں احرار جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس سے ہمیشہ اشتراک و تعاون کرتے رہے۔

دھرمسالہ جیل سے رہائی!

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی ۱۹۴۰ء جولائی ۱۹۴۰ء تک دھرمسالہ جیل میں نظر بند رہے۔ دھرمسالہ جیل میں مولانا کے ساتھی سردار سردول سنگھ کوئشیر اور شری ویریندر جو کہ شری رنبیر جی ایڈیٹر ملاپ اخبار کے بھائی ہیں بھی نظر بند تھے۔ شری ویریندر نے زمانہ نظر بندی میں سبقاً سبقاً قرآن مجید کا ہندی میں ترجمہ پڑھا۔ خواجہ حسن نظامی مرحوم کے قرآن مجید کے ہندی ترجمے کی مدد سے شری ویریندر کو مولانا درس قرآن دیتے رہے۔ سردار سردول سنگھ کوئشیر سے جیل میں سیاسی گفتگوئیں اور مباحثہ ہوتے تھے۔ ان دونوں اصحاب نے مولانا سے تاریخ اسلام علم قرآن اور ہندوستان کی سیاسیات پر معلومات حاصل کیں۔ دھرمسالہ جیل میں ان تینوں نظر بندوں کی چھوٹی سی دنیا کا زیادہ وقت سیاسی اور علمی بحثوں میں گذرا۔

دیول کانفرنس کے موقع پر جبکہ کانگریس کے تمام لیڈر رہا ہو چکے تو راقم الحروف مولانا آزاد سے ملنے کے لئے شملہ روانہ ہو گیا۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کی رہائی کا قصہ راقم الحروف نے مولانا آزاد کی کتاب "صبح امید" میں ان الفاظ میں قلم بند کیا ہے۔

لاہور کے قیام کے بعد پھر میری ملاقات مولانا سے جولائی ۱۹۴۰ء میں شملہ کانفرنس کے موقع پر اس طرح ہوئی کہ میں اپنے دادا مرحوم مولانا محمد زکریا کا خط لیکر دائر اٹیکل لاج کی ایک کوٹھی آرمز ڈیل میں ان سے ملا۔ حضرت مولانا نے نہایت ہی محبت اور شفقت سے مجھے اپنی ہی کوٹھی میں قیام کے لئے فرمایا۔ لیکن چونکہ میرے پاس شملہ میں قیام کیلئے

جگہ تھی اس لئے ایک روز میں مولانا کے پاس ٹھہر کر میں اپنی قیام گاہ پر ——— واپس آ گیا۔ اب میری ملاقات روزانہ ہی مولانا سے صبح کو ہو جاتی اور حضرت مولانا ہر روز مجھے بلا کر اطمینان دلاتے کہ تمہارے والد عنقریب ہی رہا ہونے والے ہیں چار یا پانچ دن کے بعد ایک روز مولانا آزاد نے مجھے بلایا۔ اور فرمایا کہ یہ خط اپنے دادا کے پاس لے جائیے اور میرا اسلام بھی کہئے آپ کے والد صاحب پرسوں دھرمسالہ جیل سے رہا ہو جائیں گے اور تم میرے بھائی سیدھے جیل کے دروازے پر اپنے والد صاحب کو لینے کے لئے چلے جانا۔ میں خط لیکر فوراً ہی لدھیانہ پہنچا مولانا صاحب نے اس خط میں میرے دادا صاحب کو تحریر کیا تھا۔

حبی فی اللہ" آپ کا خط ملا - مولینا حبیب الرحمن
صاحب نے اپنی قربانیوں اور استقلال سے
ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں میں ممتاز جگہ حاصل
کرلی ہے اس دفعہ کی طویل نظربندی میں تو
وہ سب کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ میرا یقین ہے
کہ اب وہ دو تین دن میں ہی رہا ہو جائیں گے
مجھے یاد ہے آپ" دفتر وکیل اخبار امرتسر
کے بعد کلکتہ میں بھی ملے تھے۔ مجھے آپ کی ملاقات
سے ہمیشہ مسرت ہوئی — ابوالکلام

۳ر جولائی سنہ ۱۹۴۰ء شملہ

یہ خط میں دادا صاحب کی خدمت میں پیش کر کے فوراً ہی دھرمسالہ جیل روانہ ہو گیا میں ۵ر جولائی سنہ ۱۹۴۰ء کی صبح کو دھرمسالہ پہنچا اور والد صاحب دن کے بارہ بجے چھ سال کی نظربندی کے بعد جیل سے رہا ہو گئے اور صرف ایک روز کے لئے لدھیانہ میں قیام فرمانے کے بعد فوراً مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے شملہ روانہ ہو گئے۔ اور مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے۔

مولانا ابوالکلام آزاد سے دیرینہ مراسم

مولانا ابوالکلام آزاد سے ہمارے خاندانی مراسم میرے دادا مولانا محمد زکریا صاحب سے شروع ہوئے۔ مولانا کے بڑے بھائی مولانا ابوالنصر صاحب اسلامیہ کالج لاہور میں سب سے پہلے عربی اور اردو کے پروفیسر مقرر ہوئے ان سے دادا صاحب کے دوستانہ مراسم شروع ہوئے۔ اور والد صاحب کے میدان سیاست میں آتے ہی مولانا سے سیاسی تعلقات کا نہ ٹوٹنے والا رشتہ شروع ہو گیا!

ان تعلقات میں اتنی گہرائی تھی کہ ۱۹۲۹ء کی لاہور کانگریس میں مولانا کے اشارے پر پنجاب خلافت کمیٹی کے بجائے مجلس احرار قائم ہوئی جس کے دس سال تک والد صاحب صدر رہے بقول مولانا۔ احرار سے میرے ذہنی رابطے ہمیشہ قائم رہے ہیں۔ اور مجلس احرار نے ایک آزاد خیال جماعت کی حیثیت سے پنجاب میں کانگریس کو مضبوط رکھا۔

"منقولہ صبح امید صفحہ ۵-۶۰"

ڈاکٹر بی سی رائے کا معائنہ

رئیس الاحرار چھ سال کی طویل نظر بندی سے بے حد کمزور ہو گئے تھے۔ مولانا آزاد کی ہدایات پر ڈاکٹر بی سی رائے نے رئیس الاحرار کا ڈاکٹری معائنہ کیا۔ اور معائینہ کے بعد رائے دی کہ آپ کو مکمل آرام کی ضرورت ہے۔

رئیس الاحرار کی صحت بے حد خراب تھی لیکن ہندوستان کے سیاسی حالات پہلے سے زیادہ خراب ہو چکے تھے مسلم لیگ اور کانگریس کی جنگ شباب پر تھی۔ ان حالات میں آرام کرنا کب ممکن تھا۔ باوجود ڈاکٹر کی سخت ہدایات کے رئیس الاحرار برابر کام میں مصروف رہے۔ رئیس الاحرار نے ڈاکٹر بی سی رائے کو ان کے مشورہ پر جواب دیا کہ ڈاکٹر صاحب اگر آرام کرنا ہی مقصد ہوتا تو اس راہ میں قدم ہی نہ رکھتا۔ یہ تو پہلے ہی معلوم تھا کہ جنگ آزادی لڑنے کے لئے یہ سب تکالیف برداشت کرنا پڑیں گی۔

ویول کانفرنس
سے
ہندوستان کی آزادی
اور
قیام پاکستان تک

ویول کانفرنس

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن نے شملہ پہنچ کر پیر احمد حسین صاحب مالک حسین بخش اینڈ کمپنی کے مکان پر قیام کیا۔ ۲۰ جولائی کی صبح کو مولانا ابوالکلام آزاد سے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن ملنے کے لئے تشریف لے گئے، جب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب وائسرائیگل لاج کی کوٹھی میں پہنچے۔ جہاں مولانا ابوالکلام آزاد تشریف فرما تھے تو اس گرم جوشی اور جوش مسرت سے دونوں رہنما گلے ملے اور مصافحہ کیا کہ گرد و پیش کی فضا اس شعر سے گونج اٹھی ۔

اے دوست کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا — بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

دونوں رہنماؤں میں کوئی دو گھنٹہ تک بات چیت ہوتی رہی ہندوستان کے سیاسی فیصلہ کے بارے میں مولانا آزاد مطمئن تھے نہ ما یوس، البتہ برطانوی گورنمنٹ کی کمزوری کا انھیں پورا یقین تھا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے رئیس الاحرار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اگر برطانوی گورنمنٹ کسی باعزت سمجھوتے پر رضامند نہ ہوئی تو کانگریس کو پھر نئی تحریک جاری کرنی ہوگی۔ اسی گفتگو میں مولانا نے اپنے ساتھیوں کی کمزوری کی طرف بھی اشارہ کیا کہ میرے بھائی لوگ تو اس وقت سمجھوتے کے لئے بیتاب ہیں خواہ وہ سمجھوتا کیسا ہی ہو۔ اور کسی بھی بنیاد پر ہو مگر میں نے ویول صاحب سے کہہ دیا ہے کہ سمجھوتا اگر ہمارے وقار کے خلاف ہوگا تو کانگریس اسے قبول نہ کرے گی۔

۷ جولائی سے ۱۴ جولائی تک مولانا آزاد سے برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد ویول سے اپنی گفتگو کے بارے میں روزانہ ہی حالات سناتے۔ مولانا آزاد نے اس زمانے میں خضر حیات خاں سے بھی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی ملاقات کرائی۔ خضر حیات خاں سے ملاقات کراتے وقت مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا۔ کہ میرے بھائی حالات نے نیا رُخ اختیار کر لیا ہے۔ پنجاب میں اب آپ خضر حیات خاں کی مدد کیجئے۔ اور خضر صاحب کو چاہیئے کہ وہ اب آپ کے مشورہ پر عمل کریں۔ اس طرح مولانا آزاد نے احرار اور یونینسٹ پارٹی کی پرانی رنجشوں کو ختم کر دیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے رئیس الاحرار سے پنجاب میں کام کرنے کے بارے میں فرمایا کہ میں ابھی تک

طے نہیں کر پایا کہ میں آپ کو کانگریس ورکنگ کمیٹی میں لے لوں یا ابھی جماعت احرار ہی کو منظم کرنے کے لئے اور جماعت احرار سے کام لینے کے لئے آپ کو کام کرنے کی رائے دوں۔ بہرحال یہ بات آئندہ طے کر کے لکھ دوں گا۔

مولانا ظفر علی خاں اور فیروز خاں نون

۱۰ رجولائی ۱۹۴۴ء کو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مولانا آزاد سے ملنے کے لئے جا رہے تھے۔ راستے میں مولانا ظفر علی خاں سے ملاقات ہو گئی۔ رئیس الاحرار نے مولانا ظفر علی سے کہا۔ کہ فرمائیے آپ مسٹر جناح کے ساتھ ہیں یا مسٹر جناح آپ کے ساتھ ہیں۔ مسٹر جناح کے قائد اعظم بننے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ مولانا ظفر علی خاں اس پر ہنس پڑے فرمانے لگے کہ جب طاقت ہی میرے ہاتھ سے نکل گئی تو ان سوالوں کا جواب کیا دوں۔ اگر ریول کانفرنس میں مجھے بلایا جاتا تو وہاں میں بتاتا کہ ظفر علی خاں کیا چاہتا ہے۔ اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی جب مولانا آزاد کی کوٹھی کے قریب پہونچے تو مولانا ظفر علی خاں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ آئیے مولانا آزاد سے تو ملئے آپ کے پرانے ساتھی ہیں اس پر مولانا ظفر علی خاں سوچ میں پڑ گئے لیکن آدھے منٹ بعد کہا۔ کہ چلئے۔ مولانا آزاد سے ملنے میں کیا حرج ہے۔

مولانا آزاد نے مولانا ظفر علی خاں کو دیکھتے ہی مسکراتے ہوئے فرمایا۔ فرمائیے مولانا کیا حال ہے۔ آپ کے نوادرات شعری کا ...... مولانا ظفر علی خاں نے جواب میں کہا۔ میری شعر و شاعری میں تو کوئی فرق نہیں آیا۔ جب اور جس وقت جس قدر شعر چاہوں کہہ سکتا ہوں اس کے بعد مولانا آزاد کی کمزوری دیکھ کر مولانا ظفر علی خاں نے فکر مندی کا اظہار کیا۔ اس پر مولانا آزاد نے فرمایا میرے بھائی میں اس وقت اپنی صحت کو واپس لانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ امید ہے میری صحت جلد ہی واپس آ جائے گی۔ کچھ دیر مولانا ظفر علی خاں بیٹھے رہے پھر مولانا آزاد سے اجازت لے کر چلے گئے اس مختصر سی ملاقات میں مولانا آزاد جس خندہ پیشانی سے مولانا ظفر علی خاں سے ملے مولانا ظفر علی نے اس کو بہت محسوس کیا۔ مولانا ظفر علی خاں کے چہرے سے شرمندگی اور نیازمندی کے ملے جلے جذبات کا اظہار ہوتا تھا۔

۱۳ جولائی ۱۹۴۵ء کی صبح کو رئیس الاحرار مولانا ابوالکلام آزاد کی کوٹھی میں داخل ہو رہے تھے تو دروازہ میں ایک طویل قامت سوٹ پہنے ہوئے شخص سے ملاقات ہوئی جس کے ساتھ ایک انگریز عورت بھی تھی۔ اس شخص نے رئیس الاحرار کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ شاید آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ میرا نام فیروز خاں نون ہے۔ اور فوراً ویول کانفرنس کے متعلق فیروز خاں نون نے اظہار خیال شروع کیا۔

میری طرف سے مولانا آزاد کی خدمت میں یہ عرض کر دیجئے گا کہ انگریز مسلم لیگ کی طاقت کو ماننے کے لئے تیار نہیں اور سرکاری حلقوں میں جناح کے مطالبات کو کوئی اہمیت حاصل نہیں اور خاصکر ویول کی رائے جناح صاحب کے خلاف ہے۔ ویول کانگریس کو گورنمنٹ میں لانے کے لئے ایمانداری سے کوشش کر رہے ہیں۔ اگر مسٹر جناح نے ویول کی بات نہ مانی تو وہ مسلم لیگ کو نظرانداز کر کے دوسرے مسلمانوں کو کانگریس کے ساتھ شریک کر دیں گے اس لئے مولانا آزاد اور کانگریس کو مسلم لیگ کو اہمیت دینے کی پالیسی کے خلاف مضبوطی سے قائم رہنا چاہیئے۔ گفتگو کے بعد اپنی انگریز بیوی کا تعارف رئیس الاحرار سے کرایا

رئیس الاحرار نے مولانا آزاد کی خدمت میں فیروز خاں نون کی ساری گفتگو اور دروازے پر ملنے کا واقعہ نقل کر دیا مولانا آزاد نے فرمایا میرے بھائی سوال ویول کی حمایت اور مخالفت کا نہیں، بلکہ ہندوستان کے قومی اتحاد کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ برطانوی گورنمنٹ کی اس معاملہ میں کیا رائے ہے۔ وہ کس انداز سے ہندوستان کے آئینی مسئلہ کو حل کرنا چاہتی ہے۔ میرے سامنے صرف یہی مسئلہ زیر غور ہے۔ ویول کی گفتگو اور اس کا تعاون اس حد تک میرے ساتھ ہے کہ وہ پرائیویٹ ملاقاتوں میں بہت کھل کر ہندوستان کے مسائل پر بات کر رہا ہے۔ اگر ویول کو ہی یہ مسئلہ طے کرنا ہوتا تو میں اور ویول مل کر آج تک یہ مسئلہ طے کر چکے ہوتے مگر ویول گورنمنٹ برطانیہ کی رائے اور مشورے کے خلاف کچھ کرنے سے معذور ہیں اگرچہ وہ اس کوشش میں ہے کہ جس حد تک اس کے اختیارات ہیں ان سے کام لے کر مرکزی گورنمنٹ بنائے۔

حبیب ڈیسائی ملاقات

۱۱ جولائی ۱۹۴۵ء کو صبح دس بجے رئیس الاحرار کی ملاقات بھولا بھائی ڈیسائی سے مال روڈ پر ایک ہوٹل کے سامنے ہوئی۔ بھولا بھائی ڈیسائی نے رئیس الاحرار سے کہا کہ میرے ساتھ بڑی ناانصافی

ہو رہی ہے۔ میں نے تو مولانا صاحب کانگریس کے خلاف کچھ نہیں کیا۔ جو کچھ کیا۔ گاندھی جی کی اجازت سے کیا ہے۔ لیکن آپ سب ہی لوگ مجھ سے ناراض ہیں اور کوئی بھی مجھ سے کسی مسئلہ پر بات کرنے کو تیار نہیں ہے۔ گاندھی جی بھی میری بات نہیں سنتے ــــ مجھے اس طرح ریول کانفرنس میں نظر انداز کیا جا رہا ہے جیسے میں نے ملک سے کوئی غداری کی ہے۔ یہ کہتے ہوئے بھولا بھائی کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

اس پر رئیس الاحرار نے بھولا بھائی ڈیسائی سے کہا۔ کہ جب سیاست پر طاقت غالب آجاتی ہے۔ تو سیاست سے انصاف جاتا رہتا ہے۔ اب یہاں وہی مقبول ہیں جن کے ہاتھ میں طاقت ہے اور کوئی ایک شخص بھی اپنی طاقت دوسرے کو دینے کو تیار نہیں۔ دیول کانفرنس میں یہی تماشہ ہو رہا ہے

شملہ میں حبیب گاندھی ملاقات

۱۲ جولائی ۱۹۴۵ء کو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی ملاقات کوئی تین بجے راجکماری امرت کور کی کوٹھی پر جہاں گاندھی جی ٹھہرے ہوئے تھے ان سے ہوئی۔ رئیس الاحرار سے گاندھی جی کے اس سوال پر کہ آپ مولانا جیل میں کیسے رہے اور ملک کے بارے میں کیا سوچا ہے۔ اس سوال پر مولینا حبیب الرحمٰن نے فرمایا۔

گاندھی جی! آپ مجھ سے کیا میری رائے پوچھتے ہیں میرے جیسے سپاہیوں سے تو آپ ملاقات کرنا پسند نہیں کرتے ہیں جب ۱۹۴۰ء میں آپ سے ملنے سیواگرام حاضر ہوا۔ تو آپ کے سکریٹری پیارے لال جی نے کہہ دیا کہ گاندھی جی تم سے ملنا نہیں چاہتے۔ گاندھی جی یہ بات سن کر بڑے حیران ہوئے اور تین بار کہا کہ مولانا صاحب میں نے تو ایسا نہیں کہا۔ میں نے تو ایسا نہیں کہا۔ میں نے تو ایسا نہیں کہا۔ اور فوراً ہی پیارے لال جی کو بلایا۔ ان سے گاندھی جی نے کہا۔ مولانا صاحب آپ کی یہ شکایت کر رہے ہیں یہ بات سن کر پیارے لال جی کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور انہیں پسینے آگئے وہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے معذرت کرنے لگے کہ میری غلطی تھی۔ مہاتما جی نے تو مجھ سے ایسا نہیں کہا تھا۔

اس قصہ کے بعد مولانا صاحب نے کہا۔ میں نے جیل میں آپ کی اور جناح صاحب کی ملاقات

گفتگو اور خط و کتابت پڑھی اس پر گاندھی جی نے کہا۔ تو مولانا صاحب آپ نے کیا رائے قائم کی۔ مولانا نے کہا کہ میں نے اس کو پڑھ کر یہ سمجھا کہ دو ہم وطن قابل وکیل دلائل سے ملک کو تقسیم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ گاندھی جی اس بات پر بہت ہنسے اور فرمانے لگے۔ مولانا صاحب تو آپ یہ سمجھے۔ اس کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر مولانا نے دریافت کیا۔ فرمایئے مہاتما جی اب آپ کی کیا رائے ہے۔ مہاتما جی نے کہا۔ مولانا صاحب میں تو ایک دفعہ خود اور اپنے ساتھیوں کو جیل میں بھیج دوں۔ مگر پھر سوچتا ہوں کہ ساتھی بھی اس پر رضامند ہوں گے یا نہیں میں پوری طرح مطمئن ہوں کہ انگریز اب ہندوستان میں نہیں رہ سکتے۔ اس کے بعد مہاتما جی سے مذہبی باتیں ہونے لگیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن نے انھیں قرآن مجید کی کچھ دعائیں سنائیں جس پر گاندھی جی نے کہا یہ دعائیں آپ ضرور مجھے بھیجیں۔ یہ ملاقات کوئی ایک گھنٹہ تک جاری رہی۔ اس کے بعد مولانا صاحب گاندھی جی سے اجازت لیکر اپنی جائے قیام پر آ گئے۔

راقم الحروف اس ویول کانفرنس کے زمانے میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے ساتھ ہر گفتگو میں شامل تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اپنی ذاتی ڈائری میں یہ باتیں لکھتا جا رہا تھا۔

ڈائری کا ایک ورق

میری مسٹر جناح سے ملاقات

میں ۶ رجون ۱۹۴۵ء کو شملہ پہنچ گیا تھا۔ قبلہ والد صاحب مرحوم کی وجہ سے ہندوستان کے چوٹی کے لیڈروں سے مجھے ملنے کا کئی بار شرف حاصل ہو چکا تھا چنانچہ میں ہندوستان کے بہت سے وزیروں اور کانگریسی اور غیر کانگریسی لیڈروں سے مل کر ان کی سیاسی رائے معلوم کرتا۔ اور اندازہ کرتا کہ ویول کانفرنس کے بعد ہندوستان کی سیاسیات کا کیا رخ ہو گا۔ دوبارہ لڑائی یا صلح۔ میرے ساتھ حامد اللہ انصاری غازی ایڈیٹر اخبار مدینہ اور مولانا مجید حسن صاحب مالک اخبار مدینہ کے بڑے صاحبزادے بھی قیام پذیر تھے جنہوں نے ان لوگوں کی ملاقاتیں بھی بہت سے لیڈروں سے کرائیں۔ ایک روز سیسل ہوٹل شملہ میں غازی صاحب نے کہا

اور تو سب لوگوں سے ملاقات کر رہے ہو۔ مسٹر جناح قائدِ اعظم سے تمہاری ملاقات نہیں ہوئی۔ میں نے کہا اس
میں کیا تکلف ہے۔ میں ان سے بھی مل سکتا ہوں۔ اس وقت شام کے چار بجے تھے۔ میں انھیں لے کر سیسل ہوٹل
کے اس کمرے کے سامنے گیا۔ جہاں مسٹر جناح تشریف فرما تھے۔ میں نے اپنے نام کا کارڈ قائدِ اعظم کی خدمت میں
بھیجا جس پر تحریر تھا۔ عزیز الرحمٰن سن آف مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی۔ یہ کارڈ لے کر جو ہی مسلم لیگ
نیشنل گارڈ کا والنیٹر جو اس دروازہ پر متعین تھا۔ کارڈ لے کر اندر گیا۔ دوسرے ہی لمحہ اس نے آکر کہا
قائدِ اعظم صاحب آپ کو بلا رہے ہیں مسٹر جناح نے مجھ سے دریافت کیا۔ آپ کے والد کا قیام کہاں ہے
میں نے کہا وہ تو ابھی تک جیل میں ہیں انھوں نے کہا۔ کانگریس کے تو سب لیڈر رہا ہو چکے ہیں وہ کیوں جیل میں
ہیں۔ میں نے کہا ممکن ہے چند روز میں رہا ہو جائیں۔ مسٹر جناح نے مجھ سے سوال کیا کہ احرار کا کیا نظریہ ہے
میں نے کہا۔ احرار دل سے چاہتے ہیں کہ کانگریس لیگ اتحاد ہو جائے۔ وہ تقسیم ملک کے خلاف ہیں کیونکہ
تقسیم میں سب سے زیادہ نقصان پنجاب کو پہونچے گا اور ایسے المناک مناظر سامنے آئیں گے جس کا اندازہ
آپ کو نہیں ہے پنجاب کا تو ابھی سے یہ عالم ہے کہ پنجاب کے ہندو سکھ مسلمان اپنے قتل عام کے لئے
اس قدر منظم ہو چکے ہیں اگر اتفاقاً بھی کسی بات پر پنجاب میں فساد ہو گیا تو خون کی ندیاں بہہ جائیں گی اور ان
فسادات کو عرصہ تک کوئی طاقت نہ روک سکے گی۔ میں نے کہا پنجاب کے مسلم لیگی لیڈر آپ کو پنجاب کے
صحیح حالات سے باخبر نہیں رکھیں گے۔ میرا یقین ہے کہ اگر پنجاب میں فساد ہو گیا۔ تو پنجاب کے مسلم لیگی لیڈر
سب سے پہلے میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ پندرہ منٹ تک مسٹر جناح سے بات ہوتی رہی۔ وہ
پنجاب کے سیاسی حالات سن کر بڑے متاثر ہوئے۔ آخر میں قائدِ اعظم فرمانے لگے کہ اگر آپ کے
والد جیل سے آجائیں۔ تو ان سے میری طرف سے کہنا کہ ۱۲ جولائی کو مجھ سے دہلی میں ملیں۔ ساتھ ہی
اپنے کارڈ پر اپنا نام لکھ کر دے دیا تاکہ ملاقات میں دقت نہ ہو۔

میں جس وقت ملاقات کر کے نکلا تو چند اخباری نمائندوں نے مجھ سے پوچھنا شروع کیا کہ تمہاری
کیا بات ہوئی۔ میں نے کہا۔ بات تو کچھ بھی نہیں ہوئی۔ وہی والد صاحب کی نظر بندی کے حالات پوچھتے
رہے میں بتاتا رہا۔ اس ملاقات کے دوران مجھے یہ احساس ہوا کہ میرے والد مولانا حبیب الرحمٰن کے مسٹر جناح

بہ حیثیت تکلفات ہیں۔ قائد اعظم کا ۱۴ر جولائی کو ملاقات کا وقت دینا بھی کافی اہمیت رکھتا تھا۔ میں نے والد صاحب
سے دہلی کے بعد شملہ پہنچ کر اس واقعہ کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ جناح صاحب مدت سے مجھے شکار
کرنے کی فکر میں ہیں۔ یہ کہہ کر باقی تمام باتوں کو ٹال دیا۔

سردار پٹیل کی صدارت کا چرچا

ویول کانفرنس کے دوران یہ بات کانگریس اور گورنمنٹ کے حلقوں میں گردش کرنے لگی کہ کانگریس
کے آئندہ صدر سردار پٹیل ہوں گے کیونکہ مولانا آزاد کے زمانہ صدارت کے ختم ہونے کے بعد صدر
کانگریس کا عہدہ سردار پٹیل سنبھالیں گے۔ اس خبر کا چرچا ہوتے ہی پنجاب میں دو گروپ ہو گئے بعض لوگوں کا
خیال تھا کہ آئندہ وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل کو ہونا چاہیئے۔ لیکن یہ آواز بہت کم تھی دوسری طرف ہندوستان
کے سیاسی برطانوی حلقوں نے سردار پٹیل کو شہ دینی شروع کی۔ مولانا آزاد۔ مہاتما گاندھی، پنڈت
جواہرلال کے ساتھ ساتھ سردار پٹیل کی رہائش گاہ بھی مرکز سیاست تھی۔ عام اخباروں کا رجحان بھی سردار
پٹیل کے پروپیگنڈے کی طرف تھا۔ یہاں تک کہ گاندھی جی سے زیادہ پروپیگنڈا سردار پٹیل کا شروع ہو گیا
اور یہ کہا جانے لگا کہ کانگریس میں سردار پٹیل کی رائے گاندھی جی کی رائے کے برابر ہے۔ اس طرح سردار
پٹیل کو شملہ کانفرنس میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کا فولادی ممبر اور اہم فیصلہ کن آدمی بنا دیا۔ برطانوی
سیاست دان اس بات پر مطمئن تھے کہ جواہرلال کی بجائے جس کی سیاست کیونزم سوشلزم سے علیحدہ نہیں تھی
اس کی بجائے سردار پٹیل کی خالص ہندو نیشنلزم کی سیاست کو اہمیت دے کر ہندوستان بھر میں مقبول
بنایا جائے۔ اور حکومت ہند کی اس حکمت عملی نے ایسے دور رس نتائج پیدا کئے۔ اور وقت آیا کہ سردار پٹیل
نے بقول مولانا ابوالکلام آزاد نہ صرف گاندھی جی کی رہنمائی سے انکار کیا بلکہ مہاتما گاندھی کے مخالف ہو کر
وہ سب کچھ کیا جو کہ مہاتما جی نہیں چاہتے تھے۔

سردار پٹیل کو ویول کانفرنس سے پہلے بھی ۳۲ء میں انگریزوں کی حکمت عملی گاندھی جی کے مد مقابل
ایک اہم شخصیت بنانے پر زور دے چکی تھی۔ ایک اخبار نویس نے ۳۲ء میں ایک کتاب ہندوستان کی سیاست
کے بارے میں لکھی اس اخبار نویس کا نام گلوری بولٹن ہے۔ پنڈت جواہرلال نہرو اپنی کتاب "میری کہانی" کے

صفحہ ۳۳ کے مسودس کے حاشیے پر مسٹر بولٹن کی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بہت سی باتیں جو مسٹر بولٹن نے لکھی ہیں اور بہت سے نتیجے جو انھوں نے نکالے ہیں۔ میری رائے میں نا واجب ہیں۔ بیان اور واقعات میں بھی بہت سی غلطیاں ہیں۔ خصوصاً اس سلسلے میں کہ ملّی کے معاہدہ کی بات چیت کے زمانہ میں اور اس کے بعد کانگریس کی مجلس عاملہ نے کیا کیا، اور کیا نہیں کیا۔ ان کا ایک عجیب سا مفروضہ یہ بھی ہے کہ مسٹر ولبھ بھائی پٹیل کو ۱۹۳۱ء میں کانگریس کی صدارت اور ... اس کی جو قیادت ملی تو وہ گاندھی جی کے مد مقابل کی حیثیت سے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ پچھلے پندرہ سال میں گاندھی جی کی حیثیت کانگریس میں اور ظاہر ہے ملک میں بھی اس سے کہیں زیادہ بلند رہی ہے۔ جس قدر کانگریس کے صدر کی ہو نی ممکن ہے وہ صدر گر رہے ہیں اور ان کا کہنا ہمیشہ مانا گیا ہے۔ بارہا انھوں نے خود صدارت کرنے سے انکار کیا ہے اور اسے ترجیح دی ہے کہ ان کا کوئی دوسرا ساتھی یا چیلا صدر ہو جائے۔ میں جو کانگریس کا صدر ہوا تو تمام تر انکی ہی وجہ سے۔ دراصل انتخاب گاندھی جی کا ہوا تھا۔ مگر انھوں نے اپنا نام واپس لے لیا اور میرے انتخاب پر لوگوں کو مجبور کیا۔ ولبھ بھائی پٹیل کا انتخاب ذرا خلاف معمول تھا اس لئے کہ اس وقت ہم لوگ قید سے چھوٹے تھے اور کانگریس کمیٹیاں اس وقت خلاف قانون جماعتیں تھیں اور معمول کے طور پر کام نہیں کر سکتی تھیں اس وجہ سے مجلس عاملہ نے کراچی کانگریس کے صدر کا انتخاب اپنے ذمے لے لیا ساری مجلس نے جس میں سردار پٹیل بھی تھے ...... گاندھی جی سے التجا کی کہ وہ صدارت قبول فرمائیں کہ واقعی طور پر تو وہ سردار تھے ہی۔ اس مشکل کے سال میں نام کے لحاظ سے بھی کانگریس کے سردار بھی ہوں لیکن وہ نا منظور اصرار کیا کہ ولبھ بھائی پٹیل صدارت قبول کریں۔ مجھے یاد ہے کہ اس موقع پر کسی نے گاندھی جی سے کہا تھا کہ آپ خود ہمیشہ سے ملک کے [illegible] بادشاہ اور دوسروں کو عارضی طور پر بادشاہ اور بادشاہ گر کا درجہ دے کر سردار

بنا تے ہیں۔

پنڈت نہرو کی ناکام صفائی

۱۹۴۸ء میں سردار پٹیل کے معاملے میں پنڈت جواہر لال نہرو کی مذکورہ صفائی کا بیان نہ صرف بے حقیقت ہو کر رہ گیا بلکہ انگریزی سیاست دانوں نے جو رائے ۱۹۳۹ء میں قائم کی تھی وہ ایک ایسی حقیقت بن کر سامنے آ گئی۔ مولانا ابو الکلام آزاد کی کتاب شائع ہونے سے یہ حقیقت ماننی پڑتی ہے کہ انگریزی سیاست دانوں نے ۱۹۳۲ء ہی میں سردار پٹیل کے بارے میں جو رائے قائم کی تھی اور جس طرح وہ سردار پٹیل کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ انگریزی سیاست دانوں نے استعمال کیا۔ گاندھی جی کو بالآخر سردار پٹیل کے مقابلہ میں شکست ہوئی۔

حافظ علی بہادر خاں ایڈیٹر ہفتہ وار دور جدید ۲۶ فروری ۱۹۴۹ء کے اخبار میں سردار پٹیل۔ مہاتما گاندھی مولانا آزاد اور پنڈت نہرو کے سیاسی اختلافات کا پس منظر بیان کرتے ہوئے اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:۔

برطانیہ امریکہ کی سیاسی حکمت عملی سردار پٹیل کا عروج وزوال

از بہادر علی خاں

اک ایک نفس میں روشنی ہے ـــــ یادوں کے چراغ جل رہے ہیں

ہندوستان کے انقلاب کے وقت پس پردہ جو جوڑ توڑ ہوئے وہ کبھی روشنی میں نہ آتے۔ اگر مولانا آزاد کی کتاب ان کی طرف اشارہ نہ کرتی۔

لیکن کتاب کا ہر باب ایک شرح چاہتا ہے تاکہ ہر واقعہ کے ما لہٗ و ما علیہ کا اندازہ ہو سکے مولانا نے غالباً اختصار کی خاطر صرف "ما لا بد منہ" پر اکتفا کیا ہے۔

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل ! اپنی کتاب میں سردار پٹیل

سے ساتھ اختلاف کا تذکرہ موجود ہے لیکن اس اختلاف کا پس منظر نہیں پیش کیا گیا ہے پس پردہ جو اقدامات پیش کئے
ان سے بھی اس امر پہ روشنی پڑ سکتی ہے کہ سردار پٹیل سے مولانا کو اختلاف کرنے کی ضرورت
کیوں پیش آئی۔ سطحی مطالعہ سے لوگ اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ سردار پٹیل کی فرقہ پرستی کے باعث
مولانا اور پٹیل میں تصادم ہوا لیکن سوال یہ ہے کہ پٹیل نے یہ رویہ کیوں اختیار کیا۔
فرقہ پرستی اور تقسیم ملک کے ذمہ دار صرف جناح سے پٹیل، ماؤنٹ بیٹن وغیرہ ہی نہیں ہیں بلکہ
پس پردہ رہ کر امریکہ اور برطانیہ ڈوریں کھینچ رہے تھے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس بارے میں
سردار پٹیل نے امریکہ و برطانیہ کی ایجنٹی اختیار کر لی تھی۔ ہندوستان کی تقسیم دنیا کے دو مذاہب
سیاست کے ٹکراؤ کی پیداوار تھی۔ ایک طرف مغربی سیاست تھی اور دوسری طرف اشتراکی
محاذ تھا۔ مغربی مدبرین کو یہ فکر تھی کہ آزاد ہندوستان بائیں بازو کی طرف نہ چلنے لگے
جواہر لال نہرو کی قیادت سے یہ خطرہ بڑھتا جاتا تھا۔ لہذا امریکہ و برطانیہ سردار پٹیل کو چاہتے
تھے۔ مولانا آزاد کا نقطۂ نظر ترقی پسندانہ تھا وہ اپنی حکمت عملی سے پٹیل کو گراتے اور نہرو کو بڑھاتے
رہے جب وزیر اعظم بننے کا وقت آیا تو انہی کی کوشش بلکہ خاص اقدامات سے پنڈت نہرو
نے پٹیل کو شکست دی۔ جب کانگریس کی صدارت کا سوال آیا تو بھی مولانا آزاد کے ناخن تدبیر نے
اس گتھی کو سلجھایا۔ پنڈت نہرو نے مولانا کی چلی ہوئی چال سے پٹیل کو شہ دے کر مات کر دیا۔
اگر مولانا آزاد سیاسی جنگ کے نقشے نہ بناتے تو آج ہندوستان میں دائیں بازو کی
سیاست کارفرما ہوتی اور ہمارا ملک مغرب کی گرفت میں آجاتا۔ کرشنا مینن سے مولانا آزاد
کی خفگی کا اصلی سبب یہ تھا کہ بعض بیانات جواہر لال نہرو نے ایسے دیئے جن کے بارے میں مولانا
سے مشورہ نہیں لیا گیا تھا۔ مولانا آزاد نے پنڈت نہرو کے اس رویہ کا برا اثر لیا۔ ان کا خیال
تھا کہ یہ بیانات کرشنا مینن کے مشورہ سے دیے گئے ہیں۔
مولانا کی حکمت عملی کے سبب پنڈت نہرو کے۔۔۔ مقابلہ میں کئی بار سردار پٹیل کی شکست
۔۔۔ کا نتیجہ یہ نکلا کہ پٹیل اور مولانا کے دو جدا گیٹ ہو گئے۔ پٹیل نے فرقہ پرستوں کے ساتھ

ناظر جوڑنا شروع کیا۔

برطانیہ نے سردار پٹیل کو یہ رشوت دی کہ ہم دیسی ریاستوں کو انڈیا میں شامل کرادیں گے تم پاکستان کی حمایت کرو۔ یہ تمام واقعات تفصیل چاہتے ہیں جن سے مولانا آزاد کا عظیم الشان رول اور ترقی پسندانہ کردار اُجاگر ہوتا ہے۔

چرچل کے گلے میں ہار

دہلی کے فسادات کا پس منظر سمجھنے کے لئے ایک واقعہ پر غور کیجئے۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اس زمانہ میں گاندھی جی سے ملے اور اپنے خاص انداز میں کہا کہ مجھے لندن کے لئے پاسپورٹ لادیجئے تاکہ وہاں جاکر چرچل کو اس کی کامیابی پر مبارکباد دوں اور ہار اس کے گلے میں ڈال کر یہ کہوں کہ ہم ہارے تم جیتے۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے اس فقرے کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے ذرا سی تمہید درکار ہے سردار پٹیل کی تقریر کا ایک کٹنگ لے کر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم نے اپنے صاحبزادے جناب عزیز الرحمٰن لدھیانوی کو گاندھی جی کے پاس یکم جولائی ۱۹۴۷ء کو بھیجا۔ یہ تقریر مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیزی سے بھرپور تھی۔ گاندھی جی نے یہ جواب بھجوایا کہ مولانا سے کہنا کہ اب سردار پٹیل میرے بس میں نہیں ہے اور میں تو اب زندہ رہنا نہیں چاہتا ہوں۔

اس سے پہلے ۱۹۴۶ء میں ایک اور واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب گاندھی جی وائسرائے سے مل کر واپس جارہے تھے تو مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے بعض مسائل پر گفتگو کرنے کے لئے وقت مانگا تھا۔ گاندھی جی کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ مگر انھوں نے کہا کہ دہلی سے فرید آباد ٹرین میں بات ہوسکتی ہے۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن نے ٹرین میں کچھ باتیں کیں۔ ان باتوں کے درمیان گاندھی جی نے مولانا سے شکایتاً یا طنزاً کہا تھا کہ "قوم پرست مسلمان لیڈروں کے ساتھ عام مسلمان نہیں ہیں کیونکہ وہ عام مسلمانوں میں کام نہیں کرتے۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اس وقت گاندھی جی کا یہ طنزیہ جملہ چاروناچار پی گئے۔ لیکن

جب دہلی کے فسادات کے زمانے میں گاندھی جی نے خود اعتراف کیا کہ سردار پٹیل اور دوسرے ہندو ورکر ان کے کہنے میں نہیں رہے تو مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے اس طنز کو یاد کر کے گاندھی جی سے کہا ـــــ

کہ اس وقت حکومت برطانیہ کی پالیسی یہ کہ نیشنلسٹ مسلمان لیڈروں کا کہنا مسلمان نہ مانیں اور دہلی کے فسادات کے زمانہ میں انگریز کی پالیسی یہ ہے کہ ہندو بلکہ خود پٹیل جیسے ہندو لیڈر گاندھی جی کا کہنا نہ مانیں۔

اتنی تمہید کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا وہ فقرہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ لندن جاکر چرچل کے گلے میں ہار ڈالوں گا اور کہوں گا کہ ہم ہارے اور تم جیتے۔

اس ملاقات کے دوسرے ہی دن گاندھی جی کا تاریخی برت شروع ہوگیا........ ظاہر ہے کہ گاندھی جی کو احساس ہو رہا تھا کہ سردار پٹیل جیسے لوگ جو ان کے رفیق سمجھے جاتے تھے قتل وغارت کا باعث ہو رہے ہیں وہ پٹیل جو اپنے سیاسی عروج کے لئے کلیتاً گاندھی جی کی سرپرستی کا رہین احسان تھا۔ اب گاندھی جی کے سارے فلسفہ اور عقیدہ کے خلاف طریق کار اختیار کر رہا تھا۔ مولانا کی کتاب کا یہ جملہ ملاحظہ ہو

گاندھی جی نے کہا کہ میری آنکھوں کے سامنے مسلمانان دہلی قتل ہو رہے ہیں اور یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا ہے جبکہ خود میرا اپنا ولبھ بھائی پٹیل انڈین گورنمنٹ کا ہوم ممبر اور دارالحکومت میں قیام امن و نظم کا ذمہ دار ہے ـــــ

گاندھی جی نے برت کا فیصلہ کیا اور مقصد یہ بتایا کہ میرا امید ہے کہ میرا برت ان کی آنکھیں کھول دے گا۔

در اصل یہ بات ان لوگوں کے خلاف تھی جو گاندھی جی کے رفیق ہوتے ہوئے بھی قتل و غارت کا سبب بنے ہوئے تھے اور ان میں مجرم عظمٰے سردار پٹیل تھے۔

سردار پٹیل کو خود اس کا احساس تھا کہ برت کا مظاہرہ ان کے خلاف ہے۔ اور مولانا آزاد کی بھی یہی رائے۔ کتاب کے ان جملوں سے معلوم ہوتی ہے۔

(انھوں نے سردار پٹیل نے تیغ کھینچ کر کہا کہ گاندھی جی کے تدبر سے تو پنڈت نہرو تابع گویا
کہ سردار پٹیل مسلمانوں کے قتل کا ذمہ دار ہے)

جہاں تک دہلی کے فسادات کا تعلق ہے کتاب سے یہ بات ثابت ہے کہ گاندھی جی جواہر لال
نہرو۔ اور مولانا آزاد نے اپنے اپنے طور پر ان فسادات کو روکنے کی انتہائی کوشش کی۔ سردار پٹیل نے
ان فسادات کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ان کو ہوا دی۔ انھوں نے گاندھی جی کو دھوکے
میں رکھنے کی کوشش کی۔

ظاہر ہے کہ مولانا آزاد اور سردار پٹیل میں شدید اختلافات تھا۔ یہ اختلاف پہلے سے تھا اور فسادات
دہلی نے اسے بہت گہرا کر دیا تھا۔ اگر سردار پٹیل اور زندہ رہتے تو نہ معلوم کس کس رنگ میں یہ نمایاں ہوتا رہتا
اس اختلاف کے مظاہرے فسادات دہلی سے قبل بھی ہوئے تھے۔ ان اختلافات میں عموماً مولینا
ابوالکلام آزاد۔ اور پنڈت نہرو ایک طرف اور سردار پٹیل دوسری طرف ہوتے تھے۔ نہرو لیاقت پیکٹ
کے وقت بھی سردار پٹیل نے فرقہ پرستوں کو پنڈت نہرو کے خلاف مشتعل کرنے کی کوشش کی تھی (ابوالکلام
اور نہرو کو چھوڑ کر شیاما پرشاد مکرجی کے گروپ کا ساتھ دیا تھا۔

سردار پٹیل اپنی سیاسی زندگی کے ابتدائی دور میں فرقہ پرست نہیں تھے۔ لیکن وزیر اعظم کے عہدہ
سے محروم ہونے کے بعد ان کی زندگی کا رُخ بدلنے لگا اس تبدیلی میں امریکہ اور برطانیہ کا اثر پس پردہ کام
کر رہا تھا ؎

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

سردار پٹیل کی حمایت امریکہ و برطانیہ اس لئے کرتے تھے کہ آزادی کے بعد ہندوستان کو دائیں
بازو پر رکھیں۔ مولانا آزاد اور پنڈت نہرو کا رُخ بائیں بازو کی طرف تھا۔ سردار پٹیل کی موت کا باعث بھی
یہی دائیں اور بائیں کی جنگ ہوئی۔ جب ان کو مولانا آزاد اور پنڈت نہرو سے بار بار شکست ہوئی تو
قلب کی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی

ان شکستوں کے بعد انھوں نے فرقہ پرستوں سے سازباز کی۔ لیکن اس سے بھی جنگ کے نتیجہ میں

کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ سردار پٹیل کی یہ شکست دراصل پنڈت جواہر لال کے مقابلہ میں ہوتی تھی، مگر سردار پٹیل
جانتے تھے کہ جنگ کے نقشے سب ابوالکلام آزاد بناتے ہیں اور جواہر لال کی ڈور ان کے ہاتھ میں ہے

لدھیانہ واپسی

ویول کانفرنس کے ختم ہونے کے بعد رئیس الاحرار لدھیانہ پہنچے تو ویول کانفرنس کی ناکامی کے متعلق دھڑا دھڑ اخبارات میں بیانات آ رہے تھے۔ ۱۳ راگست ۱۹۴۵ء کو مہاتما گاندھی کا ایک بیان اخبارات میں چھپا۔ اس بیان کو دیکھ کر رئیس الاحرار نے مہاتما جی کے نام ۱۴ راگست ۱۹۴۵ء کو ایک خط لکھا یہ خط تاریخی لحاظ سے نہایت ہی اہم ہے کیونکہ مہاتما جی نے اس خط کا جواب فوری اپنے ہاتھ سے اردو میں لکھ کر دیا۔ مہاتما جی کا جواب کہ اردو میں خط اور ان کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔.........
.... اس لئے مہاتما جی کے خط کا عکس بلاک کے ذریعہ کتاب میں شائع کیا جا رہا ہے۔

حبیب گاندھی خط وکتابت

حبیب روڈ شفاعت منزل۔ لدھیانہ ۱۴ راگست ۱۹۴۵ء

محترم مہاتما جی۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔ مجھے جن ریواؤں کے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا وہ دوسرے پرچہ پر ارسال ہیں۔

کل آپ کا بیان پڑھا۔ آپ مسٹر جناح کو پھر پاکستان دینے کو تیار ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کو جناح صاحب سے گجراتی ہم وطن ہونے کی وجہ سے بہت محبت ہے اس لئے آپ ان کو بھول نہیں سکتے اور ہمیشہ ان کو سربلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی غلط ہوں۔ آپ نے اس شریفانہ طریقہ کار سے رجعت پسند طاقتوں کو مضبوط کر دیا۔
جب سے پاکستان کا ریزولیشن مسلم لیگ نے منظور کیا ہے اسی وقت سے آپ یہ فرما رہے ہیں کہ اگر مسلمان چاہیں تو ان کو پاکستان دیا جائے گا لیکن اسی وقت سے آپ کے ان فقروں کا یہ مطلب خیال کر [illegible] یقینی نہیں ہے آپ چاہتے ہیں کہ مسلمان [illegible] ہو جائیں

اور ہندو سات صوبوں کی گورنمنٹ بن سکے۔ تاکہ مسلمانوں کے مطالبات کا سلسلہ ختم ہوجائے۔ حالات کی مجبوری نے آپ کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا ہے۔

خدائے پاک ہم سب کو صحیح سوچنے اور سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اخبار کا کٹنگ بھی آپ کو بھیج رہا ہوں۔ حبیب الرحمٰن

گاندھی جی کا جواب

بھائی حبیب الرحمٰن!

آپ کا خط اور اخبار کے کٹنگ ملے۔ اس میں جو لکھا ہے وہ میرے لکھے کا غلط مطلب نکال کر لکھا ہے۔ آپ ہریجن پڑھیے تو آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ میں نے دراصل کیا لکھا ہے

آپ کا:— م۔ک۔ گاندھی۔ ۱۷ر اگست ۱۹۴۵ء

اگست ۱۹۴۵ء سے لے کر مارچ ۱۹۴۷ء تک مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی سیاسی خط و کتابت ایک ایسا تاریخی مواد ہے جس سے مولانا حبیب الرحمٰن کے ذہن و فکر کی بلندی اور وسیع تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔ یہ خط و کتابت بلا کسی تبصرے کے ذیل میں درج ہے۔

کرپس کا خط مولانا حبیب الرحمٰن کے نام

بورڈ آف ٹریڈ   مل بنک۔ ایس۔ ڈبلیو۔ آئی۔

۱۸ر اگست ۱۹۴۵ء

ڈیر مسٹر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب!

آپ کی مبارکباد اور نیک خواہشات کے خط کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے مسرت ہے کہ آپ پھر آزاد کر دیئے گئے ہیں اور مجھے امید ہے کہ ہم تھوڑے ہی عرصہ میں اس قابل ہو جائیں گے کہ ہم ہندوستان کے مسئلے کو حل کر سکیں۔ آپ کا مخلص:۔ کرپس

۳۰ر اگست ۱۹۴۵ء کو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے پنڈت جواہر لال نہرو کو صدر پنجاب کانگریس مولانا داؤد غزنوی کی معرفت ایک دستی خط لکھا۔ پنڈت جی کشمیر سے لاہور
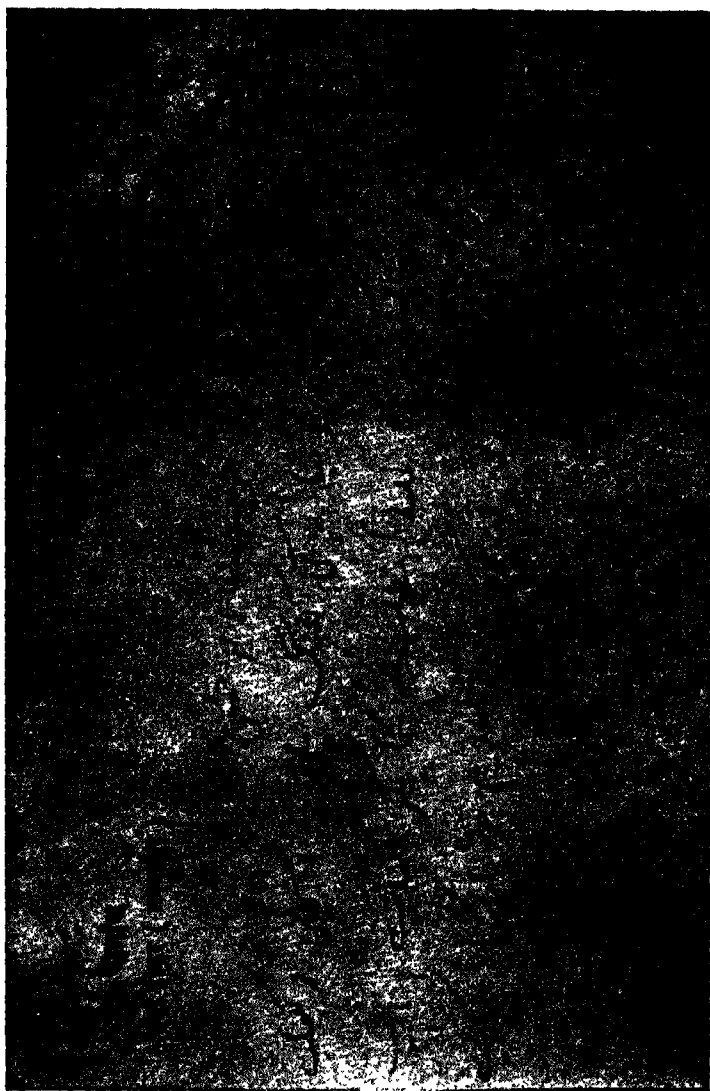
پہنچ رہے تھے یہ خط مولانا کے بڑے لڑکے مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانوی لے کر گئے۔ مولانا حمید محمد داؤد غزنوی نے لاہور میں مولانا خلیل الرحمٰن کی موجودگی میں یہ خط پڑھ کر پنڈت جواہر لال نہرو کو سنایا اور خط لے کر رکھ لیا اور صرف یہ فرمایا کہ مولانا صاحب نے میری ساری غلطیاں گنا دی ہیں اور خاموش ہو گئے۔

حبیب روڈ شفاعت منزل لدھیانہ

۳۰ اگست ۱۹۴۵ء محترم پنڈت جی!

تسلیم۔ آپ نے اپنی کتاب "میری کہانی" میں لکھا ہے کہ نیشنلسٹ مسلمان آہستہ آہستہ ختم ہو گئے مگر آپ نے کبھی غور کیا کہ ان کو کس نے ختم کیا۔ میرے نزدیک مہاتما گاندھی اور آپ نے سب سے زیادہ خدمت انجام دی ہے اور راجہ جی نے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ آپ نے مسلم لیگ اور رجعت پسند طاقتوں کو مسلمانوں کا نمائندہ سمجھ کر جتنی ان سے بات چیت کی اور مسلم لیگیوں کی پارٹیوں میں شامل ہوئے جس کی بنا پر عام مسلمان اور حکومت یہ سمجھنے میں حق بجانب ہے کہ مسلمانوں کی نمائندہ مسلم لیگ ہے۔ جمعیۃ علماء مجلس احرار اور آزاد خیال مسلمان نہیں ہیں۔

حافظ ابراہیم صاحب کے الیکشن میں آپ نے ہم سب لوگوں کو بلایا اور کامیابی کے بعد نواب اسمٰعیل خاں کے جواب میں آپ نے یہ لکھا کہ انتخاب میں جو سخت کلامی یا بدزبانی ہوئی ہے وہ احرار اور جمعیۃ علماء کے کارکنوں کی ہے۔ گویا یہ کانگریس کی خدمت کرنے کا انعام تھا جو آپ نے ہمیں دیا تھا۔ اس طرح جب لکھنؤ کانگریس کے مشورے سے حافظ ابراہیم کا جلوس کامیاب کرنے کے لئے احرار والنٹیر اور کلکتہ جس میں میں بھی شریک تھا کان پور گئے تو وہاں مسلم لیگ کی طرف سے حافظ ابراہیم کے جلوس پر پتھروں کی بارش اور لاٹھیاں برسائی گئیں۔ اور حالات یہ ہو گئے کہ حافظ صاحب اور میں شاید قتل ہو جاتے تب احرار والنٹیروں نے حافظ صاحب کی اور میری جان بچائی اور وہ خوب پٹے۔ زخمی ہوئے۔ مگر بعد ہی کہ احرار والنٹیر اور لیگی ما فیہ گرفتار ہوئے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کانپور نے

بیان دیا کہ احرار لیگ کا فساد ہو گیا اس طرح گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں لیگی لیڈروں کی ضمانت اسی دن لے لی گئی اور احرار کی آٹھ دن کے بعد اس قسم کی دس بارہ مثالیں قمر یوپی گورنمنٹ کی آپ کو بتا سکتا ہوں۔

شملے میں تو آپ نے مسلم لیگ کو صرف پانچ سیٹیں دینا منظور نہ کیں مگر واردھا جاکر گاندھی جی نے یہ بیان دے دیا کہ پاکستان کی پیش کش ابھی تک منظور ہے۔ اس کہنے کا شملہ کانفرنس کے بعد مطلب ہے کہ کانگریس کے ہندو لیڈر پاکستان دینے کو تیار ہیں۔ اور اگر مخالف ہیں تو حبیب الرحمٰن سے لے کر مولانا ابوالکلام آزاد تک۔

آپ نے کشمیر پہونچتے ہی نواب ممدوٹ صدر مسلم لیگ پنجاب اور نواب دولتانہ سکریٹری مسلم لیگ پنجاب کی دعوت پر آپ مسلم لیگ کی پارٹی یعنی عصرانہ میں شامل ہوئے)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مولانا آزاد پر کشمیر میں جوتوں اور پتھروں کی بارش کرائی ان کو آپ نے عزت بخشی۔ آپ نے ان کے اس کہنے کو سچا کر دیا کہ کانگریس کے ہندو لیڈروں کی پوری عظمت مسلم لیگیوں کے دل میں ہے البتہ کانگریسی مسلمانوں کے لئے ہمارے دل میں کوئی جگہ نہیں۔ سینکڑوں مسلمان میرے دوست یہ کہتے ہیں کہ جب پنڈت جواہر لال نہرو اور گاندھی جی لیگی لیڈروں کی عزت کرتے ہیں تو احرار جمعیۃ علماء اور آزاد خیال مسلمان ان کے کیوں خلاف ہیں۔ مسلم لیگی دوست اس کہنے میں حق بجانب ہیں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ سمجھوتے کے وقت آزاد خیال مسلم جماعتوں کو پنڈت نہرو بھی نہیں پوچھتے۔ آپ میاں افتخار الدین کے یہاں ٹھہریں گے جو کمیونسٹ ہونے کے ساتھ ساتھ مسلم لیگی بھی ہیں اور شاید انہیں کے کہنے پر مسلم لیگ کی پارٹی میں آپ شامل ہوئے تھے۔ اس طریقہ کار نے کانگریس اور ملک کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کا اندازہ آپ نہیں کر سکتے۔

پنڈت جی آپ جانتے ہیں کہ ہمیں کانگریس یا آپ لوگوں سے نہ لالچ ہے نہ کوئی غرض جو مسلمان آج ہمارے مخالف ہیں وہ ہمارے پاؤں چھوتے تھے اب بھی ہماری عزت کرنے کو

تیار ہیں ان کا ہم سے صرف ایک مطالبہ ہے کہ کانگریس کے معاملہ میں خاموش ہو جائیں۔

ہم نے جو آج تک کانگریس کا ساتھ دیا ہے اور دے رہے ہیں وہ ہندوستان کی آزادی اور ملک کی عزت کے لئے ہے۔

ہم نے ملک کی آزادی کی محبت میں عزت آبرو۔ مال سب کچھ قربان کر دیا ہے۔ کاش کانگریسی لیڈروں کے دل میں اس کا احساس ہوتا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے، کہ آپ کا ہمارے ساتھ طریقہ کار ایک سیاست داں کا سا ہے۔ ایک محب وطن کا نہیں ہے، آپ میاں افتخار الدین قسم کے مسلمانوں کے دوست ہیں، جو خود بھی مسلم لیگی ہیں۔ آپ کا یہ حال ہے۔ کہ مسلم لیگی لیڈروں سے بغیر ملے چل نہیں سکتے۔

جب ملک خضر حیات خاں نے پنجاب میں مسٹر جناح اور مسلم لیگ کو ختم کر دیا۔ تو گاندھی جی نے بھائی جناح لکھ کر مسلم لیگ کو زندہ کر دیا۔ اگر ملک کی آزادی کی محبت ہمارے دل میں نہ ہو۔ تو سچ کہتا ہوں کہ آپ کا طرز عمل ایک منٹ کے لئے بھی کانگریس میں کام کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ آپ کا فرض تو یہ تھا کہ پنجاب کا کوئی مسلم لیگی لیڈر آپ کے پاس آتا تو آپ اس سے کہتے کہ جو بات کرنی ہو۔ وہ مولانا داؤد غزنوی اور حبیب الرحمٰن سے جا کر کرو۔ اگر آپ نے ایسا کیا ہوتا تو آج آپ کو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ کہ کانگریس میں تلاش کرنے سے بھی مسلمان نہیں ملتا۔

آپ کا مخلص:۔ حبیب الرحمٰن لدھیانوی ۲۳ اگست ۱۹۴۵ء

رئیس الاحرار کے مذکورہ خط میں جن جماعتی حقائق کی طرف پنڈت جی کی توجہ دلائی گئی ہے وہ صرف اس لئے کہ حالات کا تقاضہ یہی تھا۔ آزاد خیال مسلمان جماعتیں نہایت بے دردی اور بے رحمی سے سر بازار پٹ رہی تھیں اور آزاد خیال مسلمانوں پر حملے ہو رہے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام مولینا حسین احمد صاحب مدنی کے ساتھ بریلی اور بہار میں جو نازیبا سلوک کیا گیا تھا اس کے باوجود کانگریس

ہائی کمانڈ برابر مسلم لیگ سے..... گفت و شنید میں مصروف تھا اور ایسے حالات میں پنڈت جی کا مسلم لیگ کے دیئے گئے معراجے میں شامل ہونا کانگریس کی نظریاتی جنگ کے خلاف تھا حقیقت یہ تھی کہ ساری سیاست کے پس پردہ برطانوی سیاست کارفرما تھی۔ سردار پٹیل کی سیاست کانگریس پر حاوی ہوگئی تھی اور بد قسمتی سے سردار کا ذہن مسلمانوں کے قریب ہونیکے بجائے انگریزی حکومت سے سمجھوتے کیلئے تیار تھا اس طرز عمل سے متحدہ قومیت کا وجود ختم ہو گیا اور کانگریسی لیڈروں کی مسلم لیگ سے بار بار کی گفت و شنید سے دو قومی نظریئے کو ایسی زندگی نصیب ہوئی جس سے پاکستان کا قیام حقیقت بن کر سامنے آگیا اور متحدہ قومیت کا نظریہ ایک خواب پریشاں بن کر رہ گیا۔

بقول مولانا ابوالکلام آزاد پنڈت جواہر لال نہرو کرشنا مینن کے سیاسی داؤ میں آگئے اور وہ جو ایک منٹ بھی پاکستان کے قبول کرنے کو تیار نہ تھے وہ پاکستان کے قبول کرنے پر رضامند ہو گئے۔

مولانا ابوالکلام آزاد اور رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کو اسی مرحلے پر شدید اختلاف کرنا باوجود اس کے کہ یہ دونوں باعظمت شخصیتیں آخری دم تک پنڈت جی کی دیانتداری محنت اور اخلاص کی قدر کرتی رہیں۔ اور اس عظیم الشان اختلاف رائے کے باوجود اصحاب ثلثہ کی دوستی میں کوئی فرق نہ آیا پنڈت جی کے اخلاص اور دیانتداری کے بارے میں لدھیانہ کی عدالت میں رئیس الاحرار نے جو تاریخی بیان دیا تھا اس بیان کے حسب ذیل جملے پنڈت جی کی دیانت و محنت اخلاص و عمل کی تاریخی شہادت ہے۔

> سنو تم مجھ سے کہتے ہو کہ میں کانگریس اور جواہر لال کو چھوڑ دوں اس لئے کہ جواہر لال نہرو لا مذہب ہے۔ جواہر لال دہریہ یہ کہتا ہے کہ فلسطین کے مسلمانوں کے خلاف بھرتی مت دو۔ اور بیرونی مسلمانوں کو غلام بنانے کے لئے انگریزوں کی مدد نہ کرو۔ اور تمہارا بنایا ہوا مسلمان وزیر اعظم یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں پہلی جنگ کی طرح انگریزی فوج میں بھرتی ہو کر مسلمان ممالک کو کچل دو۔

بیان ۲۰ جولائی ۱۹۴۰ء بعدالت کنور شیو سنگھ مجسٹریٹ درجہ اول

حبیب آزاد خط و کتابت

اور

۱۹۴۶ء کا جنرل الیکشن

آزاد و حبیب خط و کتابت

کلکتہ۔ ۱۹؍اکتوبر ۱۹۳۷ء

جبّی فی اللہ۔ آپ کا خط ملا۔ مصروفیت کی وجہ سے جواب جلد نہ دے سکا۔ مسٹر راج گوپال اچاریہ نے غلط طریقہ اختیار کیا ہے۔ جس مقصد کی حمایت کا وہ دعوے کر رہے ہیں اسی کو نقصان پہونچا رہے ہیں۔ میں نے انھیں بہت سمجھایا لیکن انھیں کسی نہ کسی طرح منسٹری کے عہدہ پر جانا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے اور کسی بات پر غور کرنا نہیں چاہتے ہیں۔

والسلام علیکم ابوالکلام

سری نگر ۴؍ستمبر ۴۵ء

آل انڈیا کانگریس کمیٹی۔ سوراج بھون۔ الہ آباد۔

جبّی فی اللہ۔ خیال تھا کہ لاہور میں آپ سے ملاقات ہو گی لیکن سردست لاہور کا پروگرام منسوخ کرنا پڑا۔ اب ستمبر کے آخیر میں قصد کروں گا اور ان شاء اللہ ملاقات ہو گی۔ جو بات اب طے کرنی ہے وہ یہ ہے کہ مصالح کا مقتضا کیا ہے۔ آپ جمعیت احرار کو بدستور مستقلاً الگ رکھیں یا کانگریس میں شامل ہو جائیں میں نے ابھی تک کوئی آخری رائے قائم نہیں کی ہے۔ مشورہ و ملاقات کے بعد اسے طے کیا جائے گا اس وقت تک میں نے مصلحتاً یہی مناسب سمجھا کہ آپ کو پنجاب کانگریس کے حلقہ میں شامل نہ کروں۔

چنانچہ ایک سب کمیٹی جو کہ کل انتخابات کی تیاریوں کے لئے بنائی جا رہی ہے اس میں مولانا غزنوی وغیرہ کا نام شامل کر دیا ہے، آپ کا نہیں کیا۔ اس خیال سے کہ پہلے آپ سے مشورہ ہو جائے اس کے بعد حسب مصالح وقت آپ طریق کار اختیار کریں

ابوالکلام

کلکتہ۔ ۱۳؍نومبر ۴۵ء

جبّی فی اللہ۔ خط پہنچا کیا کروں دل مانتا نہیں کہ آدمی بیماری کے مقابلہ میں ہار جائے بہرحال اب ارادہ کیا ہے کہ چند دنوں کے لئے بندھیاچل کے ایک غیر آباد مقام میں

چلا جاؤں اور سکون خاطر کی کوشش کروں۔

انشاء اللہ۔ بوقت فرصت میں آپ کو بعض امور کی نسبت لکھوں گا جو پیش نہاد خاطر ہیں۔ اپنے والد بزرگوار اور تمام احباء مخلصین کو سلام و دعا خیر پہونچا دیں

والسلام ابوالکلام

بندھیاچل (ضلع مرزاپور)

۱۷ر نومبر ۱۹۴۵ء

جتی فی اللہ۔ آپ کا خط مورخہ ۱۱ر نومبر وصول ہوا بندھیاچل مرزاپور کے قریب ایک قصبہ ہے اور اسی ریلوے لائن پر واقع ہے۔ خط و کتابت کے لئے، بندھیاچل۔ ضلع مرزاپور پتہ کافی ہوگا۔ جب تک میری واپسی کی خبر نہ ملے کلکتہ کے پتہ سے خط نہ بھیجئے دو دن کی تاخیر ہو جاتی ہے۔

پنجاب کانگریس کی جو حالت آپ نے لکھی ہے وہ میں بھی محسوس کر رہا ہوں لیکن بحالات موجودہ اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ نئی کمیٹیوں کے بننے کا انتظار کیا جائے آپ کا ایک تار ملا تھا جس میں رجسٹرڈ خط کی ترسیل کے لئے لکھا گیا تھا۔ میں نے اس کے جواب میں کسی قدر تفصیل بذریعہ خط طلب کی تھی اس کا جواب مجھے ابھی نہیں ملا ہے۔ اس بارے میں تامل نہ کیجئے۔ جو صورت حال ہو۔ بلا تامل لکھیئے۔ حتی الوسع کوشش عمل میں آئے گی۔

آپ نے لالہ تلک رام صاحب کی نسبت جو کچھ لکھا ہے میں نے اسے الکشن فائل میں رکھ دیا ہے تاکہ بروقت غور کیا جا سکے لیکن میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ سردست آپ کوئی وعدہ ان سے نہ کریں۔

نہیں معلوم ضلع کانگریس کمیٹی اس حلقہ سے کس کی سفارش کرتی ہے اور کانگریس کے نقطۂ خیال سے اس کے حقوق کس درجہ کے ہوتے ہیں۔ سنٹرل اسمبلی کے لئے بعض

امیدواروں کا انتخاب صحیح طور پر نہیں ہوا کیوں کہ وقت بہت کم تھا اور علالت کی وجہ سے میں وقت نہ دے سکا لیکن اس صورت حال کا کافی بوجھ میری طبیعت پر ہے اور اب میں نہیں چاہتا کہ صوبوں کے امیدواروں کے انتخاب میں اس طرح کی کوئی کمزوری رونما ہو۔ ہمیں یقیناً قابلیت اور اہلیت بھی دیکھنی ہے لیکن ساتھ ہی حتی الامکان ان لوگوں کو آگے رکھنا ہے جنہوں نے ملکی تحریک کی راہ میں قربانیاں کی ہیں ——

والسلام
ابوالکلام

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے خطوط مولانا آزاد کے نام

حضرت امیر الہند محترم مولانا صاحب السلام علیکم

آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ہر وقت آپ کی صحت کا خیال رہتا ہے۔ کل پرسوں کے اخبار میں پڑھا کہ آپ کو بخار آ رہا ہے اس خبر کو پڑھ کر طبیعت میں بہت بے چینی ہے اور یہ بھی پڑھا کہ آپ ابھی تک وہاں کانگریس کے کام میں لگے ہوئے ہیں آپ نے فرمایا تھا کہ اب میں دو ایک ماہ آرام کروں گا۔ خدا کے لئے آپ اس قوم پر رحم کیجئے اور دو ایک ماہ مکمل آرام کیجئے تاکہ آپ کی صحت بالکلیہ درست ہو جائے کانگریس کو پریذیڈنٹ مل جائیں گے مگر عالم اسلام کو ابوالکلام نہیں ملے گا۔ میں اور میرے گروہ والے تمام آپ کی صحت کے لئے ہر وقت دعا گو ہیں۔ ہم سب آپ سے بھی دعا کے خواستگار ہیں۔ والسلام حبیب الرحمٰن لدھیانوی ۲۳/۱/۴۵

حبیب روڈ شفاعت منزل لدھیانہ

۱۴/ نومبر ۱۹۴۵ء

حضرت امیر الہند شیخ الاسلام دامت کرامتکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۳/ نومبر کا لکھا ہوا گرامی نامہ ملا اس خط میں آپ کے اس فقرے نے کیا کیا کروں دل نہ مانتا تھا کہ آدمی بیماری کے مقابلے میں ہار جائے" میری روح میں

یقین ہے جسم میں کام کی ہمت پیدا کر دی ہے اختلاج قلب کے مسلسل دورے پڑتے ہیں اس کے باوجود کچھ نہ کچھ کر رہا ہوں۔ آپ نے خط کے آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ بوقت فرصت بعض امور کی نسبت لکھوں گا جو پیش نہاد خاطر ہے۔ اس تحریر کا بے حد انتظار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تندرستی عطا فرمائے اور آپ کے فیض کو عام کرے۔

اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ آپ بندھیاچل تشریف لے گئے۔ بندھیاچل کا پتہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے خط کلکتہ کے پتہ پر بھیج رہا ہوں۔ پنجاب کانگریس کے حالات میں کوئی فرق نہیں آیا جو حالات پہلے تھے اب بھی وہی ہیں نہ کام کا ڈھنگ بدلنا مشورے کو ضروری سمجھا گیا۔

پنجاب کانگریس کی طرف سے جو اقرار نامہ سرگوکل چند کو دیا گیا ہے اس نے حالات کو اور بھی خراب کر دیا ہے۔ پنجاب کانگریس کے اقرار نامے کی کٹنگ بھیج رہا ہوں۔ پنجاب میں ہندو مہاسبھا کی پوزیشن اس اقرار نامے سے مضبوط ہو گئی اور آزاد خیال مسلمانوں کی نشستیں پہلے سے بھی زیادہ خطرے میں پڑ گئی ہیں۔ کسی کی شکایت نہیں حالات کی اطلاع ہے

لدھیانہ۔ انبالہ۔ کرنال۔ شملہ کے شہری حلقے سے اب تک لالہ دیش بندھو گپتا اسمبلی کے ممبر تھے میں نے اب اپنے دوست لالہ تلک رام اگروال جین کی درخواست اسی حلقے سے دلوائی ہے لالہ جی انیس سو انیس سے لے کر آج تک کانگریس اور ملک کی خدمت کرتے رہے ہیں اور کئی دفعہ کانگریس کے ممبر ہونے کی وجہ سے بلا مقابلہ ممبر قرار دیئے گئے اگر ان کو پنجاب اسمبلی میں کام کرنے کا موقع دیا گیا تو میں کہہ سکتا ہوں کہ پنجاب کا بجٹ بناتے وقت ان سے مفید آدمی پنجاب کانگریس کو نہیں ملے گا۔

بندھیاچل پہنچنے کا پنجاب سے کیا راستہ ہے۔   حبیب الرحمٰن۔ لدھیانہ

حبیب روڈ۔ شجاعت منزل۔   ۱۹؍ نومبر ۴۵ء لدھیانہ

حضرت امیر الہند شیخ الاسلام دامت برکاتکم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا امید ہے کہ پہنچ گیا ہوگا آپ کا تار ملا۔ جواب میں اس لئے تاخیر ہوئی کہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ کون سا وقت مقرر کرکے آپ کی خدمت میں پہنچنے کی اطلاع دوں۔

یکایک مجھے اختلاج قلب کا دورہ پڑ گیا دو تین دن اس میں مبتلا رہا اس کے بعد اچانک چھوٹا لڑکا بیمار ہو گیا اور اس کے ساتھ ساتھ کام کی مصروفیت بہت زیادہ تھی اب کل بیس تاریخ کو کاظمی صاحب کے الیکشن میں جو لیاقت علی صاحب کے مقابلے میں کھڑے ہیں جا رہا ہوں۔ چوبیس تاریخ کو لدھیانہ واپس آجاؤں گا۔ ۲۷ر نومبر کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے اگر اس وقت تک آپ کا قیام بندھیاچل میں رہے تو میں انشاء اللہ ۲۹ ر ۳۰ ر نومبر تک آپ کی خدمت میں پہنچ جاؤنگا

حبیب الرحمٰن

حبیب روڈ شفاعت منزل۔

۲۶ ر نومبر ۱۹۴۵ء۔ لدھیانہ

حضرت امیر الہند شیخ الاسلام دامت برکاتکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا گرامی نامہ ملا اور تار بھی موصول ہوا۔

میں کاظمی صاحب کے الیکشن سے ہی واپس آیا ہوں اس لئے جواب میں تاخیر ہو گئی مسلم آزاد بورڈ کے الیکشن کے سلسلے میں شیخ حسام الدین مولانا مظہر علی اظہر اور اپنے دوسرے عزیز کام کرنے کے لئے یو۔ پی میں گئے ہوئے تھے۔ میں انشاء اللہ العزیز ۲ر دسمبر کو مرزا پور سے آپ کے ساتھ کلکتہ چلوں گا۔ اور وہاں دو تین دن آپ کی خدمت میں ٹھہروں گا اور اگر مجھے یہاں کام سے فرصت مل گئی تو شاید یکم دسمبر کو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں مگر اسکے باوجود بھی کلکتے چلوں گا انشاء اللہ

صحت خراب ہے آپ کی دعا کا محتاج ہوں۔ کئی ایک پروگرام صحت کی خرابی کی وجہ سے اچانک ملتوی ہو جاتے ہیں۔ آپ کس ٹرین سے مرزا پور سے کلکتہ تشریف لیجائیں گے

تاکہ میں اسی ٹرین سے دہلی چلوں۔ عزیز ضیاء الحسن نے ایک خط آپ کی خدمت میں آج ہی روانہ کیا ہے۔ وہ آپ کی توجہ کا بیحد محتاج ہے۔ والسلام حبیب الرحمٰن

حبیب روڈ۔ شفاعت منزل۔ ۸ر دسمبر

بخدمت حضرت امیر الہند شیخ الاسلام دامت برکاتکم السلام علیکم رحمۃ اللہ

مجھے کلکتہ کے سفر میں خونی بواسیر کا دورہ شروع ہو گیا تھا جو ابھی تک جاری ہے لیکن صحت اب پہلے سے اچھی ہے اور اب خون کم آرہا ہے۔ آپ کی دعا کا محتاج ہوں —— آج اخبار میں یہ خبر پڑھ کر بیحد تشویش ہوئی ہے کہ مسٹر رفیع احمد قدوائی کی موٹر کو سخت حادثہ پیش آیا اور وہ بیہوش ہو گئے جسکی وجہ سے وہ ہسپتال میں داخل کر دیئے گئے ہیں ان کی خیریت معلوم کرنے کے لئے میں نے آج لکھنؤ تار بھی دیا ہے برخوردار عزیز الرحمٰن یا خلیل الرحمٰن دونوں میں سے کسی کو آپ کی خدمت میں بھیجنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ والسلام حبیب الرحمٰن

حبیب روڈ شفاعت منزل۔ ۲۷ر دسمبر ۴۵ء لدھیانہ

امام الہند شیخ الاسلام حضرت مولانا ابو الکلام آزاد دامت برکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کے تینوں تار ملے۔ آج میں نے آپ کی خدمت میں تار روانہ کیا ہے کہ اگر آج سیٹیں ریزرو ہوگئیں تو ۳۰ر دسمبر کی شام کو آپ کی خدمت میں پنجاب کلکتہ میل سے پہنچ جاؤں گا۔ آج لاہور ایک آدمی کو سیٹیں ریزرو کرانے کے لئے بھیجا ہے اگر ریزرو ہوگئیں تو کل ۲۸ر کی رات کو کلکتہ کیلئے روانہ ہو جاؤں گا۔ اطلاعاً عرض ہے۔ والسلام حبیب الرحمٰن۔

حبیب روڈ۔ شفاعت منزل۔ ۲۹ر دسمبر ۱۹۴۵ء لدھیانہ

سیدی ومولائی حضرت مولانا ابو الکلام آزاد دامت برکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۲۸ر دسمبر کو سیٹیں ریزرو نہ ہو سکیں۔ اس لئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے روانہ نہ ہو سکا۔ ۲۹ر دسمبر کو روانہ ہونا اس لئے بیکار تھا کہ میں ۳۰ر دسمبر کو کلکتہ نہیں پہنچ سکتا تھا چونکہ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ آپ ۳۰ر دسمبر تک کلکتہ قیام فرمائیں گے۔

اب آپ جہاں مستقل قیام فرمائیں اس کی اطلاع فرمائیں تاکہ میں جلد حاضر ہو سکوں۔ والسلام حبیب الرحمٰن

حبیب روڈ شجاعت منزل ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء لدھیانہ

سیدی و مولائی حضرت مولانا صاحب دامت برکاتکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

۲۰ دسمبر کو سپیشل ریزرو نہ ہو سکیں اسلئے سفر نہ کر سکا۔ ۲۹ دسمبر کو اس لئے روانہ نہ ہو سکا کہ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ تیس تک کلکتہ ٹھہروں گا۔ اگرچہ میری طبیعت خراب ہے اور سفر کے قابل نہیں ہوں مگر حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں ——— مہربانی فرما کر مجھے مطلع فرمائیں

آپ کے ارشاد کے مطابق پنجاب میں کہیں بھی احرار اور کانگریس امیدوار کا مقابلہ نہیں ہو رہا تھا قصور کے حلقے سے احرار نے اپنا امیدوار بٹھا لیا اگرچہ ان کو یقین تھا کہ ہمارا امیدوار کامیاب ہوگا۔ اب مولانا عبدالغفار صاحب غزنوی اس حلقے سے کانگریسی امیدوار ہیں۔ تمام مل کر ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں لاہور کے سول حلقے سے میاں محمد رفیق صاحب احرار امیدوار اور ان کے مقابلے میں میاں عبدالعزیز بیرسٹر امیدوار تھے۔ بابو محمد دین مزنگ کے رہنے والے پرانے مشہور کانگریسی نے لاہور کے اسی حلقہ سے بطور سکینڈ امیدوار درخواست دی تھی۔ اتفاقاً میاں عبدالعزیز صاحب کی درخواست مسترد ہو گئی۔ اس وقت بابو محمد دین نے وعدہ کیا کہ وہ میاں محمد رفیق صاحب احرار امیدوار کے حق میں درخواست واپس لے لیگا۔ اب حالت یہ ہے کہ کبھی کوئی شخص ان کی طرف سے اعلان کر دیتا ہے کہ انھوں نے لیگ کا ٹکٹ لے لیا ہے۔ لالہ کدار ناتھ صاحب سہگل (ایم۔ایل۔اے) نے بیان دیا ہے۔ کہ بابو محمد دین صاحب بدستور کانگریسی ہیں۔

اب بابو محمد دین کہتے ہیں کہ اگر حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مجھے حکم دیں تو میں بیٹھ جاؤں گا ان کی کامیابی کی خود ان کوئی امید نہیں۔ اول تو ضمانت ضبط ہوگی اور ہار جانا تو یقینی ہے۔ مہربانی فرما کر بہت جلد اس بارے میں بذریعہ تار بابو محمد دین صاحب کو آپ حکم لکھیں کہ وہ بیٹھ جائیں۔ ان کو بیٹھنے کا حکم معرفت مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی دیں۔ والسلام

حبیب الرحمٰن

لدھیانہ کے لیگیوں پر مقدمہ

مسٹر جناح لدھیانہ تشریف نہ لائے

احرار جمعیۃ العلمائے ہند کے فیصلے

لدھیانہ کے لیگیوں پر مقدمہ

۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کے پروپیگنڈے میں آزاد خیال مسلمانوں کے متعلق علاوہ گالی گلوچ کے جو الزامات لگائے جاتے تھے۔ وہ یہ تھے کہ آزاد خیال علماء احرار اور جمعیتہ علماء کے رہنما کانگریس کے تنخواہ دار ملازم ہیں۔ ہندؤوں سے تنخواہ لیتے ہیں۔ انہیں الزامات کو لدھیانہ مسلم لیگ کے سکرٹری احمد سعید یوسفی نے اپنے ایک اسلا گیا اور زمیندار اخبار میں شائع کرا دیا اس مراسلہ کے شائع ہونے پر رئیس الاحرار اور مفتی محمد نعیم صاحب نے مولانا اختر علی خاں صاحب ایڈیٹر مالک اخبار "زمیندار" پر اور احمد سعید یوسفی پر دعویٰ دائر کر دیا۔ تاکہ تمام ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے لیگیوں کے اس الزامات کی پول برسر عدالت کھولی جائے۔ اس مقدمہ کے دائر ہوتے ہی مولانا اختر علی خاں بار بار لدھیانہ آئے۔ پنجاب کے بڑے بڑے لیگیوں نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی منت سماجت کی کسی طرح رئیس الاحرار اس مقدمہ کو واپس لے لیں۔ مگر چونکہ یہ خالص سیاسی معاملہ تھا اور دنیا پر یہ آشکارا کرنا ضروری تھا کہ لیگ والوں کے الزامات کی کیا حقیقت ہے۔ اس لئے مقدمہ واپس نہیں لیا گیا...... چار ماہ مقدمہ لدھیانہ کی عدالت میں چلتا رہا۔ آخر کار مولانا اختر علی خاں اور احمد سعید یوسفی سکریٹری مسلم لیگ کو اس تحریری معافی نامہ داخل کرنا پڑا اور تین دن تک جلی حروف سے اخبار زمیندار کے صفحہ اول پر لیگیوں کا معافی نامہ شائع ہوتا رہا۔ اس معافی نامہ کا یہ اثر ہوا کہ سارے پنجاب اور ہندوستان میں مسلم لیگ کے جھوٹے پروپیگنڈہ کی قلعی کھل گئی۔ مقدمہ کا فیصلہ حسب ذیل ہے۔ جو اشتہار کی صورت میں مجلس احرار لدھیانہ نے شائع کیا اور ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں لاکھوں کی تعداد میں ہندوستان کے ہر حصہ میں شائع کیا گیا ؎

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

علمائے کرام اور آزاد خیال مسلمانوں کو بدنام کرنے والوں کا انجام

مولانا حبیب الرحمٰن و مفتی محمد نعیم صاحبان کی خدمت میں مسلم لیگی لیڈر مولانا اختر علی خاں خلف مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر اخبار "زمیندار" لاہور اور لدھیانہ مسلم لیگ کے سکریٹری مسٹر احمد سعید یوسفی کا غیر مشروط معافی نامہ جو دونوں نے مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۴۶ء کو مسٹر ارگند ھر و سنگھ صاحب ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ

لدھیانہ کی عدالت میں حاضر ہو کر داخل کیا۔ اور ہر دو مولانا صاحبان نے دونوں لیگی کارکنان کو معافی دے کر اپنی عالی ظرفی اور اسلامی شرافت کا ثبوت دیا۔

معافی نامہ کی سرکاری نقل یہ ہے

نقل معافی نامہ شمول مثل بعدالت جناب سردار گندھر و سنگھ صاحب ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بہادر ضلع لدھیانہ ـــــ مقدمہ ۲۳۰/۱ ـــــ ۲ تاریخ مرجوعہ ۹/۵/۴۶ ۱۷- تاریخ فیصلہ ۱۹ / ۷ / ۴۶

مولانا حبیب الرحمٰن خلف مولوی محمد زکریا۔۔۔۔۔۔۔ ساکن حبیب روڈ لدھیانہ ـ مستغیث ـ

بنام

(۱) مولوی اختر علی پسر مولانا ظفر علی خاں بذات راجپوت ایڈیٹر روزنامہ "زمیندار" لاہور۔

(۲) احمد سعید یوسفی پسر نامعلوم ساکن مشن روڈ متصل مسجد قصاباں لدھیانہ۔

مستغاث علیہم۔ استغاثہ زیر دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند۔

بعدالت جناب ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب بہادر با اختیارات دفعہ ۳۰ ضلع لدھیانہ۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب خلف مولوی محمد زکریا صاحب۔۔۔۔ لدھیانہ مستغیث۔

بنام :- مولانا اختر علی مالک و ایڈیٹر اخبار "زمیندار" لاہور و احمد سعید یوسفی سکریٹری مسلم لیگ لدھیانہ ـ مستغاث علیہم۔ دعویٰ زیر دفعہ ۵۰۰ .I.P.C -تعزیرات ہند۔

جناب عالی ! مقدمہ مندرجہ بالا عنوان میں زمیندار اخبار کی اشاعت مورخہ ۱۹ اگست ۴۵ء احمد سعید یوسفی سکریٹری مسلم لیگ لدھیانہ کا ایک مراسلہ شائع ہوا تھا جس میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی و مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ کانگریس سے اور ہندو سے تنخواہ یا کسی قسم کی مالی امداد لیتے ہیں۔ یہ الزام سراسر غلط بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔ اس کی اشاعت سے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی و مفتی محمد نعیم صاحب کے جذبات کو جو ٹھیس لگی ہے ان کی سیاسی اور مذہبی شہرت کو جو نقصان پہنچا ہے۔ اس پر مجھے دلی افسوس ہے سیاسی معاملات میں اختلافات کے باوجود میرے دل میں دونوں بزرگوں کا مخلص احترام ہے جس کا عملی ثبوت دیتا ہوں۔ ان کے اور زمیندار کے

پُرانے دیرینہ تعلقات میں ہیں اس افسوسناک واقعہ پر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور مفتی محمد نعیم صاحب کی خدمت میں اپنی اور زمیندار کی طرف سے غیر مشروط طور پر معذرت خواہ ہوں مندرجہ بالا معذرت نامہ کی تین دن تک روز زمیندار کے پہلے صفحہ پر اشاعت کروں گا۔ المرقوم ۱۹ر جنوری ۱۹۴۶ء

العبـــــد مولانا اختر علی خاں دستخط۔ اختر علی خاں

مجھے مولانا اختر علی خاں صاحب کے مندرجہ بالا بیان سے حرف بحرف اتفاق ہے میں اس بیان کی تصدیق و تائید کرتا ہوں، نیز مجھے افسوس ہے کہ میں نے ایک غلط مراسلہ جس کا حوالہ مرقومہ بالا بیان میں دیا گیا ہے، زمیندار میں شائع کرایا ہے۔ میں دلی اظہار معذرت کرتا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ العبـــد احمد سعید یوسفی

دستخط احمد سعید یوسفی حسب منشاء ان کے بیان تحریر کرکے سنایا گیا۔ اور پڑھ کر درست تسلیم کیا گیا۔ دستخط بندہ فتح محمد عرائض نویس۔ لدھیانہ

شائع کردہ۔ ناچیز مشتاق احمد لدھیانوی۔ سکریٹری مجلس احرار اسلام، لدھیانہ

مسٹر جناح اور مولانا شبیر احمد کا لدھیانہ آنے سے انکار!

مسٹر جناح... سن چھیالیس میں قائد اعظم بن چکے تھے اور مولانا شبیر احمد عثمانی جو پاکستان کے شیخ الاسلام بننے والے تھے جب پنجاب میں پاکستان کا پروپیگنڈہ کرنے کے لئے تشریف لائے تو لدھیانہ کے لیگیوں نے بڑی کوشش کی کہ لیگ کے قائد اعظم اور پاکستان کے شیخ الاسلام کو لدھیانہ لایا جائے۔ لدھیانہ کے لیگی وکلاء اور ڈاکٹروں کے وفد مسٹر جناح اور مولانا شبیر احمد صاحب کے پاس گئے اور دونوں اصحاب کو لدھیانہ آنے کی نہ صرف دعوت دی بلکہ بڑی منت خوشامد کی کہ آپ ایک دو گھنٹہ ہی کیلئے لدھیانہ تشریف لے چلیں لیکن ان دونوں اصحاب نے لدھیانہ آنے سے صاف انکار کر دیا اور یہ جواب دیا کہ ہم مولانا حبیب الرحمٰن کے وطن نہیں جا سکتے اس پر لدھیانہ کے لیگی بیچارے یونہی منہ دیکھتے رہ گئے اور یہ نہ کہہ سکے کہ شیخ الاسلام اور قائد اعظم لدھیانہ آنے سے کیوں انکار کرتے ہیں۔

میری ڈائری کے چند اوراق

۲۵ مارچ ۱۹۴۶ء لاہور، دفتر احرار اسلام ہند

برطانوی وزارتی مشن کے ہندوستان پہنچنے پر مجلس احرار اسلام ہند نے اپنی کمیٹی کا فوری اجلاس طلب کیا تاکہ مسلمانان ہندوستان کی باوقار آئینی حیثیت کے متعلق کوئی واضح اور قطعی قدم اٹھایا جائے۔ نیز مسلم لیگ کی رجعت پسندانہ حکمت عملی کو ختم کرنے کے لئے ہندوستان کی مسلم قوم پرست آزاد خیال ترقی پسند جماعتوں کو ایک لائن پر متحد و منظم کیا جائے۔ ۲۹ مارچ لاہور۔

مجلس احرار اسلام ہند کی ورکنگ کمیٹی کے ممبران میں صدر مجلس احرار اسلام ہند شیخ حسام الدین اور جنرل سکریٹری مجلس احرار اسلام ہند مولانا مظہر علی صاحب اظہر کے علاوہ ممبران میں حسب ذیل اشخاص شریک ہوئے۔ ۱۔ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری امرتسر۔ ۲۔ ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری لدھیانہ ۳۔ سردار محمد شفیع صاحب سالار اعظم جیوش احرار اسلام ہند۔ دو سلے گنج ضلع لاہور۔ ۴۔ صاحبزادہ سید فیض الحسن صاحب سیالکوٹ آلو مہار شریف۔ ۵۔ مولانا محمد علی صاحب جالندھر۔ ۶۔ نواب زادہ نصر اللہ خاں۔ خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ۔ ۷۔ جناب قاضی احسان احمد صاحب شجاع آباد۔ ملتان ۸۔ حکیم عبدالسلام۔ ہزارہ۔ ۹۔ صوفی عنایت محمد پسروری۔ راولپنڈی۔ ۱۰۔ جناب آغا شورش لاہور۔ ۱۱۔ جناب چودھری لال دین صاحب ہٹلر لاہور۔

مولانا حبیب الرحمٰن کی رہنمائی

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی سابق صدر مجلس احرار اسلام ہند، ہی کی تجویز پر میٹنگ فوری بلائی گئی ہے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مجلس احرار اسلام ہند کے گیارہ برس تک صدر رہ چکے ہیں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نہ صرف پنجاب بلکہ ہندوستان میں واحد آدمی ہیں جن کا اثر و رسوخ ...... ہندوستان کی مسلم آزاد خیال جماعتوں ہی بلکہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اکثر ممبران پر ہے علاوہ صرف مولانا ہی مختلف آزاد خیال جماعتوں میں رابطہ اتحاد پیدا کرنے کی راہ نکالتے ہیں۔ اب جبکہ مولانا گیارہ برس کی نظر بندی کے بعد رہا ہو کر آئے ہیں آپ کسی جماعت کے ممبر نہیں بنے بلکہ آپ مسلمان آزاد خیال جماعتوں کے قطعی متحدہ متفقہ مشورے کے لحاظ سے آپ کی پوزیشن بھی عام مسلمان جماعتوں میں گاندھی جی کی طرح ہو گئی ہے

ہندوستان کے موجودہ آئینی نازک دور میں مولانا سے ہر جماعت کے لوگ ملتے اور مشورے کرتے اور اپنی اپنی جماعتوں کے لئے خاص مشورے لیتے ہیں۔

مجلس احرار کے مشیر اعلیٰ

رئیس الاحرار اس وقت مجلس احرار اسلام کی ورکنگ کمیٹی میں مشیر اعلیٰ کی حیثیت میں شریک ہیں اور آپ ہی کی تجاویز اور پالیسی سے لوگ متفق ہیں۔

اس ورکنگ کمیٹی میں علاوہ ممبران ورکنگ کمیٹی کے راقم الحروف عزیز الرحمٰن جامعی لدھیانوی بھی صدر مجلس احرار اسلام کی خاص دعوت پر شریک ہے۔

اجلاس کی خصوصیت

ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کی خصوصیت یہ ہے کہ کمیٹی کے سامنے امیر شریعت حضرت مولٰنا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی پاکستان کے خلاف دلائل و واقعات پر مبنی ایک جامع اور مکمل تجویز پیش ہے۔ حضرت شاہ صاحب اپنی تجویز کے سلسلے میں ۵ مارچ سے لاہور میں مقیم ہیں۔ شاہ صاحب نے ورکنگ کمیٹی کے ممبران سے اس سلسلے میں بہت سی غیر رسمی گفتگوئیں کی ہیں اور سب ہی لوگ شاہ صاحب سے متفق ہیں۔

۱۴ مارچ — میری تجویز سے شاہ صاحب کا اتفاق

آج ورکنگ کمیٹی میں راقم الحروف کو شاہ صاحب کی تجویز پر کچھ اظہار خیال کرنے کی صاحب صدر نے اجازت دی۔ راقم الحروف نے پوری تجویز پڑھ کر سوال اٹھایا کہ اس میں مسلمانان ہندوستان کے لئے مثبت پہلو کا ذکر نہیں ہے جسے شاہ صاحب نے تسلیم کر کے فرمایا کہ میرے ذہن میں یہ مسئلہ موجود ہے لیکن میں اسے علیحدہ حیثیت میں رکھنا چاہتا ہوں۔ راقم الحروف نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے ہندوستان کی مختلف جماعتوں کے مثبت فارمولوں کا ذکر کیا۔ اور اس سلسلے میں جمعیۃ علماء ہند کا فارمولا اجلاس سہارن پور اور خاکسار آئین کا چھپا ہوا مختصر خاکہ ممبران کمیٹی کے سامنے پیش ہوا۔ جمعیۃ علماء کے فارمولے کو کمیٹی میں تین بار بہ آواز بلند صدر صاحب نے مختلف موقعوں پر پڑھا۔

۱۷ — فارمولوں کی منظوری

چند اہم کے ساتھ مجلس احرار اسلام ہند کی ورکنگ کمیٹی نے متفقہ طور پر اسے اس حیثیت میں منظور کیا

کہ اس سلسلے میں مزید بات چیت آل انڈیا جمعیت علماء ہند اور دوسری تمام آزاد خیال جماعتوں کے علاوہ صدر کانگریس

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد سے تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد مجلس احرار اسلام ہند کے فیصلے کا اعلان کیا جائے۔

سب کمیٹی کا قیام

اس سلسلے میں ایک سب کمیٹی مجلس احرار اسلام ہند کی ورکنگ کمیٹی نے بنائی جسے کل اختیارات دیئے گئے

اس تجویز کے محرک سردار محمد شفیع صاحب تھے۔ ممبران سب کمیٹی حسب ذیل ہیں ــــ کمیٹی کے مشیر اعلیٰ حضرت

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی۔ بقیہ ممبران سب کمیٹی جناب شیخ حسام الدین صاحب صدر مجلس احرار اسلام ہند کنوینر

۱۔ مولانا مظہر علی صاحب اظہر جنرل سکرٹری لاہور۔ ۲۔ ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری۔ لدھیانہ

۳۔ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ پنجاب ۴۔ خان محمود علی خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے۔ یو۔ پی

۵۔ حافظ علی بہادر خاں صاحب۔ بمبئی

۲۸ مارچ ۱۹۴۶ء

پاکستان کے خلاف تجویز کی منظوری

آج ورکنگ کمیٹی نے تین دن کی تفصیلی بحث و تمحیص کے بعد حضرت شاہ صاحب کی پاکستان کے خلاف تجویز متفقہ

طور پر منظور کر لی۔ جس میں مولانا مظہر علی صاحب اظہر کی ایک ترمیم جناح صاحب کی طرف سے کئے گئے اعلان

سکستان کے سلسلے میں تجویز بھی شامل کر دی گئی۔ اس کمیٹی کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ ممبران کمیٹی کے سامنے ایسے ایسے

نئے حالات اور واقعات بھی آگئے جس سے بہت سے ممبران کمیٹی ابھی تک ناآشنا تھے۔ شاہ صاحب کی تجویز کے الفاظ

حسب ذیل ہیں۔

پاکستان کے خلاف تجویز

(الف) آل انڈیا مجلس احرار اسلام کی ورکنگ کمیٹی کا یہ اجلاس موجودہ اہم سیاسی مسائل کے متعلق

ایک بار پھر اپنی پوزیشن واضح اور غیر مبہم طور پر ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

(ب) جہاں تک مسلم لیگ کے نظریہ پاکستان کا تعلق ہے مجلس عاملہ کسی صورت میں بھی اس سے اتفاق

نہیں کر سکتی۔ ہم تقسیم ہند کے نظریہ کا تجزیہ محض اقتصادی اور معاشرتی اصولوں پر نہیں کرتے۔ پاکستان کے قبول کرنے

کا مطلب ملت اسلامیہ ہند یہ کو تین مختلف حصوں میں منتشر کرنا ہوگا۔ پنجاب کا نامکمل صوبہ، سرحد، سندھ اور بلوچستان ہندستان کے ایک سرے پر اور بالکل دوسرے سرے پر مشرقی بنگال اور آسام کے کچھ اضلاع کو پاکستان بنایا جاتا ہے۔ ملت اسلامیہ ان دو منطقوں میں ہی بٹ کر نہیں رہے گی بلکہ اس سے ایک قابل قدر حصہ پر ہندستان میں ہندوانی غلامی مسلط رہے گی۔ ان دو پاکستانی ریاستوں میں موثر غیر مسلم اقلیتیں موجود رہیں گی۔ نیز پاکستان کی یہ دونوں ریاستیں جغرافیائی اعتبار سے ایک دوسرے کی کسی بیرونی حملے کے وقت امداد نہیں کر سکیں گی اور ان دو ریاستوں کے درمیان ہندوؤں کو دنیا کی سب سے بڑی سلطنت سونپ دی جائے گی جس میں مسلم اقلیت کی پوزیشن حد درجہ غیر موثر رہے گی۔ مزید برآں[1] اب مسٹر جناح نے نواب زادہ لیاقت علی خاں کے نظریہ کو اپنا لیا ہے اور سکھوں کا علیحدہ سلطنت بنانے کا حق تسلیم کر کے پنجاب میں جمنا سے لے کر راوی بلکہ چناب تک کا علاقہ مغربی پاکستان سے علیحدہ ہونا درست قرار دے دیا ہے۔ اس روش کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بنگال اور آسام کے صوبوں کی بھی اسی طرح قطع و برید ہو جس سے مغربی پاکستان کی طرح مشرقی پاکستان بھی پہلے سے زیادہ بے وقعت اور اقتصادی لحاظ سے بے حال ہو جائے گا۔

ان ٹھوس حقیقتوں کے بعد کوئی ذی شعور جماعت جو مسلمانوں کے تحفظ حقوق کا دعویٰ کرتی ہو اس مہلک نظریہ سے متفق نہیں ہو سکتی —

مسلم لیگ ۱۹۴۰ء سے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلتی آئی ہے۔ پاکستان کا حربہ انتخابات میں کامیابی کے حصول کے لئے استعمال کیا گیا۔ مسلم لیگ میں شمولیت اور عدم شمولیت پر اسلام اور کفر کا مدار رکھا گیا۔ اور تمام اوچھے ہتھیاروں سے لیگ میدان میں اتری۔

مجلس عاملہ اس حقیقت کا اعلان کرنا ضروری سمجھتی ہے کہ یہ تمام خلاف آئین و اخلاق سرگرمیاں اور ہنگامہ و حق ہائے دبندگی مسلم لیگ کی وقتی کامیابی کی ضامن ہوئیں۔ مسلم لیگ کی قیادت مسلمانوں کو ایک غیر منظم قوم اور بے ہنگام گروہ کی حیثیت دینا چاہتی ہے۔ یہ اجلاس ایک بار پھر یہ اعلان کرتا ہے کہ مسلم لیگ

---

[1] خط کشیدہ سطریں مولانا مظہر علی خاں کی ترمیم کے الفاظ زیادہ ہیں۔

کی قیادت قطعی غیر اسلامی ہے اس کا عمل آج تک ملت اسلامیہ کے مفاد کے منافی رہا ہے مرکزی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں اسلامی قوانین کی مخالفت اس کا مستقل شعار ہے۔

اس لئے مسلمان سیاسی، مذہبی، تمدنی، رہنمائی کی توقع مسلم لیگ کی غیر اسلامی قیادت سے نہیں کر سکتے۔

.... اور مسلم لیگ کے کسی فیصلہ کو اسلامی ہند کا فیصلہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

جمعیت العلماء کے فارمولے میں ترمیم

۲۹ مارچ ۱۹۴۶ء

آج مجلس احرار اسلام ہند کی تاریخی ورکنگ کمیٹی میں ہندوستانی مسلمانوں کی ٹھوس آئینی حیثیت کیلئے بحث شروع ہوگئی۔ تمام ممبران اس بات میں متفق ہیں کہ جمعیت العلماء کے سہارن پور والے فارمولے میں حسب ذیل ترمیم کی جائے کمیٹی نے جمعیت العلماء کے فارمولے کو اس شکل میں منظور کر لیا۔

جمعیتہ العلماء ہند کے نزدیک تمام ہندوستانیوں کے لئے عموماً اور مسلمانوں کے لئے خصوصاً یہ صورت مفید ہے کہ وہ حسب ذیل نکات پر اتفاق کریں اور اسی بنیاد پر حکومت برطانیہ کے سامنے متفقہ مطالبہ پیش کریں۔

(الف) ہمارا نصب العین آزادی کامل ہے۔

(ب) وطن کی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے، ان کا مذہب آزاد ہوگا، مسلم کلچر اور تہذیب و ثقافت آزاد ہوگی۔ وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

(ج) ہم ہندوستان میں کامل آزادی اور خود مختاری کے حامی ہیں غیر محدود داخلی اختیارات صوبوں کے ہاتھ میں ہوں گے اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں گے جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کریں اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو۔

(د) ہمارے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا وفاق ضروری اور مفید ہے مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت کی مالک، ۹ کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی غالب اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو۔ ایک لمحے کے لئے بھی گوارا نہ ہوگی۔ یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصولوں پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی سیاسی و تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔

۱۔ مرکزی مجلسوں کی تعداد کا یہ تناسب ہو۔ ہندو ۴۵ مسلمان ۴۵ اور دیگر اقلیتیں ۱۰۔

۲۔ مرکزی حکومت میں اگر کسی بل یا تجویز کو مسلم ارکان کی ۳/۴ اکثریت اپنے مذہب یا اپنی سیاسی آزادی یا اپنی تہذیب و ثقافت پر مخالفانہ اثر انداز قرار دے تو وہ بل یا تجویز ایوان میں پیش ہو کر پاس نہ ہو سکے گی

۳۔ ایک ایسا سپریم کورٹ قائم کیا جائے جس میں مسلم و غیر مسلم ججوں کی تعداد مساوی ہو۔ اور جس کے ججوں کا تقرر مسلم و غیر مسلم صوبوں کی مساوی تعداد کے ارکان کی کمیٹی کرے۔

یہ سپریم کورٹ مرکز اور صوبوں کے درمیان تنازعات یا صوبوں کے باہمی تنازعات یا ملک کی قوموں کے اختلافات کا آخری فیصلہ کریگا۔ نیز تجویز نمبر ۲ کے ماتحت اگر کسی بل کے مسلمانوں کے خلاف ہونے نہ ہونے میں مرکزی اکثریت مسلم ارکان کی ۳/۴ اکثریت کے فیصلے سے اختلاف کرے تو اس کا فیصلہ سپریم کورٹ سے کرایا جائے گا۔

۴۔ محکمۂ فضا کا قیام ہو۔ ہندوستانی فوج میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی مساوی نمائندگی تاکہ کسی قوم کی زیادہ نیابت دوسری قوم کے لئے خوف و ہراس کا باعث نہ رہے۔

۶۔ مرکز کی طرف پس ماندہ صوبوں میں تعلیم اور صنعت کے لئے مستقل عطیہ جات۔

۷۔ اقلیتوں کے لئے صوبوں میں ووٹ کا طریقہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔

۸ ہندوستان میں مختلف ملتوں کے کلچر، زبان، مذہبی تعلیم، مذہبی تبلیغ، مذہبی عقائد، مذہبی اعمال عبادت گاہیں، اوقات آزاد ہوں گے۔ حکومت ان میں مداخلت نہ کرے گی۔

۹۔ دستور اساسی میں اسلامی پرسنل لا کی حفاظت کے لئے خاص دفعہ رکھی جائے گی جس میں تشریح ہوگی کہ یہ مسائل قانون ساز اور حکومت کی جانب سے ان میں مداخلت نہ کی جائے گی۔ اور پرسنل لا کی چیزیں مثال کے طور پر فٹ نوٹ میں درج کی جائیں گی۔ مثلاً احکام نکاح، طلاق، رجعت، عدت، خیار بلوغ، تفریق زوجین، خلع عنین و مفقود، نفقۂ زوجیت حضانت، ولایت، نکاح و مال وصیت و وقف وراثت، تکفین، تدفین قربانی وغیرہ۔

۱۰۔ مسلمانوں کے ایسے مقدمات کرنے کے لئے جن میں مسلمان حاکم کا فیصلہ ضروری ہے مسلم قاضیوں کا تقرر

کیا جائے گا۔ اور ان کو اختیارات تفویض کیے جائیں گے۔

ممبران ورکنگ کمیٹی کے خیالات

ورکنگ کمیٹی کے ممبران کی عام گفتگو یں حسب ذیل ہیں :-

میں صرف کسی آئینی سمجھوتے میں ہندوستان کی نجات نہیں سمجھتا اور نہ ہی میرے نزدیک الیکشن کی جیت میں ملکی اور ملی کوئی نفع ہے۔ میں تو بس ہندوستان میں انگریز سے ایک ایسی لڑائی دیکھنے اور لڑنے کا متمنی ہوں جس میں گھر بار تباہ و برباد کر کے پھانسیاں لگنے کا پروگرام ہو یہی پروگرام آزادی ہند کے مسئلہ کو حل کر سکتا ہے اس لئے...... جماعت کو الیکشن نہ لڑنا چاہیئے بلکہ کوئی اور ٹھوس کام اور پروگرام سامنے رکھا جائے۔ پاکستان کے بارے میں پورے تین مہینے تک پنجاب میں، میں نے جس جگہ بھی تقریریں کی ہیں پاکستان کو مسلمانان ہندوستان کے لئے مہلک بلکہ ہلاکت آفریں اور فلاکت خیز بتایا ہے، اور دلائل سے یہ باتیں ثابت کی ہیں، میری سمجھ میں پاکستان کے حق میں کوئی دلیل ابھی تو نہیں آئی۔ اس وقت قوم کی زندگی اور موت کا سوال ہے میں نہیں کہتا کہ میری ہی رائے مان لی جائے سب ہی کو اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے، اور اگر کسی کے پاس میرے دلائل کے خلاف کوئی واضح اور ٹھوس دلائل ہوں تو مجھے اپنی تجویز پر اب بھی ضد نہیں ہے۔

"سید عطاء اللہ شاہ بخاری"

میری سمجھ میں اگر پاکستان آج بھی آجائے تو میں فوراً لیگ میں چلا جاؤں لیکن میں پاکستان قبول کرنے میں مسلمانان ہند کی ذلت آمیز موت دیکھ رہا ہوں۔ "مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی"

میری رائے میں جب تک ہندوستان کی اینٹی لیگ جماعتوں کی کسی آئینی تجویز کو کانگریس ورکنگ کمیٹی منظور نہ کرے اس وقت تک تجویز کی نشر و اشاعت بے معنی چیز ہے۔ "مولانا مظہر علی اظہر"

میں سمجھتا ہوں کہ مولانا ابوالکلام آزاد سے سب سے پہلے گفتگو کی جائے اور مجلس احرار اسلام کی باگ ڈور انہیں کے ہاتھ میں دیکر اس وقت تک ان کے ہاتھ زیادہ سے زیادہ مضبوط کئے جائیں۔" "شیخ حسام الدین"

دہلی میں احرار رہنماؤں کی آمد

۲۳ مارچ ــــ دفتر صوبہ مجلس احرار اسلام دہلی کے دفتر میں مجلس احرار الاسلام کی سب کمیٹی کے

حسب ذیل ارکان پہنچ چکے ہیں —
(۱) مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کمیٹی کے صدر اعلیٰ (۲) شیخ حسام الدین صاحب صدر مجلس احرار اسلام کمیٹی کے کنوینر۔ (۳) ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری۔

ناظم جمعیت العلماء ہند کی دعوت گفتگو

ناظم اعلیٰ جمعیتہ العلماء ہند جناب مولانا حفظ الرحمٰن کی دعوت پر جمعیتہ العلماء ہند کے دفتر میں آج مجلس احرار اسلام ہند کی سب کمیٹی کے ارکان پہونچے۔

دفتر کے منزل لمبے کمرے میں چائے پینے کے بعد حسب ذیل اشخاص کی موجودگی میں مسلمانان ہند کی آئینی پوزیشن کے متعلق ایک غیر رسمی یا رسمی کانفرنس شروع ہوگئی۔ یہ کانفرنس ٹھیک چھ بجے شام تک جاری رہی۔ نمائندگان احرار کے علاوہ جمعیت کی طرف سے جناب ناظم نے حسب ذیل اشخاص کو اس کانفرنس یا مجلس مشاورت میں شریک کیا۔

(۱) مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیتہ العلماء ہند۔

(۲) جناب مولانا عبدالحنان صاحب (۳) جناب مولانا نورالدین صاحب بہاری

(۴) جناب ڈاکٹر عبدالقوی صاحب لاہور (۵) مولانا محمد میاں صاحب۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے ارشادات

مجلس مشاورت میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے مجلس احرار اسلام ہند کے موجودہ فیصلہ کی روشنی میں مجلس کے ممبران کو بتلایا کہ مجلس احرار اسلام ہند اس موقع پر تیار ہے کہ وہ تمام ہندوستان کی ترقی پسند جماعتوں سے مل کر ایسا ٹھوس آئینی مطالبہ زراقی متن کے اور کانگریس کے سامنے رکھے جو صحیح طور پر ہندوستان کے مسلمانوں کی باوقار آئینی زندگی کا ضامن ہو۔

اس سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ مجلس احرار اسلام ہند کی مجلس عاملہ نے جمعیت کے فارمولے میں بہت ہی غور و خوض کے بعد چند ایزادی ترامیم کی ہیں۔ اسکے بعد اب مجلس احرار اسلام ہند کی خواہش ہے کہ دہلی میں تمام ترقی پسند جماعتوں کے ممبران کے سامنے جمعیت والا فارمولا رکھے اس لئے اس کو صحیح تفصیلی شکل دیدیا جائے

اس ضمن میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے حضرت مولانا نے سوال کیا کہ کیا یہ فارمولا کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبران بھی دیکھ چکے ہیں اور اگر وہ دیکھ چکے ہیں تو اس پر کیا رائے رکھتے ہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی رائے

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند نے مجلس احرار اسلام ہند کی موجودہ تجویز کو پسند فرمایا اور جواب میں کہا کہ اگرچہ جمعیت کے فارمولے کو ابھی کانگریس نے قانونی حیثیت سے منظور نہیں کیا لیکن کانگریس ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبران فرداً فرداً اس فارمولے کو پسند کر چکے ہیں اور بعض لوگوں کے ساتھ تو تفصیلی گفتگوئیں بھی ہو چکی ہیں۔ ناظم صاحب نے مزید فرمایا کہ جمعیت العلماء ہر قسم کی ایزادی ترمیم کو ہر وقت قبول کرنے کے لئے تیار ہے اور وہ اس معاملہ میں تمام ترقی پسند آزاد خیال جماعتوں کے ممبران کے ساتھ پوری فراخدلانہ سپرٹ میں خود بھی دوبارہ غور کرنے کے لئے تیار ہے اور مسلمانان ہند کے سامنے پاکستان کے بدل کے طور پر نیز اپنی جگہ مستقل عمل کے طور پر اس فارمولے کو بہت مضبوط بنانا چاہیئے۔

یکم اپریل ۱۹۴۶ء

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی آصف صاحب سے گفتگو

کمیٹی کے ممبران و رہنما صاحب کے مکان سے چل کر ٹھیک سوا پانچ بجے وقت معین پر آصف صاحب کی کوٹھی پر (جو کہ انھیں سرکاری طور پر مرکزی اسمبلی کے ممبر ہونے کی حیثیت سے ملی ہوئی ہے) پہونچے تھوڑی دیر کے بعد آصف صاحب بھی اسمبلی کے اجلاس سے تشریف لے آئے۔ آصف صاحب نے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے بات چیت کی۔ مختصر طور پر دہلی میں احرار سب کمیٹی کے آنے کا مقصد بیان کیا اور مشورہ طلب کیا۔

آصف صاحب کا مشورہ

آصف صاحب نے فرمایا کہ اس وقت یقیناً ایک جامع تحریک بن جانی چاہیئے [illegible] اسکا فیصلہ سب ہی لوگ مل کر کر سکتے ہیں لیکن انتخابات میں ضروری ہے کہ جو لوگ آزاد لیگ جماعت میں شامل ہوں خواہ وہ کسی وجہ سے شامل ہوئے ہوں انھیں پاکستان سے قطعی مخالفت کا اظہار کرنا چاہیئے۔ یہ بہت

ہی غلط بات ہے کہ ایک شخص... پاکستان کو مانے اور لیگ کو نہ مانے۔ اسی چیز نے خضر حیات کو پنجاب میں شکست دلائی ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے فرمایا کہ میری اور میرے ساتھیوں کی یہ قطعی رائے ہے کہ نظریہ پاکستان کی مخالفت کی جائے۔

آصف صاحب نے فرمایا کہ نیشنلسٹ مسلمانوں کی مرکزی لیڈرشپ نہیں ہے جس پر تمام جماعتیں افراد آخری طور پر رہنمائی حاصل کرنا اپنا فرض خیال کریں۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی رائے

اس پر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ یہی بات کل میں مولانا احمد سعید صاحب سے کہہ چکا ہوں۔ اس چیز کو اپنے لوگوں میں اس طرح کہتا ہوں کہ کانگریس میں گاندھی جی اور مسلم لیگیوں میں مسٹر جناح ہیں۔ لیکن ہندوستان کے آزاد خیال مسلمانوں میں کوئی ایسا لیڈر نہیں ہے جو سب کو اکٹھا کر کے مسلم سیاست کو چلائے۔

آصف صاحب کی رائے

آصف صاحب نے فرمایا کہ اب ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاست مسٹر جناح کے قبضہ سے باہر ہو چکی ہے اس لئے وہ اب کوئی صحیح بات نہیں کہہ سکتے۔ عام ہندوستان کے سیاسی حلقے اب انہیں پوچھتے تک نہیں۔ اور نہ اب ان کو کوئی پوچھے گا خواہ وہ کتنی ہی دل خوش کن باتیں کریں۔

مسلمانوں کی آئندہ آئینی پوزیشن کے متعلق مولانا حبیب الرحمٰن کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے آصف صاحب نے فرمایا۔

آصف صاحب کا جواب

میں ہمیشہ سے حق بالغ رائے دہندگی کے ساتھ مخلوط انتخابات کا حامی رہا ہوں۔ اس سلسلے میں [illegible] میں پہلی بار جب لاہور کے اجلاس مسلم لیگ کے وقت میں نے مولانا محمد علی صاحب جناح شیروانی صاحب اور مولوی فضل الحق صاحب آف بنگال سے مل کر یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستان میں مخلوط انتخابات بالغ حق رائے دہندگی کے ساتھ منظور کر لیا جائے تو لیگ کے رجعت پسند طبقوں میں زلزلہ

آگیا اور انھوں نے سمجھا کہ ہماری تمام سیاست ختم ہوگئی۔ کیوں کہ اس وقت لیگ کا قانون یہ تھا کہ ہر صوبے میں ایک نمائندے کی رائے اس صوبے کے تمام نمائندوں کی رائے تسلیم کی جائے۔ اس طرح ہم چار آدمیوں کی رائے ... چھتر آدمیوں کی رائے تھی جب لیگ کے رجعت پسند طبقے سے ہمارے خلاف کچھ نہ بن سکا تو میاں فضل حسین اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے پاس آگئے اور میرے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے۔

میاں فضل حسین کا جواب

میں آپ کو اپنی سرٹر دیتا ہوں۔ آپ پنجاب کے تمام شہروں اور دیہاتوں میں جائیے، اپنے تمام کانگریسی برادران وطن سے منظور کروائیے تو پھر اس مجلس میں ہم آپ کے فارمولے کو منظور کریں گے میں اس لئے اس مجلس میں اس کی مخالفت کر رہا ہوں کیونکہ یہ فارمولا آپ لوگوں کے برادران وطن اور محبان ملک کو بھی منظور نہ ہوگا۔ خواہ مخواہ ایک نئی لڑائی پنجاب میں شروع ہو جائے گی۔ میں اس لڑائی کو نہیں چاہتا

ایک جماعت

آصف صاحب نے کانگریس اور دوسری آزاد خیال مسلم جماعتوں کے بارے میں کہا کہ میری رائے اب یہ نہیں کہ ہم لوگ جدا جدا گھروندے بنا کر بیٹھے رہیں اب تمام مسلم آزاد خیال جماعتوں کو سیدھے کانگریس میں آجانا چاہیئے، اگرچہ اس وقت کانگریس کے ہندو لیڈروں کا ذہن کسی طرح بھی مسلمانوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

آصف صاحب نے ملک کی جذباتی اضطرابی اور باغیانہ اسپرٹ کے متعلق کہا کہ ملک کی فضا کا جو نقشہ میرے سامنے ہے میں سچ کہتا ہوں کہ اس نقشہ نے میری نیند چھین لی ہے۔ جیسوں راتیں میں نے جاگ کر گذاری ہیں۔ ملک اور ہم اس وقت ایک تنور کے کنارے پر کھڑے ہیں، بس ایک جھٹکے سے یا تو تنور کے اندر چلے گئے ..... یا ہم نے اس بھڑکتی ہوئی آگ پر قبضہ کر لیا۔ اور ملک کو خوفناک حالات سے بچا لیا۔

قوت کا حصول

آصف صاحب نے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے ایک آئینی سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نشستوں کے تناسب میں نہیں جاتا ہوں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ ہر جگہ کام کو چلانے کیلئے کتنی دیٹو یا قوت حاصل ہوتی ہے جس سے ہم مطمئن ہو جائیں سب جگہ تسلی بخش کام چلنا چاہیئے لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو نشستوں کا تناسب بھی کوئی کام نہیں دے سکتا

یکم مئی ۱۹۴۶ء کو احرار ہائی کمانڈ کی پنڈت نہرو سے ملاقات

دہلی میں احرار ہائی کمانڈ نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی رہنمائی میں جمعیۃ العلماء ہند کے رہنماؤں کے علاوہ مولانا ابوالکلام سے بار بار ملاقاتیں کیں اور گفتگوئیں ہوئیں اور سندھ مسلم مسئلہ اور ہندوستان کی تقسیم کے فارمولے پر مولانا سید عطاء اللہ صاحب بخاری رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ۱۰ اپریل کو گاندھی جی سے ملے۔

احرار ہائی کمانڈ کی آخری ملاقات حسین بخش اینڈ کمپنی کناٹ پلیس میں پنڈت نہرو سے ہوئی

احرار رہنماؤں کے پنڈت جواہر لال نہرو سے دیرینہ مخلصانہ تعلقات ہی اس دوستانہ ملاقات کا باعث ہوئے۔

راقم الحروف عزیز الرحمٰن نے پنڈت جی کو ہارڈنگ ایونیو کی ایک کوٹھی سے ساتھ لے کر حسین بخش اینڈ کمپنی کناٹ پلیس میں احرار رہنماؤں سے ملاقات کے لئے پہنچایا۔

اس دعوت میں حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے پنڈت جی سے کہا کہ مبارک ہو آپ کانگریس کے صدر منتخب ہو رہے ہیں اس پر پنڈت جی نے فرمایا کہ مجھے تو اپنے صدر ہونے کا خیال بھی نہ تھا اچانک میں نے مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان ریڈیو پر سنا کہ انہوں نے میرا نام صدارت کے لئے بحیثیت صدر کانگریس کے منتخب کر دیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو میں اپنا محسن بھی مانتا ہوں اور اپنا لیڈر بھی، سیاسی میدان میں ان کی ہر بات دور رس نتائج پیدا کرتی ہے چونکہ مولانا صاحب نے از خود میرا نام پیش کر دیا ہے اس لئے مجھے بھی کانگریس کی صدارت کرنے میں عذر نہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ حکومت برطانیہ ہندوستان کے متعلق کیا فیصلہ کرتی ہے اس کو دیکھ کر ہی کانگریس کوئی نیا قدم اٹھائے گی۔ اس وقت حالات

حبیب آزاد ملاقات

پنڈت نہرو کی صدارت کا اعلان

گاندھی ۔ عزیز ملاقات

عارضی حکومت اور احرار

حبیب آزاد ملاقات

۲۶ راپریل ۱۹۴۶ء کو صبح آٹھ بجے کے ریڈیو نے اردو خبروں میں صدر کانگریس مولانا ابوالکلام آزاد کا حسب ذیل بیان نشر کیا۔

مولانا آزاد نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ موجودہ حالات میں پنڈت نہرو کرسی صدارت کے لئے بہترین ثابت ہوں گے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے ۲۶ راپریل ۱۹۴۶ء کو ساڑھے آٹھ بجے مسٹر آصف علی کی کوٹھی دینڈ سر پلیس میں مولانا آزاد سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں راقم الحروف بھی شامل تھا مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے گفتگو کے شروع ہی میں پنڈت جواہرلال کی صدارت کے متعلق مولانا کے ریڈیائی بیان کا ذکر کیا جس میں پنڈت جواہرلال کی صدارت کے لئے مولانا آزاد نے سفارش کی تھی۔ اس پر مولانا آزاد نے فرمایا۔

ہاں میرے بھائی میں نے رات گیارہ بجے ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کو اپنا بیان بھیج دیا تھا۔ اور آج صبح چھ بجے میں مہاتما گاندھی سے اس بارے میں ملا۔ گاندھی جی میری رائے سے متفق ہو گئے انہوں نے بھی اخبارات کو ایک بیان دیا ہے۔ جس میں انہوں نے میرے بیان سے اتفاق کلی ظاہر کیا ہے۔

پنڈت جواہرلال کی صدارت کی سفارش اس لئے میں نے ضروری سمجھی کہ جو بھی صدر کانگریس ہوگا آئینی طور پر وائسرائے ہند گورنمنٹ بنانے کی دعوت اسے ہی دے گا۔ پنڈت جواہرلال نہرو اسی صورت میں وزیر اعظم بن سکتے ہیں۔ جبکہ وہ صدر کانگریس بنیں۔

اس پر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے یہ کہا کہ عام خیال تو یہ تھا کہ اب کی کانگریس کی صدارت کا عہدہ سردار پٹیل کو ملے گا لیکن آپ کے بیان نے پورے کا پورا سیاسی نقشہ بدل دیا۔ مولانا آزاد یہ سن کر مسکرا دیئے اور خاموش ہو گئے۔ شام کو دہلی سے چھپنے والے اخبارات نے مولانا کا پورا بیان شائع کیا۔ اخبار "تیج" نے صفحہ اول پر مولانا ابوالکلام آزاد کا حسب ذیل بیان شائع کیا۔

کی بنا پر بھی مولانا آزاد کا بار پنڈت جواہرلال نہرو کے کندھوں پر ہی منتقل ہونا چاہئے۔

سب جانتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں بین الاقوامی انقلاب کے جھگڑے ہیں ہے کوئی ملک اس کی زد سے نہیں بچ سکتا۔ ایک طرف پیرس میں صلح کانفرنس کا ڈھانچہ تیار کیا جا رہا ہے، دوسری طرف ہندوستان مصر، انڈونیشیا اپنی اپنی آزادی کے لئے متعلقہ سامراجی طاقتوں سے بات چیت کر رہے ہیں۔

آج ہم کو.... قومی تحفظ کے لئے بھی اس نظریئے کی ضرورت ہے جو بین الاقوامی شہرت کے احساس پر مبنی ہو۔ پنڈت جواہرلال اس نظریئے کے بہترین ترجمان ہیں۔

۳۱ جنوری سنہ ۱۹۶۰ء میں تیج اخبار کا مضمون

جب گاندھی جی نے ڈرامائی مداخلت کر کے پنڈت نہرو کو وزیر اعظم بنایا۔ پنڈت نہرو کی تازہ تصنیف " پرانے خطوط کا پلندہ " کا تعارف کراتے ہوئے تیج کے ایڈیٹر نے حسب ذیل الفاظ میں ذیل کا مضمون لکھا ہے اور اس مضمون کی سرخی یہ دی ہے کہ جب گاندھی جی نے ڈرامائی مداخلت کر کے پنڈت نہرو کو وزیر اعظم بنایا۔

پردھان منتری پنڈت نہرو کی تازہ تصنیف " پرانے خطوط کا پلندہ " میں مشاہیر عالم کے ان بیش قیمت خطوط کو درج کیا گیا ہے جو برسوں پہلے پنڈت نہرو کے نام لکھے گئے۔ دوسرے مہا پرشوں کے علاوہ اس کتاب میں پہلی بار مہاتما گاندھی کی چند ایسی چٹھیاں بھی درج کی گئی ہیں جو نہرو۔ گاندھی تعلقات پر بہت روشنی ڈالتی ہیں۔ یہ چٹھیاں پہلی مرتبہ منظر عام پر آئی ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گاندھی جی کے دل میں پنڈت نہرو کے لئے کس قدر گہرا.... پیار تھا اس پیار سے بے بس ہو کر ہی گاندھی جی نے سردار پٹیل کے بجائے پنڈت نہرو کو اپنا "جانشین" مقرر کیا۔

مشہور امریکی مصنف نے پنڈت نہرو کی زندگی کے حالات پر جو کتاب حال ہی میں شائع کی ہے اس میں اس کی مصنف نے پنڈت جی سے تمام حالات جاننے کے بعد بہت سے رازوں سے نقاب کیا ہے۔ اس کتاب میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ جب کانگریس نے سردار پٹیل کو کانگریس کا صدر بنانے کا فیصلہ کر دیا تھا۔ تین چار پردیش کانگریس کمیٹیوں نے سردار پٹیل کے نام کی سفارش بھی کر دی تھی لیکن آزادی ملنے سے تھوڑی دیر پہلے............ گاندھی جی نے ڈرامائی انداز میں مداخلت کی اور سردار پٹیل کی جگہ پنڈت نہرو کو کانگریس کا پردھان بنانے کے لئے مجبور کیا اس لئے تاریخ کا رخ پلٹ گیا۔ پنڈت نہرو کو اگر حکومت بنانے کی دعوت دی گئی تو کانگریس کے صدر ہونے

کے ناطے سے اگر پنڈت نہرو کے بجائے کانگریس کے صدر سردار پٹیل ہوتے تو ان کی بجائے ملک کے پہلے وزیر اعظم ہونے کا شرف سردار پٹیل کو ملتا۔ پنڈت نہرو کو نہیں۔ لیکن گاندھی جی کی مداخلت نے تاریخ کے دھارے کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ کیا ، گاندھی جی کا ملک پر کوئی کم احسان تھا ؟

کیا گاندھی جی جانتے تھے کہ ان کی مداخلت سے پنڈت نہرو وزیر اعظم بنیں گے اس بارے میں گاندھی جی کو علم ہی نہیں تھا۔ لیکن ۱۹۴۶ء میں اخبار تھے کے مفاد نکالنے نے مولانا آزاد کے نام کو اتار کر نئی تاریخ بنا دی ہے یہ تاریخ بدلنے کافی ہے" مرتب۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد — جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

گاندھی جی سے ملاقات

احرار رہنماؤں کے قیام دہلی کے دوران میں راقم الحروف عزیز الرحمٰن نے برادرم شورش کاشمیری نواب زادہ نصر اللہ خاں کو گاندھی جی سے وقت لے کر ملایا اس ملاقات میں شورش کاشمیری نے گاندھی جی سے سوال کیا کہ آپ کی مولانا ابو الکلام آزاد کے متعلق کیا رائے ہے۔ مہاتما گاندھی نے اسکے جواب میں کہا کہ تاریخ اور مذاہب عالم کے سلسلے میں جو معلومات اور علم وفکر مولانا آزاد کو حاصل ہے میری نظر میں کسی دوسرے کو اتنا عبور حاصل نہیں سیاسی حالات میں بھی مولانا کی رائے پختہ تلی اور فیصلہ کن رائے ہوتی ہے اس لیے مولانا صاحب جو کچھ کہتے ہیں وہ ایک سند بن جاتی ہے۔ شورش کاشمیری نے ایک اور سوال کیا کہ مہاتما جی، مولانا آزاد جو زبان بولتے ہیں اسکے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ مہاتما گاندھی نے فرمایا کہ مولانا صاحب جو زبان بولتے ہیں میں اس کو ہندوستانی زبان کہتا ہوں۔ ایک اور سوال کے جواب میں مہاتما جی نے فرمایا کہ پنجاب کی کانگریسی سیاست تو میری سمجھ سے باہر ہے۔ پنجاب کے کانگریسی لوگ کچھ ایسی باتیں کر جاتے ہیں جو پریشانی کا سبب بن جاتی ہیں مہاتما جی سے ملاقات کوئی پونے گھنٹہ تک جاری رہی اور گاندھی جی نے ہم سب کو اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

عارضی حکومت میں احرار کو شمولیت کی دعوت

لارڈ ویول نے مسلم لیگ سے مایوس ہو کر جب کانگریس کو عبوری بنیادوں پر حکومت بنانے کی

رئیس الاحرار کا خط گاندھی جی کے نام

۱۵ اگست کے بعد فسادات کا پس منظر

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کا گاندھی جی کے نام خط

راقم الحروف یکم جولائی ۱۹۴۷ء کو مہاتما جی کی خدمت میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کا ایک خط لے کر حاضر ہوا۔ اور اس خط کے ساتھ سردار پٹیل کی ایک تقریر کا اخباری کٹنگ بھی تھا۔ سردار پٹیل کی تقریر مسلمانوں کے بارے میں بہت اشتعال انگیز تھی۔ جب یہ خط اور اخبار کا کٹنگ راقم الحروف نے گاندھی جی کو پڑھ کر سنایا تو گاندھی جی بہت آزردہ خاطر ہوئے اور فرمایا کہ مولانا حبیب الرحمٰن سے کہنا کہ اب تو میرے ساتھی میرے ساتھ نہیں ہیں۔ میں تو اب زمین پر بوجھ ہوں۔ اور اب میں زیادہ دیر زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ چنانچہ راقم الحروف گاندھی کا یہ پیغام لے کر سیدھا لدھیانہ واپس چلا گیا۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی صبح کو لدھیانہ شہر میں ہزارہا قومی جھنڈے لہرائے گئے اور خصوصیت سے مسلمانوں کے محلے اس قدر سجائے گئے تھے کہ مسلمانوں نے اتنی سجاوٹ کبھی عید کے تہوار میں بھی نہ کی تھی۔ لوگوں نے اطمینان و خوشی کا لطف اٹھایا اور مسلمانان لدھیانہ نے یہ سمجھا کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے علماء لدھیانہ نے جو جدوجہد آزادی شروع کی تھی وہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو کامیابی سے جیت لی گئی۔ اس موقع پر مولانا محمد علی پاسلوی مشہور کانگریسی ورکر نے ایک سو صفحے کی کتاب شائع کی۔ اس کتاب کا نام تھا۔ "جنگ آزادی کی تحریک میں مسلمانان لدھیانہ کا حصہ" یہ کتاب لدھیانہ میں تقسیم ہوئی۔ ۱۰ اگست کو رمضان المبارک کا آخری جمعہ تھا اس موقع پر شاہی مسجد لدھیانہ اندرون میونسپل کمیٹی باغ میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں حاضرین کی تعداد دو لاکھ سے بھی زائد تھی۔ جلسے کے شروع میں لدھیانہ کے ایک انقلابی شاعر مسٹر فضل حق (گھڑی ساز) نے حسب ذیل نظم پڑھی جس پر لاکھوں آدمیوں نے داد دی۔ نظم یہ تھی۔

آج سے اپنا راج چلے گا — آج وطن آزاد ہوا ہے
آؤ منائیں جشنِ مسرت — پھر سے گھر آباد ہوا ہے
آج، حقیقی عیش ملا ہے — آج ہر اک دل شاد ہوا ہے
آج سے اپنا راج چلے گا — آج وطن آزاد ہوا ہے

پا ہی گئے ہم اپنی منزل — پورے ہوئے سب دل کے ارادے
جیت گئے ہم جنگ کی بازی — ٹوٹ گئے باطل کے ارادے
آج سے اپنا راج چلے گا — آج وطن آزاد ہوا ہے
ہم کیا ہیں دنیا کو بتائیں — اپنے وطن کی شان بڑھائیں
ظلم و ستم کو آؤ مٹائیں — مہر و وفا کا دیپ جلائیں
آج سے اپنا راج چلے گا — آج وطن آزاد ہوا ہے
ہر غنچہ ہر پھول ہے اپنا — اپنی ہیں گلشن کی بہاریں
روپ نیا کلیوں کو دے کر — حسن چمن کو اور نکھاریں
آج سے اپنا راج چلے گا — آج وطن آزاد ہوا ہے

اس نظم کے بعد رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے برکات آزادی کے عنوان پر دو گھنٹے تقریر کی اور لوگوں کو پیغام دیا کہ وطن کی آزادی کی حفاظت میں آج سے کمربستہ ہو جائیں کیوں کہ آزادی حاصل کرنے سے کہیں زیادہ آزادی کی حفاظت کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ آزاد ہندوستان میں ہمیں شریف شہریوں کی طرح رہنا چاہیئے۔ اگر ہندوستان کے لوگ آپس میں لڑ پڑے اور یہاں سول وار ہو گئی تو ہماری آزادی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکے گی۔ انگریز اب بھی ہماری تاک میں ہے انگریز کا جسم یہاں سے چلا گیا ہے مگر اس کی روح ابھی تک یہاں موجود ہے ایسا نہ ہو کہ ہم انگریز کے روحانی اشاروں پر ناچنے لگیں اور آزادی کا یہ دن خواب پریشاں ہو کر رہ جائے۔

۲۱/ اگست ۱۹۴۷ء

۲۱/ اگست ۱۹۴۷ء کی صبح کو ہر طرف سے یہ خبریں آنے لگیں کہ مشرقی اور مغربی پنجاب میں قتل عام شروع ہو گیا۔ اس قتل عام سے لدھیانہ بھی نہ بچ سکا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آزادی کی پاکیزہ خوشی غم و اندوہ میں بدل گئی اور ۲۱/ اگست کی شام کو لدھیانہ بھی قتل و غارت گری کی لپیٹ میں آ گیا۔

۲/ ستمبر ۱۹۴۷ء کو معلوم ہوا کہ پنڈت جواہر لال نہرو جالندھر تشریف لا رہے ہیں۔ چنانچہ لدھیانہ

ہمراہ یہ وفد ہندو مسلم سکھوں کا پولیس کی حفاظت میں جالندھر پہنچا۔ پنڈت جی گورنر پنجاب ڈاکٹر گوپی چند جالندھر میں ایک رئیس کی کوٹھی پر ٹھہرے تھے۔ مولانا حبیب الرحمٰن نے پنڈت جی سے لدھیانہ کے تمام حالات بیان کئے جس کی تائید وفد کے ہندو سکھ ساتھیوں نے کی۔ پنڈت جی نے وعدہ کیا کہ میں جلد ہی لدھیانہ میں حالات کو سازگار بنانے کے لئے مدراسی فوج بھیجوں گا۔ پنڈت جی سے مل کر وفد شام کو لدھیانہ پہنچ گیا

سردار بلدیو سنگھ صاحب کا دوستانہ مشورہ

۳ ستمبر ۱۹۴۷ء کو سردار بلدیو سنگھ اور سردار عبدالرب نشتر وزرائے ہند و پاک سلامتی کے مشن پر لدھیانہ پہنچے۔ شہر کے ہندو سکھ اور مسلمانوں نے ان دونوں وزرائے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کی رہنمائی میں ملاقات کی۔ دونوں وزراء نے رئیس الاحرار کو اپنے ساتھ درمیان کی کرسی میں بٹھایا اور مجلس مشاورت کے صدر کی حیثیت سے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن نے فسادات کی روک تھام دونوں تجاویں میں ہندو مسلمان سکھوں کی سلامتی اور حفاظت کے لئے ہند و پاکستان کی گورنمنٹوں کی ذمہ داری قرار دی۔ مولانا صاحب نے اس مجلس میں فرمایا کہ تبادلۂ آبادی کا جو پروگرام انہوں نے عوام کے مشورے سے طے ہو گیا ہے۔ یہی فسادات کی بنیاد بن گیا ہے اگر دونوں گورنمنٹیں تبادلۂ آبادی کو منسوخ نہیں کرتیں تو فسادات کسی صورت میں نہیں رک سکتے۔

ان حضرات سے یہ گفتگو کوئی ایک گھنٹہ تک ہوتی رہی۔ گفتگو کے آخر میں سردار بلدیو سنگھ نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کو وفد سے علیحدہ ایک طرف لے جا کر یہ کہا کہ مولانا صاحب جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو گیا اور جو کچھ ہونا ہے اسے میں اور آپ نہیں روک سکتے۔ لیکن آپ کا جو یہ خیال ہے کہ آپ اور آپ کا تمام خاندان پاکستان کے بجائے کسی طرح یو۔پی چلا جائے تو میں اس کا آپ کو مشورہ نہیں دوں گا کیونکہ پنجاب سے یو۔پی تک کے حالات اس وقت اتنے خطرناک ہیں کہ کسی پر اعتماد نہ کیجئے گا۔ آپ پاکستان جا کر واپس ہوائی جہازوں سے یو۔پی لوٹ آئیے گا۔ اور آپ کے حق میں اب یہ بھی بہتر ہے کہ لدھیانہ میں۔۔۔۔۔۔ کسی بڑے قافلے کے آنے سے پہلے ہی لوگ ایک بڑے کیمپ میں منتقل ہو جائیں۔

اس وفد میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کے ساتھ حسب ذیل ہندو، سکھ شریک تھے

۱۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی	۲۔ مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی
۳۔ خواجہ محمد اعظم صاحب لدھیانوی	۴۔ خواجہ محمد یوسف صاحب لدھیانوی
۵۔ لالہ گرو داس رام صاحب صدر سٹی کانگریس	۶۔ لالہ بلونت رائے وکیل ممبر سٹی کانگریس
۷۔ بابو بچن سنگھ صاحب ممبر آل انڈیا کانگریس کمیٹی	۸۔ مولانا عبدالغنی ڈار ممبر آل انڈیا کانگریس کمیٹی
۹۔ لالہ سردار ی لال ممبر صدر سٹی کانگریس کمیٹی	۱۰۔ مفتی ضیاء الحسن صاحب۔

مقدمے ملاقات کے بعد جب یہ لوگ شہر کو واپس آئے تو شہر میں خوف و ہراس کی فضا پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئی۔ لالہ گرو داس رام بابو بچن سنگھ۔ لالہ بلونت رائے وکیل۔ لالہ سرداری لال جو کہ فسادات کو روکنے کے لیے ایمانداری اور جرأت سے کام کر رہے تھے۔ شہر کے فسادی عنصر ان لوگوں کے قتل کے درپے ہو گئے اور آخر بیچارے بابو بچن سنگھ کو خود مسلمانوں کے کہنے پر لدھیانہ چھوڑ کر دہلی آنا پڑا کیونکہ مسلمانوں سے زیادہ انکی جان محفوظ نہ تھی۔ انھوں نے جس خلوص سے مسلمانوں کی خدمت کی اور ہندو سکھ فسادی عنصر کا جس بہادری اور جرأت سے مقابلہ کیا اس سے انسانیت کا نام بلند ہوا اور بابو بچن سنگھ نے ایک ایسی تاریخ بنائی جس پر انسانیت جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔

ڈاکٹر گوپی چند کا سلوک

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے ہوئے تم دوست جسکے اسکا دشمن آسماں کیوں ہو؟

انھیں دنوں ڈاکٹر گوپی چند بحیثیت وزیر اعلیٰ پنجاب کے لدھیانہ تشریف لائے اور ایسٹ ہاؤس میں قیام کیا۔ ان سے بھی مذکورہ لوگوں پر مشتمل وفد ملا۔ ڈاکٹر گوپی چند جو ایک مدت سے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے دوست تھے انکی آنکھیں بدلیں کہ بات تک کرنا گوارہ نہ کی۔ وہ دوست کے بجائے اس وقت ایک متعصب وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے ملے پرانی دوستی اور انسانیت کے تمام رشتوں کو بالائے طاق رکھ کر وفد کو ایسٹ ہاؤس ہی میں چھوڑ کر اپنی موٹر میں بیٹھ کر چلے گئے۔ ایسٹ ہاؤس کے باہر ہزاروں رفیوجیوں کا مجمع تھا جو مسلح تھے اس مجمع کے سامنے وفد میں مسلمانوں کو دیکھ کر رفیوجیوں کا مجمع اور مشتعل ہو گیا جب رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن وفد ان کے ساتھ ایسٹ ہاؤس

سے باہر نکالا، ایک پولیس افسر نے جو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کی دل سے عزت کرتا تھا۔ طنزیہ یہ بات کہی ہے۔

"مولانا صاحب! دیکھ لیا آپ نے اپنے پرانے دوستوں سے نرالا عالی کا سلوک، کہ آپ لوگوں کو قتل کے میدان میں قتل ہونے کے لئے چھوڑ کر چل دیئے۔ اب ہم جیسے سرکاری افسروں کا ایمان بھی آزما لیجئے۔ ہم آپ کو گھر تک سلامتی کے ساتھ چھوڑ کر آئیں گے مولانا صاحب نے اس پر کہا کہ ہاں بھائی ایمان تو میدان جنگ اور میدان قتل میں ہی آزمایا جاتا ہے۔"

مولانا عبدالغنی ڈار ممبر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی تلاش

لدھیانہ شہر میں لدھیانہ کا کانگریسی فسادی عنصر جنگ سنگھی، مہاسبھائی اور ایسے تمام سرکاری افسر جو کہ مولانا عبدالغنی کی حق گوئی اور بیباکی سے ناراض تھے وہ سب لوگ مولانا عبدالغنی کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ یہ اگر کہیں مل جائیں تو لدھیانہ میں انہیں سب سے پہلے قتل کر کے قتل کا آغاز کیا جائے لیکن مولانا عبدالغنی اپنے نیک دل ہندو سکھ مسلمان ساتھیوں کی مدد سے بچے رہے اور جب کوئی چارہ کار ان کے بچانے کا نظر نہ آیا تو پاکستانی فوج کے ایک ٹرک میں انہیں سوار کر کے لاہور بھیج دیا گیا۔ ۵ ستمبر کو مولانا عبدالغنی ڈار کی شکل و شباہت کا ایک مسلمان شہید کیا گیا اس کی شہادت پر لدھیانہ کے ملکی اخباروں نے یہ خبریں شائع کیں کہ مولانا عبدالغنی کو قتل کر کے ہمیشہ کیلئے راستہ صاف کر دیا گیا ہے۔ لدھیانہ کے فسادی کانگریسیوں نے شہر کے ایک جلسے میں بڑی خوشی سے اعلانات کئے کہ مولانا عبدالغنی کو ٹھکانے لگا کر ہمیشہ کے لئے راستے صاف کر دیئے گئے اس طرح آزادی ہند کے ایک بہادر سپاہی اور کانگریس کے پرانے رکن کے ساتھ سلوک کیا جا رہا تھا۔

مولانا عبدالغنی ڈار کے خطوط

فسادات پنجاب کے سلسلے میں مولانا عبدالغنی ڈار نے مولانا آزاد، گاندھی جی، اور پنڈت جواہر لال نہرو کو حسب ذیل خطوط لکھے جو اس وقت کے حالات کا صحیح جائزہ ہے اور تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مہاتما جی بصد احترام

وصیہ ہوا ایک خط بھیجا تھا جواب نہ ملا۔ آپ کی گوناگوں مصروفیتوں کے [illegible]
[illegible] تاریخ میں سب سے بڑا جرم ہوگا لہٰذا آپ کو یاد کرا رہا ہوں۔

۱۔ ملک خضر حیات مستعفی ہوئے کولیشن منسٹری اپنی موت آپ مر گئی۔ گورنر نے مسلم لیگ کو منسٹری بنانے کی دعوت دی۔ اس پر اکالی لیڈر ماسٹر تارا سنگھ تو اسمبلی کے چیمبر ہی میں آپے سے باہر ہو گئے۔ ڈاکٹر گوپی چند نے شام کو دماغی توازن کھو دیا۔ اور مورخہ ۳ ستمبر ۴۷ء کی کولیشن پارٹی کی میٹنگ میں جو سپیکر صاحب کے مکان پر ہوئی۔ ان الفاظ سے اس میٹنگ کا افتتاح کیا کہ ہندو اور سکھ مل کر مسلم لیگ منسٹری نہیں بننے دیں گے۔ ہم کھلم کھلا مظاہرہ کریں گے ان مظاہروں میں فرقہ دارانہ تصادم بھی ہو جائے تو ہم پرواہ نہیں کریں گے۔

میں نے اس موقعہ پر ڈاکٹر صاحب اور تمام کانگرسی ممبروں کو چتاونی دی کہ دماغی توازن کھو کر صوبہ کے امن کو برباد نہ کیجئے۔ جوش میں اپنے سدھانتوں کو اپنے ہاتھوں ختم نہ کیجئے۔ کانگریس کو ہندو سکھ محاذ میں بدل کر قوم پرست کانگریسی احراری یا جمعیۃ العلماء ہند کے ماننے والے مسلمانوں کی جو کانگریس کے ساتھی ہیں اور متحدہ ہندوستان کے حامی ان کی پوزیشن تباہ نہ کیجئے لیکن میری کمزور آواز ڈاکٹر صاحب اور ان کے ساتھیوں کے دلوں میں جگہ نہ پاسکی۔ جتندر بیر سنگھ ایم۔ ایل۔ اے بابو کچن سنگھ ایم۔ ایل۔ اے۔ بی۔ بی شنو دیوی۔ ایم۔ ایل۔ اے۔ لالہ کیدار ناتھ سہگل۔ اور مولانا تالیسین نے بھی دردمندانہ اپیل کی جو اکارت گئی۔

۲۔ ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی نے اس نازک سوال پر بغیر صوبہ کانگریس یا کانگریس ہائی کمانڈ کا مشورہ لئے یا ان کی چھی تلی رائے جانے بغیر پبلک میٹنگ کا اعلان کر دیا۔ ہم نے ڈاکٹر لہنا سنگھ جنرل سکرٹیری صوبہ کانگریس اور ذمہ دار احباب سے درخواست کی کہ وہ فی الحال جلسہ ملتوی کر دیں۔ جب کانگریس اپنی رائے اور پروگرام طے کر لے تو اس رائے کی اشاعت اور پروگرام کی تکمیل کے لئے جلسے کئے جائیں ہماری کسی نے نہ سنی۔ ہاں اتنا یقین دلایا کہ جلسہ میں صرف دو تین ذمہ دار اصحاب موجودہ صورت حالات کی وضاحت کریں گے لیکن جلسہ میں آگ برسائی گئی۔

ڈائرکٹ ایکشن کا فیصلہ سنایا گیا۔ سنگ اور کالال دل نے اپنی فرقہ دارانہ ذہنیت کے مظاہرے کے لئے کانگریس کے پنج اور کانگریس کے سہ رنگے کو استعمال کیا اور مسلم لیگ کو مٹا دینے کا نعرہ لگایا۔ مجمع آگ بگولا ہو گیا اور صوبے کے امن کی بربادی کے سامان ہو گئے۔ مجھے رات بھر نیند نہ آئی میں سوچتا تھا کہ ہم تشدد کی پیاس کانگریس کے جھنڈے [illegible]

[illegible]

کے مخصب جذبات میں اشتعال اور سنگینی مسلمانان پنجاب کے خلاف من حیث القوم کیوں قائم ہو رہا ہے حالانکہ ان میں خاصہ طبقہ موجود ہے جو متحدہ ہندوستان کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ جب پنجاب اور پنجاب کانگریس کی ہونے والی تباہی کے خلاف آواز بلند کرنا اپنا فرض سمجھا اور عملی قدم تین چٹھیاں ڈاکٹر سیف الدین کچلو صدر، ڈاکٹر گوپی چند سنگھ جنرل سکریٹری اور مولانا ہیم سین سچر لیڈر کانگریس اسمبلی پارٹی کو لکھیں وہ خاموش رہے اور اس کا اثر یہ ہوا کہ کونسل آف ایکشن بن گئی جب کانگریسی ہی عدم تشدد...... اور اپنا بھی پریم محبت کو بھول جائیں تو نتیجہ جو ہونا چاہئے تھا ہو کر رہا۔ پنجاب میں ایسی تباہی ہوئی کہ ہزاروں مر گئے زخمیوں کا کوئی شمار نہیں۔ کروڑوں روپئے کی جائداد نذر آتش ہو گئی۔ یہی کانگریس ہائی کمانڈ سے فریاد کی لیکن میری وہاں بھی کوئی سنوائی نہیں ہوئی بلکہ اب ورکنگ کمیٹی نے جو تجویز پنجاب کے بارے میں پاس کی ہے وہ آگ پر پٹرول ڈالنے کے مترادف ہے۔

لدھیانہ میں ۱۲ ,, کو پندرہ ہزار ہندوؤں اور سکھوں کا مسلح جلوس نکلا ہے ہر ہاتھ میں خوفناک ہتھیار تھا جلوس کی رہنمائی کرنے والوں میں کانگریسی نشانوں کا کانگریس کا جھنڈا تھا صبح کانگریس مسلم لیگ اور مجلس احرار نے باہمی تعاون سے عوام پر قابو پا لیا اور لدھیانہ کو تباہی سے بچا لیا سب سے مایوس ہو کر آپ کو یاد کیا ہے آپ رہنمائی کیجئے۔ آپ کا۔ عبدالغنی ڈار ممبر آل انڈیا کانگریس کمیٹی لدھیانہ

حضرت مولانا سلام مسنون!

میرے مفصل عریضہ کے جواب میں بھائی اجمل خاں صاحب کا ملفوف ملا جو جناب کے ارشاد کے مطابق انہوں نے لکھا ہے انتہائی مایوس ہوں کہ اس میں میری پیاس بجھانے کے لئے چند قطرے بھی موجود نہیں، کانگریس کے جھنڈے تلے ذمہ دار کانگریسیوں کے ایما پر پنجاب تباہ و برباد ہو رہا ہو۔ ہندو اور سکھ کانگریس کے نام پر کالی کمان کے نیچے پنجابی مسلمانوں کے خلاف من حیث القوم متحد ہو کر اینٹی پاکستان کے نام پر مسلح ہو کر حملہ آور ہو رہے ہوں ایسے حالات میں آپ کے مد دانے سے رہنمائی کی بھیک نہ لے کتنے دکھ کا مقام ہے۔ حضرت والا! میری آنکھیں دیکھ رہی ہے کہ پنجاب میں ہونے والی تباہی کو کالی اور دھارکی یاد بھلا دے گی اس وقت ہزاروں جانیں ضائع ہو چکی ہیں کروڑوں روپئے کا نقصان ہو چکا ہے۔ مجروحین کا ٹھکانہ نہیں لاکھ کے قریب مظلوم

بے گھر و بے در ہو چکے ہیں اور اب یہ بیماری متعدی مرض کی طرح دیہات میں پھیل رہی ہے۔ یہ سب کچھ میجر صاحب ڈاکٹر گوپی چند چودھری ہری سنگھ کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ صوبہ کانگریس خاموش ہے کرپلانی جی اور آچاریہ جگل کشور خاموش ہیں آپ نے توقف کے بعد فرمایا ہے۔ یہ سب ہو سکتا ہے کہ صحیح ہو لیکن میں یہ عرض کئے بغیر نہ رہوں گا کہ آپ کی خاموشی صوبہ اور آل انڈیا کی خاموشی پنجاب کے لئے قبر ہی ثابت ہو گی۔

آج ہی کا واقعہ ہے کہ سردار جگل سنگھ ایم۔ ایل اے کی راہنمائی میں دیہاتی اور شہری پندرہ ہزار مسلح سکھوں اور ہندوؤں کا اجتماع ہوا اور جلوس نکلا ہر جلوس والے کے ہاتھ میں بھالے۔ برچھے۔ ٹکولے۔ نیزے۔ چھریاں۔ ہاکیاں اور لاٹھیاں تھیں۔ یہ جلوس مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیزی کرنے میں اپنی مثال آپ تھا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مسلم لیگ اور مجلس احرار اور رسمی کانگریس کے باہمی تعاون سے مسلم عوام پر قابو پا لیا گیا اور لدھیانہ شہر تباہ ہونے سے بچ گیا۔ کانگریس کے جھنڈے لئے ہوئے ذمہ دار کانگریسی دوست جلوس کی زینت تھے، ان حالات میں ہر مخلص کانگریسی اور ہر کانگریس کمیٹی کیا رویہ اختیار کرے۔ خدا کے لئے راہنمائی فرمائیے۔

روزنامہ ٹریبیون کا ایک کٹنگ بھیج رہا ہوں جس میں شری ولبھ بھائی پٹیل کی اس تحریک کے متعلق رضامندی کا چرچا ہے۔

۵ مارچ کو مسلم قوم پروروں کے اجتماع میں شرکت کی غرض سے دہلی پہنچ رہا ہوں شرف ملاقات ہوا تو تفصیلی معروضات پیش کروں گا۔ والسلام۔

خادم

عبدالغنی ڈار لدھیانہ ۱۱ ۳/۴۷

بخدمت پنڈت جواہر لال نہرو!

آپ کی نیک کوششوں کے لئے ہر انسان نیک جذبات و احساسات رکھتا ہے لیکن حالات کی پیچیدگی اور وحشت و بربریت کی انتہا اس درجہ خوفناک ہے کہ اس میں تبدیلی لانے کے لئے کہیں زیادہ سرگرمی اور عمل درکار ہے۔ مہاتما جی آپ۔ مولانا آزاد۔ راجہ غضنفر علی۔ نواب زادہ لیاقت علی۔ مسٹر سہروردی کی آرزوئیں بھی پوری ہو سکتی ہیں جب مشرقی اور مغربی پنجاب میں حقیقی امن ہو۔ قانون اور ضبط کا دور دورہ ہو آپ ایک طرف دہلی کا لیا بیٹھے ہیں تو ادھر بھوکے اکالیوں اور سیاستوں کے حیوان صفت سپاہی ہیں نے

بے گناہ اور نہتے مسلمانوں کا قتل شروع کر دیا ہے۔ پتہ چلا ہے کہ پٹیالہ کے تسلیم شدہ گورنمنٹ ریفیوجی کیمپ پر حملہ کر دیا گیا ہے۔ دنیا میں شاید اس قسم کی مثال ملنی مشکل ہو کہ کانگریس جس نے ہمیشہ جمہوریت اور متحدہ قومیت کا راگ الاپا ہے اس کی حکومت میں اکالیوں کی اس قدر غنڈہ گردی کیونکر برداشت کی جا سکتی ہے اگر اس غنڈہ گردی کا تدارک نہ کیا گیا تو یقیناً انڈین گورنمنٹ دنیا میں اس قدر بدنام ہوگی کہ جس کے لئے شاید ہم زندگی بھر ماتم کرتے رہیں گے۔

واقعات کی رفتار اور تازہ اطلاعات کے پیش نظر ہم مستقبل قریب میں اکالیوں اور سکھ ریاستوں میں سے ایک اور بیہودگی کی امید کر رہے ہیں کہ وہ ننکانہ صاحب کے نام پر بیوقوف عوام کو مذہبی جنگ کیلئے ابھاریں گے اگر ایسی صورت ہوئی تو یہ پہلے سے کہیں زیادہ خوفناک ہوگی۔ اور اس کا نتیجہ دونوں مملکتوں کے لئے تباہ کن ہوگا۔ اس بیہودگی کو ہر قیمت پر چیک کرنا چاہیئے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب باڈر پر آپ کی وفادار فوج ہو تو ممکن ہے کہ وہ اکالیوں کو دبا سکے۔ سکھ اور ڈوگرہ فوج تو آپ کے بس کی رہی نہیں۔

ہماری رائے میں مشرقی اور مغربی پنجاب کی وزارتوں میں اقلیتوں کے نمائندے فوراً لئے جائیں اور جو ایگزیکٹو آفیسر اور جو پولیس جولائی ۱۹۴۷ء میں تھی اس کو پھر سے اپنی اپنی جگہ لگایا جائے۔ مفسد لوگوں اور ریاستوں کی سرکوبی کی جائے اور مصیبت زدہ اور تباہ حال عوام کی دادرسی ہو اور حکومتیں ان کی ہر ممکن امداد کریں۔ ایسی صورت میں آہستہ آہستہ مہاجرین پھر سے اپنے اپنے گھروں میں آباد ہونے شروع ہو جائیں گے۔ اور یقین کیا جاتا ہے کہ پھر سے ہم امن اور چین کی زندگی سے دوچار ہوں گے۔

سردار پٹیل کی امرتسر والی تقریر نے ہیجان پیدا کر دیا ہے۔ تین ماہ کی عارضی صلح کے نعرے اور اس تقریر کے لب ولہجے نے سردار صاحب کے دل و دماغ کو دنیا کے سامنے مزید ننگا کر دیا ہے ایسا دکھائی پڑتا ہے کہ وہ آپ کی نیک کوششوں کو ناکام بنانا چاہتے ہیں۔ یہ انتہائی بدنصیبی ہے۔ پنجاب کی وزارت میں اکالیوں کا غلبہ ہے یہ مزید بدنصیبی ہے۔ براہِ کرم ان دونوں نکات پر توجہ دیجئے اور ان میں اصلاح کی ہر ممکن سعی فرمائیے۔

قوم پرست مسلمانوں سے جو زیادتی پنجاب سرکار نے کی ہے وہ انتہائی شرمناک ہے اور ان کے بارے میں جو بے نیازی آپ نے اختیار کی ہے وہ انتہائی افسوسناک ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ اس مسئلہ کی بحیث

کا احساس کریں اور ان کے ساتھ کی گئی زیادتی کا فوری تدارک کریں۔ پاکستان نے انھیں پناہ دے کر اپنی فراخدلی کا ثبوت دیا ہے ہم ممنون ہوں گے کہ اگر آپ ہمیں مستقبل قریب میں ملنے کا موقع دیں۔

ہماری دعائیں آپ کی نیک کوششوں کے ساتھ ہیں۔ عبدالغنی ڈار۔ لاہور۔ $\frac{۱۱}{۴۷}$ ۵

حضرت مولانا سلام مسنون!

یاد آوری کے لئے شکریہ۔ تار کا جواب بھیج دیا تھا۔ امید ہے کہ مل گیا ہوگا۔ حالات کی نزاکت اور مسائل حاضرہ کی پیچیدگیاں اس بات کی متقاضی ہیں کہ میں حاضر ہو کر مفصل عرض کروں۔

۱۔ چار کروڑ مسلمانوں کی زندگی کانگریس حکومت میں محفوظ نہیں اور یہ ایسا مسئلہ نہیں جس پر کانگریس خاموش رہے اور اپنی پالیسی کا کھلے بندوں اظہار نہ کرے۔

۲۔ مشرقی پنجاب کے تباہ حال مسلمانوں کی دردبھری کہانی ایسی نہیں جس کا میں جناب کے پاس تذکرہ کروں

۳۔ سردار پٹیل اور اسی قسم کے دوسرے راہنماؤں کے بیانات کانگریس کے دعاوی کے منافی ہیں اور ایسے بیانات حد سے گذری ہوئی دیوانگی اور وحشت میں اضافہ کا باعث ہوتے ہیں۔

۴۔ لدھیانہ کے قریباً ۹۰ فی صدی مسلمانوں نے گذشتہ انتخابات میں لیگ کے امیدوار کے خلاف ووٹ دیئے اور اسی طرح باقی سارے پنجاب میں ہزارہا بندگان خدا نے ایسا کیا۔ انھیں زبردستی نکالا گیا اور کانگریس حکومت کے نمائندگان نے ان کی آبادی کا تبادلہ تسلیم کر کے ان سے کانگریس حکومت نے بے وفائی کی اس مسئلہ کا فوری تدارک ہونا چاہیئے ورنہ وہ بیچارے بہت بری طرح پس جائیں گے۔

۵۔ جہاں دونوں حکومتوں نے مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب کی آبادیوں کا تبادلہ مان لیا تو پھر مشترکہ وزارتوں والی جناب کی تجویز قابل عمل کیونکر ہو سکتی ہے۔

۶۔ پیشتر اس کے کہ باقی ہندوستان میں بھی بے گناہ مسلمان شہید کئے جائیں صوبائی وزارتوں کو ہر ممکن اقدام کرنا چاہیئے ——— میں آپ سے ملنے کے لئے آنا چاہتا ہوں۔

۷۔ مشرقی اور مغربی پنجاب کے تبادلہ آبادی کے فیصلہ پر اگر عمل کیا گیا اور دونوں طرف [illegible] کی [illegible]

۲۔ اکالیوں اور ہندوؤں نے جو گٹھ جوڑ کر رکھا ہے اور جس کا نتیجہ نہ صرف مسلمان بلکہ سارے ملک کے لئے انتہائی پریشانیوں کا باعث ہے۔ خصوصاً یہ کانگریسی حکومت کی جگہ سکھا شاہی اور منگل کا راج قائم کرنے کے لئے کانگریس کے ضدی، خود غرض اور نا عاقبت اندیش لیڈروں کے اشارہ پر کیا گیا ہے اس کے خلاف مؤثر کاروائی کروائی جائے۔

۳۔ کانگریسی اور قوم پرست مسلمانوں کے لئے باعزت زندگی بسر کرنے کے مواقع مہیا کئے جائیں اور ان کی ہر جائز امداد کی جائے تاکہ وہ پاکستان پر بوجھ نہ بنیں۔ ان کا مشرقی پنجاب کی حکومت کے ہر شعبے میں حصہ ہو۔ تاکہ پہلے کی طرح وہ ایک ہی سوراخ سے دوبارہ نہ ڈسے جائیں۔

۴۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس بلوائیے تاکہ دنیا کو پتہ چلے کہ کانگریس اپنے دعاوی میں کس حد تک سچی ہے ــــ باقی عندالملاقات والسلام۔ خادم:۔ عبدالغنی ڈار۔ ۱۵ $\frac{10}{47}$

گھر چھوٹ گیا!

لدھیانہ میں بڑھتے ہوئے خوف و ہراس کو دیکھ کر رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے مشترکہ فوجوں کے انگریز کمانڈر سے مل کر شہر کے ایک محلہ میں جو ریلوے لائن کے قریب تھا اس میں مسلمانان لدھیانہ کے لئے کیمپ بنانے کا اعلان کر دیا۔ ان خوفناک حالات میں یہ ایک سب سے بڑی امداد تھی جو لدھیانہ کے مسلمان شہریوں کے لئے رئیس الاحرار نے حاصل کی۔ مسلم کیمپ ۶ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو بنا۔ اور ۷ر ستمبر ۱۹۴۷ء سے ٹرینوں کے ذریعے لوگ لدھیانہ سے لاہور جانے لگے۔

لدھیانہ شہر میں قتل و غارت گری کے واقعات اچانک حملے محلہ عبداللہ پور۔ اور محلہ فیلڈ گنج پر ہوئے تھے۔ اس کے بعد کوئی چارہ کار نہ تھا کہ شہر کے لوگوں کی حفاظت شہر ہی کی جا سکے۔ سٹی کانگریس کے وہ ہندو راہنما جو فسادات کو روکنا چاہتے تھے ان کی زندگیاں خود خطرے میں آ گئیں۔ ان کے علاوہ صرف ایک بہادر لڑکی جس کا نام پربھا تھا وہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کے مکان پر آئی اور اس نے ہر قسم کی امداد دینے کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ یہ لڑکی ڈاکٹر متر سنگھ سرکاری سول ہاؤس پٹیل کے ڈاکٹر کی صاحبزادی تھی۔ اس خاندان سے مولانا حبیب الرحمٰن کے بچوں کے گھریلو دوستانہ تعلقات تھے۔ پربھا کی دلیری و جرأت

کو دیکھ کر یہ اطمینان ہوتا تھا کہ ابھی انسانیت کسی نہ کسی روپ میں زندہ ضرور ہے۔ پرتبھا کے بار بار اصرار پر مولانا
حبیب الرحمٰن کے سیاسی خطوط کی فائلیں بوریوں میں بند کر کے اس کے سپرد کر دی گئیں کہ اگر ہم لوگ پاکستان سے
ہو کر دلی پہنچ گئے تو دہلی میں یہ امانت واپس بھیج دینا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب رئیس الاحرار اور ان کا خاندان
براستہ پاکستان دہلی پہنچا تو پرتبھا نے یہ امانت دہلی میں واپس کر دی۔ اس تمام کتاب میں جن خطوط کے حوالے
دیئے گئے ہیں ان تمام خطوط کی حفاظت کا سہرا بہن پرتبھا کے سر ہے۔ بہن پرتبھا سے اب اس قدر گہرے
تعلقات ہو گئے ہیں جو عزیز رشتہ داروں سے بھی بڑھ کر ہیں۔

دہلوی زندگی کا آغاز

دہلی میں قبلہ والد صاحب اور سب بھائیوں کے سامنے روزی روزگار کا سوال تھا۔ ہم سب بھائیوں نے
ارادہ کر لیا کہ جلد سے جلد کسی نہ کسی کام کو شروع کرنا چاہیئے۔ راقم الحروف کو محترم اُستاد شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم نے
احاطہ حبیب کے تعلیمی مرکز جامعہ کا نگران و مہتمم بنا دیا۔ مولانا خلیل الرحمٰن صاحب نے امروہہ کے ایک صاحب کے ساتھ چمڑے
میں کارخانے کا کام شروع کیا۔ عزیزم محمد طیب نے کپڑوں کی دھلائی کی فیکٹری قائم کی۔ عزیزم محمد اظہر صاحب نے
دوکانداری۔ غرضکہ ہم سب بھائیوں کی کوشش سے جیسے تیسے کوئی نہ کوئی کام مل گیا۔ اس طرح نئے سرے سے دہلی میں خاندان
حبیب کی زندگی کا آغاز شروع ہوا۔۔۔

مکان کا مسئلہ بھی دہلی میں بڑا اہم تھا۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کرایہ پر میر احمد حسین صاحب شملہ والوں کے مکانات
مل گئے۔ لیکن مکانات اس قدر خراب خستہ تھے جنہیں درست کرنے کرتے برس ہا برس لگ گئے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے
ہزاروں روپے خرچ کر کے تمام فرش بنائے۔ دیواروں پر نیا پلاسٹر کر دیا۔ بقول مفتی عتیق الرحمٰن صاحب مکان تو اب
ایسے ہو گئے ہیں کہ خود بولنے لگے ہیں۔ مکانوں کا کرایہ پہلے میر احمد حسین صاحب کو دیتے رہے پھر کسٹوڈین کو۔
والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خیال تھا کہ محکمہ کسٹوڈین سے یہ مکان میں بچوں کیلئے خرید لوں گا مگر وہ خریدنے سے
پہلے ہی دار فانی کو تشریف لے گئے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد میر احمد حسین صاحب نے مکانات خود خرید لئے ہیں۔ ایسا ملک کا
[illegible] کے زمانے میں [illegible] سلوک میر احمد حسین صاحب کا [illegible]

؏ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے!

کوثر و آفتاب

قیام دہلی کے زمانے میں رئیس الاحرار کے دوستوں میں محترم حاجی محمد فاروق صاحب آہن کلاتھ والے دوستی اور عقیدت مندی کا پورا حق ادا کرتے رہے۔ حاجی صاحب قبلہ سے گزشتہ تیس پینتیس سال سے تعلقات تھے اس دوران میں بیسیوں سیاسی انقلابات ملک میں آئے اور ختم ہو گئے۔ سینکڑوں دوست احباب سیاسی نظریات کے اختلاف و اتحاد کی وجہ سے کبھی دوست ہو گئے کبھی دشمن لیکن حاجی محمد فاروق صاحب کی عقیدت مندی دوستی اور وضعداری میں کبھی فرق نہیں آیا۔

عقیدت مندوں میں بھائی عبدالحکیم صاحب دہلوی چائے والے ۱۹۴۸ء میں رئیس الاحرار کے ساتھ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر سفر میں رہے۔ بھائی محمد یامین صاحب امروہوی ٹیلر ماسٹر نے رئیس الاحرار کی خدمت گذاری میں دن رات ایک کر دیئے۔ ان چند آدمیوں کی دوستی خدمتگذاری اور عقیدت مندی سے جو آرام و راحت آخری زندگی میں پہنچا وہ اس کا بار بار تذکرہ فرماتے رہے لیکن خوشی کے ساتھ غم اور راحت کے ساتھ تکلیف بھی انسانی زندگی کے ان مٹ نقوش ہیں

حکیم آفتاب احمد صاحب امروہوی اور شاعر انقلاب کوثر امروہوی رئیس الاحرار کیلئے اپنی حقیقی اولاد کی طرح تھے۔ دونوں کی زندگی کے پندرہ بیس سال احرار اور کانگریس کی انقلابی تحریکوں میں گزرے۔ اور آخرکار مسلسل کام کرتے کرتے انکی صحت جواب دے گئی حکیم آفتاب احمد صاحب کا انتقال دق کے موذی مرض میں ہوا۔ اور کوثر صاحب کو دل کی بیماری کے دورے اس دنیا سے لے گئے۔

رئیس الاحرار کیلئے ان دونوں عزیز نوجوانوں کی جدائی حسرت غم و الم کا ایک ایسا اثر چھوڑ گئی جو غم زندگی بن کر رہ گیا۔ وہ ان دونوں مرحوم نوجوانوں کی موت کا بار بار تذکرہ کرتے اور فرماتے کہ کیا پتہ تھا کہ وہ مجھ سے پہلے ہی چل بسیں گے کوثر کے انتقال کے بعد اخبار پرواز میں شائع کوثر کی تعزیت کے نیچے کوثر مرحوم ہی کا ایک شعر تحریر تھا جسے رئیس الاحرار بار بار پڑھتے اور فرماتے کہ کوثر نے جو کچھ کہا وہ بہت ہی سچ ہے شعر یہ تھا

ابھی کیا ہے مجھے [illegible] ایک دن کا زوال ہونا ہے
کہ مر جانے پہ قدر آدمی معلوم ہوتی ہے

• جیب گاندھی گفتگو

کے بعد

• گاندھی جی نے برت کا اعلان کردیا

دِلّی میں حبیب گاندھی گفتگو

۱۱ جنوری ۱۹۴۸ء کو دہلی پہنچ کر رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی گاندھی جی سے ملے دہلی اور پنجاب میں فسادات زوروں پر تھے لاکھوں کی تعداد میں ہندو سکھ مسلمان بے گناہ قتل کئے جا رہے تھے اس قتل عام پر گاندھی جی سے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن نے کہا۔

"مہاتما جی۔ دلی سے لے کر پشاور تک قتل عام ہو رہا ہے یہ تمام قتل عام انگریز نے آپ کے خلاف منظم کیا ہے آپ کے ستیہ گرہ عمل اور عدم تشدد کے نظریئے کو شکست دینے کیلئے انگریز نے آپ پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ سیاسی طاقت گاندھی جی کے ہاتھ میں نہیں بلکہ انگریز کے ہاتھ میں ہے۔ انگریز نے ایک ایک کر کے آپ کے ساتھی آپ سے علیحدہ کر دیئے سوائے پنڈت جواہر لال کے اب آپ کا کوئی حکم ماننے والا نہیں۔

آپ کو یاد ہو گا۔ آپ نے ۱۹۴۰ء میں مجھ سے فرمایا تھا کہ تم نے مسلمانوں میں کام نہیں کیا اس لئے عام مسلمان آپ کے ساتھ نہیں۔ اب فرمایئے کہ آپ نے ہندوؤں میں ساری عمر کام نہیں کیا اب عام ہندو تو کیا بقول آپ کے سردار پٹیل بھی آپ کے ساتھ نہیں اور آپ پر پاکستان کی حمایت کرنے کا الزام لگا رہا ہے بات دراصل یہ ہے کہ گذشتہ پچاس سال انگریز کی پالیسی یہ رہی کہ عام اور خواص مسلمان آزاد خیال مسلمانوں کا ساتھ نہ دیں۔ اور ماؤنٹ بیٹن نے آکر یہ پالیسی بنائی کہ ایک ایک ہندو کو گاندھی جی سے باغی کر دیا جائے تو ماؤنٹ بیٹن اپنی پالیسی میں کامیاب ہے۔ اور مہاتما جی آپ بے بس اور بے کس ہو کر رہ گئے ہیں۔ میں موجودہ سیاست کو اس طرح سمجھتا ہوں کہ مسلم لیگ نے تو کانگریس سے شکست کھائی کہ وہ تقسیم پنجاب اور بنگال کو قبول کرنے پر راضی ہوئے اور کانگریس ہائی کمانڈ نے ماؤنٹ بیٹن سے شکست کھائی کہ وہ ملک کی تقسیم پر راضی ہو گیا اس لئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ چرچل نے مہاتما جی کو شکست دیدی اس لئے میرا دل چاہتا ہے کہ آپ مجھے پاسپورٹ دلا دیں تا کہ میں لندن جا کر چرچل کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈال کر یہ کہوں کہ "تم جیتے اور ہم ہارے"

مولانا کی گفتگو کا آخری جملہ سن کر مہاتما جی آبدیدہ ہو گئے اور کہنے لگے مولانا صاحب میں اپنے ساتھیوں سے کہتا ہوں اور خاص کر سردار سے کہتا ہوں کہ یا تو پاکستان بنانا نہیں تھا اگر بنایا ہے تو اسے چلاؤ۔ پاکستان کو اس کے حصے کا روپیہ بھی دو۔ اور قرضہ بھی دو۔ سردار میری اس بات پر مجھ سے خفا ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ پاکستان کی

حمایت کر رہا ہوں۔ میں ہندوستان کی غلامی کو سمندر کی لہروں میں دیکھتا ہوں۔ مولانا صاحب آپ یقین رکھیے میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اپنی جان دے کر انگریزی سیاست کو شکست دوں گا۔ قتل و غارت گری کا طوفان رکے گا اور ضرور رکے گا۔ ایسا ہو نہیں سکتا ہے۔ مولانا صاحب میں کل سے برت شروع کروں گا یا تو میرے ساتھیوں کو اور سردار کو میری بات ماننی ہوگی یا میری زندگی سے لوگوں کو ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ مولانا صاحب اگر میں سچا ہوں تو ضرور میں کامیاب ہوں گا اور عدم تشدد بھی کامیاب ہوگا گورنمنٹ کو بھی اور تشدد پسندوں کو تشدد چھوڑنا پڑے گا۔

مولانا صاحب آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حرف بحرف ٹھیک ہے۔ میں بھی یہی کچھ سمجھتا ہوں جو آپ سمجھتے ہیں مگر اس سیاست کو تو بدلنا ہی ہوگا اور مجھے اس کے بدلنے میں ضرور کامیابی ہوگی۔

رئیس الاحرار کی مہاتما گاندھی سے یہ گفتگو کوئی ایک گھنٹہ تک جاری رہی ۱۲ جنوری ۱۹۴۸ء کو مہاتما جی نے شام کو اپنی پرارتھنا سبھا میں اپنے برت رکھنے کا اعلان ان الفاظ میں پڑھ کر سنایا

ایک شخص صحت کی خاطر طبی اصولوں کے تحت برت رکھتا ہے یا ایک شخص اپنی کسی غلط کاری کی اصلاح کی خاطر برت رکھتا ہے اس قسم کے برت میں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ برت رکھنے والا اہنسا کا بھی قائل ہو۔ لیکن برت کی ایک اور قسم ہے جو اہنسا پر یقین رکھنے والا رکھتا ہے اور یہ برت اس وقت رکھا جاتا ہے کہ جب اہنسا کا قائل سوسائٹی کی کسی غلطی کے خلاف آواز بلند کرنا چاہتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ سوائے برت کے اس کے پاس اور کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے۔ ایسا برت اسکے ارادے پر نہیں ہوتا بلکہ ایک اندرونی آواز ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

ایسا ہی ایک موقع میرے لئے آگیا ہے۔ ۹ ستمبر کو میں کلکتہ سے دہلی آیا۔ میں نے مغربی پنجاب جانے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ لیکن میں نہیں جا سکا۔ دہلی کا شہر مُردوں کی سرزمین معلوم ہوتا ہے۔ جب میں ٹرین سے اترا تو میں نے ہر چہرہ پر اداسی اور مایوسی دیکھی حتیٰ کہ سردار[1] جو ہمیشہ خوش رہتے ہیں جن کی خوش طبعیاں دوسروں کو مسرور کرتی رہتی ہیں مغموم نظر آتے ہیں۔ اس کا سبب مجھے معلوم نہیں تھا۔ علاوہ

---

[1] مرکز میں سردار پٹیل ہوم منسٹر

پہلے تمام ہمدرد استقبال کیلئے آئے تھے۔ انہوں نے تو مجھے خدمت کی اور چاہا کہ کہاں سے [illegible]
نے مجھ سے بھی شکایت کی کہ مجھے دہلی میں رہنا چاہیئے اور کچھ کرنا یا مر جانا چاہیئے۔

پولیس اور فوج کے فوری اقدام سے حالات میں سکون تو پیدا ہو گیا لیکن یہ محض ظاہری تھا کیونکہ دلوں میں طوفان تڑپ رہے ہیں جو کسی وقت بھی پھوٹ سکتے ہیں۔ ایسی صورت حال کے معنی یہ ہیں کہ میں نے جو کچھ کرنے کا عہد کیا تھا اس کو پورا نہیں کر سکا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہندو سکھ اور مسلمان میں دوستانہ تعلقات پیدا ہوں۔ کل ہی کی بات ہے کہ ان میں دوستانہ تعلقات موجود تھے لیکن آج ان کا کوئی شخص بھی موجود نہیں۔ ایسی صورت حال کو کوئی سچا محب وطن برداشت نہیں کر سکتا۔ اگرچہ اندرونی آواز تو اکثر مجھے اکساتی رہی لیکن اس سے گریز اس لئے کرتا رہا کہ کہیں یہ شیطان کی آواز نہ ہو اور میری کمزوری کا باعث نہ بن جائے۔ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں یہ محسوس کروں کہ میں بے بس ہو گیا اور میرے تمام ذرائع ختم ہو گئے کیونکہ ایک ستیا گرہی کبھی لاچار اور بے بس نہیں ہوتا۔ تلوار اور طاقت کے بجائے برت آخری طریق کار ہے جو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ روزانہ مسلمان دوست مجھ سے ملتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ میں ان کو کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ عرصے سے میں اپنی کمزوری اور لاچاری کو محسوس کر رہا ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ جوں ہی برت میں شروع کروں گا یہ کمزوری اور احساس لاچاری جاتا رہے گا۔ گذشتہ تین دن سے میں اس پر غور کر رہا ہوں۔ میں نے آخری فیصلہ کر لیا لیکن یہ فیصلہ یکا یک مجھ پر ظاہر ہوا اور میں خوش ہوں۔ ایک نیک اور ایماندار شخص کے پاس جان ہی سب سے زیادہ قیمتی چیز ہوتی ہے جس کو وہ کسی مقصد کے لئے دے سکتا ہے۔ میں امید کرتا ہوں اور میں دعا کرتا ہوں کہ میری یہ نیکی میرے اس اقدام کی تصدیق کرے گی۔ میں آپ سب سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنی برکتوں سے مجھے مالا مال کریں اور میرے لئے میرے ساتھ دعا کریں۔ میرا برت منگل کے دن پہلے کھانے کے بعد شروع ہو گا۔ اس کی مدت غیر محدود ہے۔ دوران برت میں، میں پانی نمک ملا ہوا یا بغیر نمک کا یا کھٹے لیموں ملا ہوا وغیرہ پیتا رہوں گا۔ میں اس برت کو اس وقت ختم کروں گا جب مجھے اس کا یقین ہو جائیگا کہ تمام فرقوں کے دلوں میں اتحاد پیدا ہو گیا لیکن یہ اتحاد کسی بیرونی دباؤ کے تحت نہیں بلکہ اپنے ذاتی

کے تحت ہونی چاہیئے۔ اس کا انجام یہ ہوگا کہ ہندوستان اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرے گا اور اس طرح
ہندوستان ایشیا اور دنیا پر اپنی سیادت از سر نو قائم کر سکے گا۔ مجھے اس کا یقین ہے کہ اگر ہندوستان کسی حیثیت سے ختم ہو گیا
تو مصیبت زدہ اور بھوکی دنیا بھی ختم ہو جائے گی۔ میرے کسی دوست یا دشمن کو (اگرچہ کوئی ہو) مجھ سے ناراض
ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے لوگ موجود ہیں جو برت کے ذریعے انسانوں کے دل و دماغ کو بدل دینے
کے طریقے پر اعتماد نہیں رکھتے۔ لیکن مجھے اُمید ہے کہ عمل کی وہی آزادی جو اپنے لئے طلب کرتے ہیں مجھے
عطا کریں گے۔ خدا میرا سب سے بڑا مشیر ہے اور میں نے محسوس کر لیا ہے کہ مجھے سوائے خدا کے اور کسی
دوسرے کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر میں نے کوئی غلطی کی ہے اور مجھ کو اس کا احساس ہو گیا تو
میں بانگ دہل اپنی غلطی کا اعتراف کروں گا۔ کیوں کہ میں اس اقدام کو ایمان داری سے کوئی غلطی ہی محسوس نہیں
کرتا۔ میں عقلی اور نقلی دلائل کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ اگر تمام ہندوستان اس برت سے متاثر ہو یا کم سے
کم دہلی پر ہی اس کا مناسب اثر مرتب ہو، تو میں برت ختم کر دوں گا۔

لیکن مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں ہے کہ برت جلد ختم ہوگا یا دیر میں یا کبھی ختم ہی نہیں ہوگا
البتہ ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ صورت حال کا انسداد ہو۔ اس میں کسی اور رعایت کی ضرورت نہیں ہے
میرے گذشتہ برتوں پر یہ تنقید کی گئی ہے کہ برت رکھنے سے میرا مقصد ایک قسم کا جبر کرنا ہوتا ہے
یہ بھی کہا گیا تھا کہ اگر برت رکھ کر مجبور نہ کر دیتا تو عوام کا فیصلہ یقیناً میرے خلاف ہی ہوتا۔ لیکن جبکہ مقصد شریفانہ
ہو تو مخالفانہ فیصلہ کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی۔

میں یہ برت نتائج کیلئے نہیں رکھ رہا ہوں جو یہ پیدا کر سکتا ہے۔ بلکہ میں برت اس لئے رکھتا ہوں کہ
مجھے ایسا کرنا ہی چاہیئے۔ اس لئے میں ہر شخص سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ میرے مقصد کو صحیح طور پر جانچنے کی کوشش
کرے۔ اگر مجھے مرنا ہے تو امن و شانتی سے مرنے دے۔ موت میرے لئے ایک شاندار نجات ثابت ہوگی کیوں کہ
میں ہندوستان میں ہندوازم سکھ ازم اور اسلام کی تباہی دیکھنے کی بجائے مرجانا پسند کرتا ہوں۔ اور پاکستان
یہاں تو مذہب و ملت جان و مال کی حفاظت نہیں کرتا اور مساوی درجہ عطا نہیں کرتا۔ اگر ہندوستان پاکستان
کی نقل کرتا ہے تو تباہی یقینی ہے اسلام ہندوستان میں فنا ہو جائے گا۔ دنیا میں نہیں البتہ ہندوازم اور سکھ ازم جو ہندوستان

کے [illegible] وہ بالکل ہی فنا ہو جائیں گے۔

جو لوگ میرے ساتھ اختلاف رکھتے ہیں۔ان کی تعریف کرتا ہوں وہ یہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میرے فیصلوں کی مزاحمت کرتے ہیں۔مجھے برت رکھ کر اپنے ضمیر کو جلا دینے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ مردہ نہ ہو جائے۔

۲

اس تباہی پر غور کیجئے جس کا سامنا اس وقت ہندوستان کو کرنا پڑ رہا ہے۔آپ محسوس کریں گے کہ کم از کم ہندوستان کا ایک فرزند ایسا ہے جو اتنا طاقتور اور مخلص ہے کہ وہ اپنے وطن کی خاطر ایسا اقدام بھی کر سکتا ہے۔اگر وہ طاقتور اور مخلص نہیں ہے تو پھر زمین پر ایک بوجھ ہے جس قدر جلد وہ فنا ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے اس کی فنا ہندوستان کے ہی لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی اچھی ثابت ہو گی۔

میں اپنے دوستوں سے درخواست کروں گا کہ وہ میرے پاس نہ آئیں۔نہ مجھے اپنے فیصلہ سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔نہ میرے لئے متفکر ہوں کیوں کہ میری زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے اس کے بجائے انھیں اپنے اندر روشنی کی تلاش کرنا چاہیئے کیوں کہ موجودہ وقت ہمارے لئے امتحان کی گھڑی ہے۔جو لوگ اپنے فرض کو سمجھتے ہیں اور اس کو محنت سے اچھی طرح انجام دیتے ہیں وہ میرے اس شریفانہ مقصد کی زیادہ امداد کر سکتے ہیں،برت رکھنا تزکیۂ نفس کا ایک طریقہ ہے۔

مہاتما گاندھی کے برت کے اثرات

برت رکھنے کے بعد گاندھی جی کی نیک اُمیدیں و آرزوئیں بر آئیں قتل و غارت گری کا طوفان رُکا۔حکومت ہند کے ہندو وزرا نے اور اعلےٰ سرکاری افسروں نے گاندھی جی کو یقین دلایا کہ فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام پوری ایمان داری اور دیانت داری سے کی جائے گی۔صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے گاندھی جی کو ضمانت دی کہ جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہی ہو گا۔اور آپ کی رہنمائی میں حکومت جنتا کام کرے گی۔

گاندھی جی نے ان کے اس عہد نامے کے بعد ۱۹ر جنوری ۱۹۴۸ء کو اپنا برت کھول دیا اس طرح گاندھی جی نے قتل و غارت گری کی شیطانی طاقتوں پر فتح حاصل کر لی۔اور [illegible] مگر دکھ یا جس کا [illegible] انھوں نے برت رکھنے سے پہلے ۱۱ر جنوری ۱۹۴۸ء کو [illegible]

لدھیانوی سے کیا۔

گاندھی جی کے برت سے ہندوستان کا فسادی فضا پر دب گیا۔ قتل و غارت گری کی سرگرمیاں ایک حد تک ٹھنڈی پڑ گئیں۔ لیکن گاندھی جی کے خلاف اندرونی سازش کا پروگرام بنتا رہا اور وہ منحوس دن بھی آیا کہ ماسٹر تارا سنگھ کی اسکیم کے مطابق گاندھی جی کو ایک بدطینت نے دو گولیاں مار کر ہمیشہ کیلئے ہم لوگوں سے جدا کر دیا۔

گاندھی جی نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن سے کہا تھا کہ "مولانا صاحب میں جان دے کر اس فرقہ وارانہ نفرت کو روک دوں گا۔" گاندھی جی کی یہ بات سچی نکلی وہ جان دے گئے لیکن ہندوستان کو امن کی راہوں پر ڈال گئے۔ گاندھی جی کی موت کے بعد امن و امان کی ایک ایسی لہر ہندوستان میں آئی جو درندگی اور وحشت کو بہا کر اپنے ساتھ لے گئی۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کی اہلیہ اور بیٹی کا انتقال

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ان کے خاندان کو دلی آئے ہوئے ابھی چار ماہ بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ مولانا کی رفیقہ حیات ہندوستان کی جنگ آزادی کی مجاہدہ صبر و استقامت کی پیکر علم و عمل میں سلف صالحین کی یادگار شفاعت بی بی ۲ رجون ۱۹۴۸ء کو اس دنیا سے عالم جاودانی کی طرف کوچ فرما گئیں۔ مرحومہ نے پورے تیس سال تک رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کے سیاسی زندگی میں ساتھ دیا صبر آزما گھریلو مشکلات میں بھی استقامت کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ زیورات اور سامان کی ضبطی کو مرحومہ نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا اپنے خاوند اور بیٹوں کی مسلسل قید و بند کی زندگی سے مرحومہ کے حوصلے کبھی پست نہ ہوئے۔ گھر کی غریبی اور مفلسی کا کبھی کسی سے شکوہ نہ کیا۔ وہ جہاد آزادی میں سب کچھ قربان کر چکیں۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۴۷ء کو گھر بار چھوڑا لیکن پاکستان میں رہنا منظور نہ کیا۔ وہ ہندوؤں کی بربریت سے اگر آزردہ خاطر تھیں تو مسلمانوں کی درندگی پر بھی انہیں غم و غصہ تھا بلکہ وہ مسلمانوں کے قتل و غارت گری کے اقدام کو [illegible] وحشیانہ فعل کہتی تھیں۔ اور آخر فسادات کے ان صدمات کو برداشت کیا اور اسی [illegible]

راقم الحروف عزیز الرحمن اپنی والدہ کی پانچ روزہ بیماری میں شب و روز خدمت گزار رہا۔ میری ہمشیرہ خاتون جنت، میری بیوی کلثوم خانم، میرے بھائی محمد طیب، محمد اظہر، سعید الرحمن اور محمود احمد والدہ مرحومہ کی خدمت گذاری میں لگے رہے۔ والد صاحب نے جو ممکن ہوسکا علاج معالجہ کیا۔ ڈاکٹر شنکرداس جہرہ کی کوششیں قابل قدر تھیں لیکن کوئی تدبیر کام نہ آئی اور حالت یہ ہوئی کہ

اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ والدہ مرحومہ کی نماز جنازہ مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔ دلی کے ہزاروں آدمیوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور ٹھیک گیارہ بجے جامع مسجد کے ملحقہ قبرستان میں آغوش لحد میں ہمیشہ کیلئے ابدی نیند میں سپرد خاک ہوگئیں۔

والدہ مرحومہ کے انتقال پُر ملال کی اطلاع نے پاکستان میں لاکھوں گھروں کو آبدیدہ کیا۔ مرحومہ نے اپنی زندگی میں کوئی دس ہزار عورتوں اور لڑکیوں کو قرآن اور علم دین پڑھایا تھا۔ اس فیض دینی کے اثرات تھے کہ ہزاروں قرآن مجید پاکستان میں گھر گھر پڑھے گئے۔ اور مرحومہ کو ایصال ثواب کیا گیا۔ تعزیت کے ہزاروں خطوط پاکستان سے آئے ہر خط کا پہلا جملہ یہ ہی تھا " کہ ہائے میری اپنی والدہ اور اماں جی کا انتقال ہوگیا "

والدہ مرحومہ کے انتقال کے صدمات نے رشتہ داروں اور خاندان والوں کو بیتاب کر دیا۔ لیکن مرحومہ کی صاحبزادی ام سلمان پر اس صدمے کا ناقابل برداشت اثر ہوا اور وہ اسی صدمے میں ۱۲ جولائی یکم رمضان المبارک کو لائل پور پاکستان میں ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو کر اپنی والدہ سے جا ملیں۔ ام سلمان کے انتقال کے وقت راقم الحروف اپنی ہمشیرہ کے پاس پہنچ چکا تھا۔ ۱۰ جولائی ۱۹۴۸ء کو ایسے وقت پہنچا جبکہ وہ ہوش میں تھیں مجھے دیکھ کر وہ مسکرائیں اور پھر میرے سر کو اپنے کندھے سے ملایا اور لیٹے لیٹے زار و قطار رونے لگیں بس یہی ایک آخری ملاقات تھی اس کے بعد بخار اور تیز ہوگیا اور تمام کو سرسامی کیفیت نے عقل و ہوش کی تمام امیدیں ختم کر دیں اور اسی کیفیت میں کلمہ پڑھتے ہوئے رخصت ہوگئیں۔

۱۰ جون ۱۹۴۸ء کو ام سلمان نے میری اہلیہ کلثوم خانم کے نام ایک دردناک خط لکھا جو ان [illegible]

کو دہلی میں موصول ہوا۔ مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند نے اپنے ایک نوٹ کے ساتھ ۲۱ دسمبر ۱۹۵۷ء (؟) کو روزنامہ الجمعیۃ اخبار میں شائع کیا۔ یہ خدام مسلمان کی قابلیت، دینی لگاؤ اور مذہبی ذوق کی یادگار تاریخ ہے۔

محترمہ زبیدہ مرحومہ کی ایک یادگار

مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی لخت جگر محترمہ زبیدہ خاتون کی وفات کی الم انگیز خبر "الجمعیۃ" میں شائع ہو چکی ہے آج محترمہ کے دو خطوط شائع کئے جا رہے ہیں ان خطوط کے مطالعہ سے مرحومہ کی قابلیت اور راست بازی اور خدا ترسی کا اندازہ ہوتا ہے۔ زبیدہ جیسی ذی علم، دردیش منش لخت جگر کی وفات پر حضرت مولانا کا ضبط و تحمل درحقیقت صبر و رضا کا ایک بہترین نمونہ ہے جس کی مثال کم از کم اس دور میں ناپید ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ مرحومہ نے پہلا خط اپنی والدہ محترمہ کی وفات کی اطلاع پانے پر تحریر کیا تھا اس روز صبح کے وقت والدہ کی وفات کی اطلاع ملی اور شام کو مرحومہ کی لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ دوسرا خط ۵ رجولائی کو بیماری کی حالت میں اپنی بھانجی ام کلثوم زوجہ مولانا عزیز الرحمن صاحب کے نام لکھا جو زندگی کا آخری خط ہے۔ (محمد میاں)

ہیں انفس و آفاق میں پیدا تیری آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائندہ تیری ذات
نہیں منت کش تاب شنیدن داستاں میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

عزیزہ خاتون جنت سلام مسنون!

نوائے صبح گاہی نے جگر خوں کر دیا میرا
خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے

عزیزہ من ۔۔۔ ۴ رجون کی صبح کو سورج ایسی منحوس کرنوں کے ساتھ طلوع ہوا کہ اس کی کرنوں میں حزن و غم وحشت و قباحت ہی ٹپک رہی تھی اتنا دیا ایسے معلوم ہوتا تھا کہ پیام ازل جیسے پڑھنے کے تمام ہواس بیکار ساکت ہو گئے جیسے پاؤں تلے سے نکل گئی، دل کانپ گیا، دماغ کا پردہ بے کار ہو گیا [illegible]

پر رقت طاری ہو گئی۔

صبح دس بجے قبلہ والد صاحب کا گرامی نامہ میرے غریب منقل پر جو بکلی گراتے ہوئے پہنچا فرماتا جان جگر از غیر لایا کرآہ! آج ہماری والدہ (مرحومہ) ہمیشہ کے لئے ہم سب سے جدا ہو کر جنت کو سدھار گئیں میرا قلب والدہ صاحبہ کی جدائی کو یقین اور تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے لیکن والد صاحب کا گرامی نامہ نوشتہ تقدیر تھا اس میں شک و شبہ کی اور انکار کی گنجائش نہ تھی مگر محبت اپنی جگہ اور حقیقت اپنی جگہ۔ صرف محبت سے واقعات بدلا نہیں کرتے۔ خط پڑھنے کے بعد وہ سکتہ جو یکایک طاری ہو گیا تھا اور وہ صدمہ جو بجلی کی طرح تمام رگ و پے میں دوڑ گیا تھا پیہم کھٹک اور مستقل ٹیس کی صورت میں تبدیل ہو گیا گویا زہر تمام جسم میں پھیل گیا۔ قلب اور دماغ دونوں ماؤف و مختل ہو گئے اسی طرح یہ خط لکھ رہی ہوں۔

عزیزہ من شاہ ہو گدا۔ امیر ہو یا غریب، جاہل ہو یا عالم، چھوٹا ہو یا بڑا۔ بچہ ہو یا بوڑھا عورت ہو یا مرد۔ غرض جمیع نوع انسان کی حیثیت اس دار فانی میں ایک نقش بے ثبات سے زیادہ نہیں۔ مصور ازلی جس نقش کو چاہے درہم کر دے اور جسے چاہے روشن۔ اس جہاں بے ثبات میں ہم سب کی زندگیاں حرف مکرر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں —— نظیری کا ایک شعر

ہر فرد گشتہ حاکم ایں ملک غیر تو ٭ ذکر دہ گرم جا زدہ کوس عدم بیل ما

روشنی ہو جانے کے بعد جیسے چراغ کا گل ہو جانا ضروری ہے اور کھل جانے کے بعد پھولوں کا مرجھانا لازمی ہے ویسے ہی انسان کی حیات اس کی موت پر دال ہے یہ دنیا کی بہاریں عارضی اور اس کی خوشیاں وقتی ہیں۔ اس لئے دور بین نگاہیں اور حقیقت شناس نظریں یعنی اہل اللہ دنیا اور لوازمات دنیا سے بہت کم تعلق رکھتے ہیں، ان کو اولاد اور مال کی اتنی محبت نہیں ہوتی۔ جتنی کہ ہم گنہگاروں کو۔ ہم عاصی اور گنہگاروں کا ایمان اتنا ضعیف اور کارساز حقیقی سے تعلق اتنا ناقص ہے کہ ہم ذرا ذرا سی تکلیف اور مصیبت میں گھبرا جاتے ہیں صبر و شکر کے بجائے رنج و الم مایوسی اور اضطراب میں پھنس جاتے ہیں حالانکہ یہ مصائب اور بلائیں اگر بندہ راضی برضا ہو تو اس کے لئے عین راحت ہیں کیونکہ صبر و شکر ہی بلندی درجات کا باعث ہوتے ہیں۔ ہمیں ایسی سخت آزمائش کی گھڑیوں میں استقلال،

صبر و شکر سے کام لیتے ہوئے باری تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں متوجہ ہو کر [illegible]
حضور قلبی کے ساتھ شیخ زین الدین کی یہ مناجات پڑھنی چاہیے۔

مناجات

پادشاہا جرم ما را درگذر　　　بے گنہ نگذشتہ برما ساعتے
ما گنہ کاریم تو آمرزگار　　　با حضوری دل نکردم طاعتے
بر در آمد بندۂ بگریختہ　　　آبروئے خود بہ عصیاں ریختہ
مغفرت دارد امید از لطف تو　　　بحر الطاف تو بے پایاں بود
زاں کہ خود فرمودۂ لا تقنطوا　　　نا امید از رحمتت شیطاں بود
نفس شیطاں زد کریما راہ من　　　رحمتت بادا شفاعت خواہ من
چشم دارم از گنہ پاکم کنی　　　اندر آں دم کز بدن جانم بری
پیش از آں کاندر لحد خاکم کنی　　　از جہاں با نور ایمانم بری

یہ جہاں فانی ہے۔ اب ہماری والدہ کی واپسی نا ممکن ہے اس کو یہی منظور تھا کوئی
اس میں کیا کر سکتا ہے ؎

اول و آخر فنا، ظاہر و باطن فنا　　　نقش کہن ہر کہ تو بینی بآخر فنا

آہ! آج ہماری والدہ ہم سے جدا ہو گئیں شفقت مادری کا سایہ ہمارے سروں سے اور
خصوصاً تمہارے سر سے اٹھ گیا۔ ہم بھائیوں بہنوں کے جمع ہونے کا مرکز ختم ہو گیا اب زندگی میں شاید
ہی موقع آئے کہ ہم سب بھائی بہن جمع ہو سکیں۔

قبلہ دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت عزیزان کی جدائی کا صدمہ تنہا نہ جھیل سکے اور قبلہ
والد صاحب کے دل پر تازہ زخم تھا کہ مرحومہ والدہ صاحبہ کی موت کا تیر لگا اور دل پاش پاش ہو گیا [illegible]
تمام مرہم نہیں ہو سکتی۔

[illegible]

بعد میں واجو صدقہ کرو تو اچھا ہے دیکھ کر قبلہ والد صاحب سوائے تلقین صبر و خاموشی کے اور کیا کر سکتے ہیں۔

صبح دس بجے سے مرحومہ والدہ کی جدائی سے دل تھامے ہوئے آبدیدہ تمہاری ریاض فاطمہ کی حالت نزع کو دیکھ رہی تھی۔ ابھی صبح سے میرے آنسو خشک نہ ہونے پائے تھے کہ شام کے پانچ بجے آہ عزیزہ ریاض فاطمہ بھی اپنی نانی مرحومہ کے پاس چل بسی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط

قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ والدہ مرحومہ کا اپنی نواسی کے ساتھ کشش و محبت و تعلق کا نتیجہ کہ جب والدہ مرحومہ کی روح اپنی نواسی کو لینے کے لئے اس دار فانی میں آئی۔ میں نے سب سے پہلے سورۂ مزمل کا تحفہ اپنے آقائے نامدار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں پیش کیا پھر سورۂ مدثر والدہ مرحومہ کی دعائے مغفرت کے لئے پڑھی۔ بعد ازاں دین و دنیا کا زریں تحفہ اور سورۂ یٰسین کا بہترین جہیز دے کر اپنے ہی ہاتھوں سے غسل دے کر کفن کا سفید جوڑا پہنا کر اس مقام فنا سے الوداع کہہ کر اس کی نانی مرحومہ کی گود میں دے دیا۔ اس کی روح ذاتِ وحدت کا دم بھرتی ہوئی تلاوت سورۂ یٰسین کو سنتی ہوئی نکلی۔

اور ریاض فاطمہ میں ایک گل شگفتہ کی طرح اضافہ کرتی ہوئی جا داخل ہوئی۔ ہم ان کی جدائی سے بے قرار و بے بس ہیں لیکن وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گود میں کھیلتے جنت الفردوس کی نعمتوں کا لطف اُٹھاتے ہوئے ہمارے استقلال کی چشم براہ ہوں گی۔

والدہ مرحومہ کی موت سے زیادہ صدمہ یہ ہے کہ افسوس صد افسوس کہ آخری وقت تم ان سے جدا ہو گئے۔ ماں کی محبت سے محروم۔ یہ خوشی خدا تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں لکھی تھی۔ تم نے ان کی خدمت کا حق ادا کیا۔ اپنے ہاتھوں سے قبر میں رکھ کر اکیلے ہو کر بیٹھ گئے۔ اس کو یہی منظور تھا۔ آؤ اللہ تعالیٰ کے اس کلام پاک کی طرف رجوع کریں۔

رب المشرق والمغرب لا الٰہ الا اللّٰہ ھو فاتخذہ وکیلاo

ہم سب کو اب صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑنا چاہئے کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

لیکن قدرت [illegible] کا الٹا رنگ [illegible] محمد [illegible] کی [illegible] ہماری قسمت میں [illegible] اور ہم اکٹھے ہو کر علامہ کے اس کلام کو پڑھتے اور دل کو ٹھنڈا کرتے ؎

زمانے کے انداز بدلے گئے	نیا راگ ہے ساز بدلے گئے
شراب کہن پھر پلا ساقیا	وہی جام گردش میں لا ساقیا

اب ہماری والدہ مرحومہ کا زمانہ واپس نہیں آسکتا۔ اور شفقت مادری جام عنقا کی طرح نایاب ہے ؎

جگر سے وہی تیر پھر پار کر	تمنا کو سینوں میں بیدار کر
مری ناؤ گرداب سے پار کر	یہ ثابت ہے تو اس کو سیار کر
بتا مجھ کو اسرار مرگ و حیات	کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات
مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں	مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں
مرے نالۂ نیم شب کا نیاز	مری خلوت و انجمن کا گداز
امنگیں مری آرزوئیں مری	امیدیں مری جستجوئیں مری
مرا دل مری رزم گاہ حیات	گمانوں کے لشکر یقیں کا ثبات
یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر	اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے	لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

یہ صدمات اموات اور ہمیشہ کی جدائی بیشک ناقابل برداشت ہے، لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے یہ بلندی مجھے عطا فرمائی ہے ؎

نظر میری نہیں ممنون سیر عرصۂ ہستی	میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں

اب میری [illegible] کسی چیز کے ساتھ طبیعت مانوس نہیں ہوتی۔ دل و دماغ میں فنا فنا کی آواز گونج رہی ہے۔ قبر کے تصور سے دل پر رقت کا غلبہ ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ موت سر پہ منڈلا رہی ہے۔ آخر میں سب عزیزوں سے اس دعا کے ساتھ جدا ہوتی ہوں ؏

[illegible] تو ایسے ہو لائے غریب آپ میری چارہ سازی کر

اے آقائے نامدار۔ خدارا آپ اپنے بحر الطاف سے اگر تھوڑی سی توجہ بھی ہم عاجزوں اور [illegible] کے

خستہ حال پر مبذول فرمائیں تو ہماری یہ تمام الجھنیں اور مصیبتیں راحت و آسائش میں بدل جائیں اور یہ طوفانات

میں غرق شدہ کشتی کنارے پر آ لگے۔ اے بادِ صبا ہمارے یہ آزردہ اور دکھی دلوں کی فریاد و دستِ بستہ

ہمارے آقائے کل شاہ دوجہاں کی بارگاہ اقدس میں پیش کرے

کرم آئے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم

اے الہ العالمین۔ ہمارے گناہوں کو بخش دے ہماری خطائیں معاف فرما۔ ہمارا کام بھولنا اور گناہ

کرنا ہے۔ تیرا کام چشم پوشی اور درگزر کرنا ہے۔ ہم تیرے دروازۂ رحمت پر بھیک مانگنے کے لیے آئے ہیں۔ ہم

محتاجوں کو اپنی ذات واحد اور اپنے حبیب شافع روزِ جزا کے صدقے بھیک دے کر واپس کر۔ آمین۔

خیر اندیش دعاگو۔ دور افتادہ تمہاری آپا (زبیدہ)

دوسرا خط

عزیزہ۔ کلثوم خانم۔

تمہارے سب کے اور والد صاحب کے گرامی نامے پہنچے۔ جواب لکھنے کی ہمت نہیں کیونکہ تقریباً

پندرہ روز سے میعادی بخار میں مبتلا ہوں جیسے جیسے دن گزرتے جاتے ہیں والدہ مرحومہ اور بچی کی جدائی دل

کو بے قرار کرتی جاتی ہے کیا کروں۔ دعا کرو اللہ تعالےٰ مجھ کو اور تم سب کو صبر عطا فرمائے۔ (اس خط میں چند

فقرے اپنے بھائی عزیز الرحمٰن صاحب کے متعلق لکھے ہیں (اردو آخر میں تحریر ہے)

چچی عبداللہ کی والدہ اس وقت میرے سر پر برف رکھے ہوئے ہیں تب یہ چار لفظ لکھے گئے ہیں

فقط شکستہ تمہاری آپا (زبیدہ) مورخہ ۵ جولائی ۱۹۴۸ء لائل پور پاکستان

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی اہلیہ کے حالات زندگی

روزنامہ اخبار الجمعیۃ کا اداریہ

مورخہ ۵ [illegible] ۱۹۴۸ء

کل (بدھ) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی اہلیہ محترمہ کا جنازہ ہے ایک دن ان کی شادی

لاہور۔ مولانا عبدالحمید بن مولانا عبداللطیف عفت بنت مولانا عبدالرشید مرحوم۔

کراچی۔ محمد ناصر بن مولانا محمد آفاق۔

خاندانِ حبیب

①

افراد	بچے
مولانا خلیل الرحمٰن بن مولانا حبیب الرحمٰن	۱۔ ادریس مہدی ۲۔ صبیح الرحمٰن ۳۔ رضی الرحمٰن
اکبری خانم زوجہ مولانا خلیل الرحمٰن	۴۔ شمیم بیگم ۵۔ شاہدہ۔
★ ★ ★	(مقیم گلی قاسم جان احاطہ کالے صاحب دہلی)

②

افراد	بچے
مولانا عزیز الرحمٰن بن مولانا حبیب الرحمٰن	۱۔ بلال نجری ۲۔ [illegible] ۳۔ [illegible] حبیب
کلثوم خانم زوجہ مولانا عزیز الرحمٰن	۴۔ سعود حبیب (مقیم کوچہ رحمان چاندنی چوک دہلی)

③

افراد	بچے
مولانا انیس الرحمٰن بن مولانا حبیب الرحمٰن	۱۔ بریرہ ۲۔ [illegible] ۳۔ [illegible] ۴۔ مجیب الرحمٰن
خدیجہ بیگم زوجہ مولانا انیس الرحمٰن	۵۔ حبیب الرحمٰن ۶۔ منیب الرحمٰن (مقیم لائلپور پاکستان)

④

افراد	بچے
مولوی محمد طیب بن مولانا حبیب الرحمٰن	۱۔ طاہرہ ۲۔ محمد ۳۔ [illegible] ۴۔ [illegible]
قمر جہاں۔ زوجہ مولوی محمد طیب	(مقیم کوچہ رحمان چاندنی چوک دہلی)

⑤

افراد	بچے
مولوی محمد اظہر بن مولانا حبیب الرحمٰن	۱۔ محمد اطہر ۲۔ عبدالقادر ۳۔ شفاعت
ریحانہ فاطمہ۔ زوجہ مولوی محمد اظہر	(مقیم گلی قاسم جان احاطہ کالے صاحب دہلی)

(۹)

مولوی سعید الرحمٰن بن مولانا حبیب الرحمٰن — ۱۔ شبیہ جبین ۲۔ شاہد [illegible]

ماشاء بیگم زوجہ مولوی سعید الرحمٰن — (مقیم مسجد [illegible] منزل۔ لدھیانہ شہر)

(۵)

مولانا محمد احمد بن مولانا حبیب الرحمٰن — ۱۔ حبیب الرحمٰن ۲۔ مجید الرحمٰن

زاہدہ بیگم۔ زوجہ مولانا محمد احمد — (مقیم مسجد چونگراں۔ لدھیانہ شہر)

(۱)

رقیہ بیگم۔ بنت مولانا حبیب الرحمٰن — ۱۔ حافظ محمد یونس ۲۔ احمد مونس ۳۔ محمد ارشد

رقیہ بیگم زوجہ مولانا محمد یوسف [illegible] — ۱۔ محمد [illegible] ۲۔ فاروق [illegible] ۳۔ عبد الرحمٰن [illegible]

★ ★ ★ — ۴۔ مسعودہ خانم ۵۔ خالدہ خانم ۶۔ سعیدہ بانو ۷۔ عطیہ بیگم

★ ★ ★ — ۸۔ صدیقہ بیگم (مقیم راولپنڈی پاکستان)

(۲)

خاتون جنت بنت مولانا حبیب الرحمٰن — ۱۔ انور سعید صدیقی رحمانی

خاتون جنت زوجہ [illegible] صدیقی بریلوی — (مقیم کوچہ رحمان دہلی)

(۳)

بلقیس فاطمہ۔ بنت مولانا حبیب الرحمٰن — ۱۔ ذکیہ حبیب

بلقیس فاطمہ۔ زوجہ چودھری حبیب اللہ — (مقیم بہاول پور۔ پاکستان)

وجودِ مقدّس
جو
ہم سے رخصت ہوا

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے آخری دس سال

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے قیام دہلی کے زمانے میں سیاسی تعلیمی تبلیغی اور سماجی بہبود کے کام کئے۔ وزیراعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے ملکی مسائل پر وقتاً فوقتاً مل کر سیاسی مشورے کرتے رہتے۔ اور تعمیر ملک کی نئی تجویزوں پر کام کرنے کا مشورہ دیتے رہے۔ فرقہ وارانہ اتحاد کے لئے خصوصی طور پر رئیس الاحرار کام کرتے رہے۔ ہزاروں ہندو اور مسلمان مولانا کے حلقۂ عقیدت میں شامل ہوگئے اور مولانا کی رہنمائی میں ہندو مسلم اتحاد کا پروگرام چلاتے رہے

رئیس الاحرار پاکستان کے دوستی مشن پر گئے سعودیہ عربیہ میں دوستانہ مشن پر اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ زمانہ حج میں مکہ تشریف لیگئے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو سے قریبی تعلق کا یہ عالم تھا کہ رئیس الاحرار کے انتقال پر پنڈت جی نے اپنے پیغام میں فرمایا" مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی میرے ذاتی مشیر تھے ان کی موت علاوہ ملکی نقصان کے میرا ذاتی نقصان بھی ہے۔"

انتقال پُر ملال

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب آخری دس سالوں میں اکثر بیمار رہے، انکے خاص معالجوں میں حکیم عبدالحمید مالک ہمدرد دوا خانہ۔ اور ڈاکٹر شنکر داس مہرہ نے مولانا کے علاج و معالجے و صحت کی دیکھ بھال میں ہر قسم کی طبی اور ڈاکٹری امداد دی، بیماریوں کی تحقیق و تفتیش میں ان دونوں حضرات نے پوری توجہ دی اور بہترین نسخے تجویز کئے۔

اگست ۱۹۵۶ء میں مولانا کو آنت کے سوج جانے کا درد ہوا تو ڈاکٹر شنکر داس مہرہ نے چار دن کی تشخیص کے بعد رئیس الاحرار کو گنگارام اسپتال میں آپریشن کے لئے داخل کرایا اور سر گنگا رام اسپتال کے چیف میڈیکل آفیسر ڈاکٹر ایس۔ ایم کول کی زیر نگرانی مشہور سرجن ڈاکٹر کھیڑے نے آپ کا آپریشن کیا جو کامیاب رہا۔ گنگارام اسپتال کے انتظام اور ڈاکٹر کول صاحب کے حسن اخلاق ڈاکٹر راز داں کی خدمات سے رئیس الاحرار ایسے درجہ متأثر ہوئے کہ انھوں نے اسپتال کی معائنہ بک میں اسپتال کے حسن انتظام اور ڈاکٹر کول صاحب مع ڈاکٹر

رازداں کی شب و روز محنتوں پر اپنی رائے تحریر فرمائی۔

قیام اسپتال کے زمانے میں ڈاکٹر گوکل صاحب اور ڈاکٹر رازداں صاحب اور ڈاکٹر شنکرداس مہرہ کے مولانا کے خاندان سے ایسے قریبی تعلقات ہوگئے جو آج تک اسی طرح قائم ہیں۔ ڈاکٹر شنکرداس مہرہ مولانا کے ان ذاتی عقیدت مند دوستوں میں سے ہیں جن کا شمار مولانا کی زندگی ہی میں ایک گھریلو فرد کا ہوگیا تھا۔ آخری وقت تک مولانا کے علاج میں جس جانفشانی کا ڈاکٹر صاحب نے ثبوت دیا وہ دوستی اور عقیدت مندی کی بہترین مثال ہے۔ ڈاکٹر شنکرداس کے حسن و اخلاق اور ذاتی تعلقات میں اب تک بھی سرمو فرق نہیں آیا مولانا کے بچوں کی دیکھ بھال میں وہ آج بھی اسی دوستی اور تعلق کا ثبوت دے رہے ہیں جس طرح مولانا کی زندگی میں دیا کرتے تھے۔

۱۴ر اگست ۱۹۵۶ء کو رئیس الاحرار نے مشرقی پنجاب میں دوبارہ آبادی مساجد اور اوقاف کی دیکھ بھال کے لئے صائب الرائے لوگوں کی ایک میٹنگ بلائی۔ جس میں انجمن حمایت الاسلام مشرقی پنجاب کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا محمد احمد صاحب کاظمی انجمن کے صدر منتخب ہوئے جو مولانا کے پرانے رفیق اور ذاتی دوست تھے۔ مولانا سعید الرحمٰن اس انجمن کے جنرل سیکریٹری مقرر کئے گئے

یکم ستمبر کی دوپہر کو انجمن حمایت اسلام پنجاب کی میٹنگ کامیابی سے ختم ہوئی۔ اور مشرقی پنجاب میں کام کرنے کا ایک نظام عمل میں آگیا۔ مولانا کی دس سالہ دیرینہ خواہش پوری ہوگئی۔

انتقال سے قبل چند خصوصی باتیں

۱۴ر اگست ۱۹۵۶ء کو اپنے بچوں اور ساتھیوں کو بٹھا کر فرمایا کہ اب میں کام سے بہت تھک گیا ہوں۔ اس لئے تمام فائل بند کر دیئے جائیں۔ تمام خطوط لکھنے کا سلسلہ بھی آج سے بند ہوگا۔ مولانا نے اپنے دونوں عربی اور انگریزی سکریٹریوں کو بھی ان کی خدمات کا شکریہ ادا کرنے کے بعد انھیں کام کرنے سے سبکدوش کر دیا۔

شام کو اپنے تمام بچوں اور لڑکیوں کو بٹھا کر فرمایا کہ یکم تاریخ سے گھر کا کام کاج خود دیکھو اور خود کرو۔ اور خود چلاؤ۔ پھر تمام بچام سب کو دعائیں دیں کہ دین و دنیا تم سبھوں کی اچھی ہو۔ تم سب نے میری

بڑی خدمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں خوش و خرم رکھے۔

یکم ستمبر کی شب کو رات کے دس بجے تک مولانا محمد احمد کاظمی اور مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی خان صاحب عبدالصمد خاں رئیس مالیر کوٹلہ اور دیگر دوستوں سے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی کے مسئلہ کے متعلق خاص طور پر ان سے باتیں کرتے رہے۔ شب کو دس بجے اپنے ذاتی خادم حافظ خلیل احمد سے فرمایا۔ حافظ صاحب اگر میں مر گیا تو میرے بعد قرآن مجید پڑھ کر بخشنا بھول نہ جانا۔

۲ ستمبر کی صبح کو چار ہی بجے بیدار ہو گئے۔ گرمی سخت تھی۔ خود وضو کر کے نفل پڑھے۔ مہمانوں کو جگا کر مسجد میں بھیجا تو معلوم ہوا کہ ابھی اذان بھی نہیں ہوئی۔ اذان کے بعد نماز پڑھی۔ نماز کے بعد خاموش وظیفہ کرتے رہے۔ ساڑھے چھ بجے میونسپل باغ چاندنی چوک میں سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ واپس آتے ہوئے مہمانوں کے ناشتے کا سامان ساتھ لائے۔ تمام کوچہ رحمان کے دکان داروں سے سلام کے بعد مصافحہ کرتے ہوئے گھر تشریف لائے۔ ناشتہ کے بعد مولانا کے دیرینہ رفیق اور دوست مخلص حاجی محمد فاروق تشریف لے آئے تھے، ان سے باتیں کرنے لگے۔ حاجی محمد فاروق صاحب مولانا کے ایسے دوستوں میں سے تھے جو مولانا کی زندگی کے رازدار بھی تھے اور مددگار بھی۔ حاجی صاحب سے گفتگو کے دوران میں راقم الحروف کو آواز دی، میں حاضر خدمت ہوا۔ فرمانے لگے حاجی صاحب تشریف لے آئے ہیں۔ ان سے بات کرو۔ میں ذرا استنجے سے فارغ ہو آؤں۔ یہ کہہ کر اندر تشریف لے گئے۔ پاخانے میں یک بیک ان کی طبیعت خراب ہوئی۔ فوراً استنجے سے باہر آئے۔ اپنے لڑکے مولانا سعید الرحمٰن سے کہا۔ میری طبیعت سخت خراب ہو رہی ہے۔ عرق گلاب پلاؤ۔ عرق گلاب دیا گیا۔ ایک گھونٹ پینے کے بعد زور زور سے کلمہ شریف پڑھنے لگے۔ تیسری بار کلمہ شریف پڑھتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ہ

مولانا کی پیدائش ۲ جولائی ۱۸۹۲ء مطابق ۱۱ صفر ۱۳۱۰ھ بروز اتوار صبح کے وقت ہوئی یہ عجیب اتفاق ہے کہ انتقال بھی ۱۱ صفر ۱۳۷۶ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء بروز اتوار صبح آٹھ بجے ہوا آپ کی عمر چونسٹھ ۶۴ سال کی ہوئی۔

مولانا کے انتقال کی خبر کا کسی کو یقین ہی نہ آتا تھا لیکن حقیقت اپنی جگہ تھی۔ آناً فاناً ہزاروں آدمی

جمع ہو گئے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو نے اپنے سکریٹری کو پھول دیکر بھیجا۔ حکومت ہند کے وزراء اور افسران کی ایک بہت بڑی تعداد آخری زیارت کیلئے آئی۔

ایک بجے مولانا کے جنازے کا جلوس گھر سے روانہ ہوا جامع مسجد شاہجہانی میں کوئی بیس ہزار آدمیوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ نماز جنازہ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے پڑھائی۔ جو یکم ستمبر کی شام کو مل کر دیوبند تشریف لے گئے تھے پھر دوبارہ دوسرے دن موٹر سے نماز جنازہ پڑھانے تشریف لائے

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اس طرح اپنی کامیاب اور پاکیزہ زندگی گذار کر ہمیشہ کے لئے دنیا والوں سے جدا ہو کر بارگاہ رب العالمین میں حاضر ہوئے۔

جامع مسجد کے ملحقہ قبرستان میں جہاں پہلے آپ کی اہلیہ کی قبر ہے اسی کے قریب تین بجے کے قریب آغوش لحد میں رکھ دیا گیا۔ اور آپ ہمیشہ کے لئے ابدی نیند میں آرام فرما ہو گئے۔

تعزیتی خطوط

مولانا کے انتقال پُرملال پر ہند و پاکستان میں ہزاروں قرآن شریف پڑھ کر بخشے گئے اور ہزاروں تعزیتی خطوط آئے اخباروں میں سینکڑوں بیانات چھپے جس میں آپ کی خدمات کا اعتراف کیا گیا ان خطوط میں سے چند اہم خطوط حسب ذیل ہیں:۔

علیگڈھ ۔ ۴ ستمبر ۱۹۵۶ء

عزیزی ـــــ سلام مسنون۔

اخبارات سے والد صاحب کے انتقال کی افسوسناک خبر ملی وہ آپ کے والد تھے۔ سرپرست تھے اور صحیح معنوں میں رہنما تھے۔ ظاہر ہے آپ سوگوار ہوں گے، اور بہت زیادہ رنج و غم میں مبتلا ہوں گے اس موقعہ پر ہر جاننے والے کا تعزیت کرنا اور دلاسا دینا فرض ہے۔

مگر عزیز میاں۔ وہ اپنی شفقت بزرگانہ کی وجہ سے نہ معلوم کتنوں کے باپ کتنوں کے بھائی اور کتنوں کے ایسے دوست تھے کہ ان کی موت کا صدمہ بقیہ حیات کا دائمی رفیق بن گیا ہوگا۔

ان کی کمی ایک خاندان کے رکن کی کمی نہیں ہے، بلکہ ایک ملک وقوم کے مجاہد کی کمی ہے جس کے سرمایۂ مجاہدے میں آخر وقت تک کمی نہیں آئی۔ اب ایسے لوگ کاہے کو پیدا ہوں گے۔

خدا مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ قوم میں ان کی مثالیں پیدا کرے۔ اس کی قدرت کیلئے سب آسان ہے۔ خیر اندیش محمد حفیظ الدین۔ انجمن ترقی اردو ہند

۳ ستمبر ۱۹۵۶ء

عزیزم خلیل الرحمٰن صاحب۔

مجھے یہ سن کر نہایت ہی افسوس ہوا کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس ملک کی جنگ آزادی میں انھوں نے جو نمایاں حصہ لیا ہندستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا۔

میں آپ کے دکھ میں پوری طرح سے شریک ہوں اور خدا سے دعا کرتی ہوں کہ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور لواحقین کو اس صدمۂ عظیم کے برداشت کرنے کی ہمت دے۔

آپ کی۔ امرت کور

(راجکماری امرت کور۔ وزیر صحت حکومت ہند نئی دہلی)

پتہ:۔ مولانا خلیل الرحمٰن۔ کوچہ رحمان۔ چاندنی چوک دہلی۔

دہلی صوبائی کمیٹی ہندستانی کمیونسٹ پارٹی اردو بازار۔ دہلی۔ ۳ ستمبر ۵۶ء

محترمی مولانا عزیز الرحمٰن صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے انتقال پر ملال پر ہماری صوبہ کمیٹی نے جو تعزیتی تجویز آج کی میٹنگ میں منظور کی ہے وہ آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں آپ کے بھائیوں اور بہنوں سے اس حادثہ جانکاہ میں ہماری کمیٹی کو پوری ہمدردی ہے لیکن یقین جانیئے کہ یہ پوری قوم کا نقصان ہے اور تمام محبان وطن اس کو محسوس کر رہے ہیں۔ آپکا مخلص مقیم الدین فاروقی

۳ ستمبر ۵۶ء

کمیونسٹ پارٹی کی دہلی صوبائی کمیٹی کی قرارداد

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے انتقال کے سلسلے میں ہندستانی کمیونسٹ پارٹی کی دہلی

صوبائی کمیٹی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی بے وقت موت پر اپنے رنج وغم کا اظہار کرتی ہے اور مرحوم کے پس ماندگان سے اظہار ہمدردی کرتی ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کی موت ہندوستان کے قوم پرست حلقوں کیلئے ایک حادثہ جانکاہ ہے

" انگریزی سامراج کے خلاف ہندوستان کی جنگ آزادی میں مولانا مرحوم نے جو حصہ ادا کیا وہ تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ سنہری حرفوں سے لکھا جائے گا۔ جنگ آزادی کی کامیابی کے لئے ہندو مسلم اتحاد کی جدوجہد کرنا مرحوم کی سیاسی زندگی کا ایک اہم جزو تھا۔"

" ہندوستان کے تمام محبان وطن کا فرض ہے کہ وہ مولانا مرحوم کے سامراج دشمن جذبہ اور ہندو مسلم اتحاد کی حمایت کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں۔ مقیم الدین فاروقی۔ سکریٹری صوبہ کمیونسٹ پارٹی دہلی

۵ رستمبر ۱۹۵۶ء

برادر عزیز و مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ'

کل اچانک والد صاحب قبلہ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع ملی تو یقین جانئے دل دھک سے ہو کر رہ گیا۔ اللہ اللہ کس شان اور کس اخلاق کے بزرگ تھے۔ اب ایسے ابطال حریت اور مجاہدین ملت کہاں پیدا ہوں گے۔ ان کی کس کس خوبی کو بیان کیا جائے۔ مجھ کو یہ صدمہ بالکل اپنا ذاتی صدمہ معلوم ہوتا ہے کیوں کہ خود میرے اوپر مولانا مرحوم کی جو ذاتی شفقت تھی۔ اب میں عمر بھر اس کو یاد کروں گا اور روؤں گا۔ اس ماہ کے برہان میں شذرہ لکھوں گا۔ اس وقت کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں۔ قلم یارا نہیں کر رہا ہے۔ بھائی مدرسہ کے طلباء اور اساتذہ ختم قرآن کر رہے ہیں۔

حق تعالیٰ آں مرحوم کو صدیقین و شہدا کے درجات عطا فرمائے۔ آپ اور آپ کے سب بھائی تمام تمام میری طرف سے پیغام تعزیت قبول فرمائیں۔ آپ کا شریک غم۔ سعید احمد اکبر آبادی

(مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایڈیٹر برہان پروفیسر شعبہ دینیات علیگڑھ مسلم یونی ورسٹی)

۱۰ رستمبر ۱۹۵۶ء عزیز بھائی۔ السلام علیکم رحمۃ اللہ

میں خبریں پڑھتا تو ضرور ہوں لیکن سنتا اس لئے نہیں کہ میرے پاس ریڈیو نہیں۔ آج اتفاق سے میں نے

خبریں اس لئے نہیں سنیں کہ ریڈیو پاکستان کراچی سے خبروں کے فوراً بعد میری تقریر تھی۔ میں دس منٹ پہلے پہنچ گیا تھا یقین کیجئے حضرت مولانا کے انتقال کی خبر سے مجھے اتنا دکھ ہوا کہ میں تقریر پڑھنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ابھی ابھی آکر میں نے مولانا سالک کو بھی اس حادثہ جانکاہ کی خبر سنائی انہیں بھی بے حد افسوس ہوا۔ سیاسی مسلک کچھ ہو لیکن شخصیتیں بہرحال گھٹتی جاتی ہیں اللہ اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ آپ کو اور بھائی خلیل کو اور دیگر متعلقین کو صبر کی توفیق دے۔ اس کے سوا میں اور کیا لکھوں۔ صبر اگرچہ خود پر جبر ہے لیکن یہ جبر بھی انسان کو کرنا ہی پڑتا ہے۔ آپ کا نیازکیش۔ مجید لاہوری (مرحوم)

۳۰ ستمبر ۱۹۵۶ء شاہ منزل دیوبند

عزیز بھائی۔ سلام مسنون۔

مولانا حبیب الرحمن کے انتقال کی خبر نے دل و دماغ پر ایک بجلی گرادی۔ عزیز بھائیو! تمہارے باپ کا انتقال نہیں ہوا ہے بلکہ ایک ایسا مرد مجاہد اٹھ گیا جس نے خطرات کو خطرات ہی نہ سمجھا۔ جو تختہ دار کے سامنے بھی کلمۂ حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتا تھا۔ خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا محافظ آج روح محمدی کی بارگاہ میں۔

آسمان پر غلغلہ ہے کہ آقائے نامدار کی عزت و حرمت پر شیر کی طرح گونجنے والا حبیب الرحمن آرہا ہے۔

ابا جی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی یادگار اٹھ گئی۔ ہم دونوں بھائیوں کا شفیق سرپرست ہم سے جدا ہو گیا۔ وہ ہستی جاتی رہی جس کے ہر سانس میں سب کے لئے بوئے محبت تھی۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ایک بڑی طاقت، بڑی قوت، بڑا سہارا ہم سے چھن گیا۔

حق تعالیٰ۔ تیری عنایتۂ الطاف کا ہزار ہزار شکریہ۔ رنج و غم کے اس موقعہ پر ہم ناصبوروں کو کیا موقعہ ہے کہ کوئی حرف شکایت زبان پر لائیں، اپنے بندوں کے ساتھ ہمہ وقت تیرا معاملہ رحمت و مغفرت ہی کا ہے۔ چاہے اس کی ظاہری شکل تیرے کوتاہ بندوں کو کچھ سخت گیری ہی کیوں نظر نہ آئے۔ الٰہ العالمین۔ تیری بارگاہ رحمت میں مولانا حبیب الرحمن کی دینی قومی ملی خدمات کو قبول

میں واقعتاً یہ محسوس کرتا ہوں جیسے بالکل خالی ہو گیا ہوں۔ دائیں بائیں یہی محسوس کرتا ہوں کہ گویا کیلا ہوں یا یہ کہیں بہت کچھ تھا اب کچھ بھی نہیں رہا۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت خالو صاحب کی ذات ہمارے سب کے لئے بہت بڑا سہارا تھی۔ اتنی دور بیٹھے ہوئے بھی میں ان کا سایۂ عاطفت اپنے سر پر محسوس کرتا تھا۔

حضرت قبلہ خالو صاحب بجا طور پر خاندان کے باعث فخر بزرگ تھے خالو صاحب نے ہی اسلاف کی روایات کو زندہ رکھا اور آہ آج وہ بھی ہمارے لئے اسلاف میں شمار ہونے لگے قبلہ خالو صاحب کی وفات سے جو خلا واقع ہوا ہے اس کا پُر ہونا ممکن نہیں۔

آپ کی اتنی خوش نصیبی ہے کہ آخری وقت میں زیارت سے محروم نہیں رہے اور نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی لیکن ہم بدنصیبوں کے مقدر میں یہ بھی نہیں تھا۔ خالہ محترمہ نے اس جہاں سے کوچ کیا۔ خبر سنی رو دھو کر بیٹھ رہے۔ سوائے اسکے چارہ ہی کیا تھا۔ اب جب سے خالو صاحب مرحوم کی وفات کی خبر سنی ہے خون کے آنسو پی کے بیٹھ رہے۔

جب یہ سوچتا ہوں وہاں دہلی میں کہرام مچا ہوا ہوگا اور ہم یہاں بیٹھے ہیں تو دل میں اُبال سا اُٹھتا ہے آنسو آتے ہیں لیکن پی جانے کی کوشش کرتا ہوں اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے اور یہ خط کا لکھنا تو ایک رسمی سی بات ہے نہ تو میں اس پر اپنا دل نکال کر رکھ سکتا ہوں نہ ہی آپ کو اس سے تسلی ہو سکتی ہے۔ بہر حال جو خدا کو منظور ہوتا ہے۔ قبلہ خالو صاحب تو اپنے اسلاف سے جا ملے وہاں تو خوشیاں ہوں گی اور ان کا استقبال کیا ہوگا اور ہمارے بزرگوں کی ارواح مقدسہ کتنی خوش ہوئی ہونگی جبکہ ان کے پاس ان کے خاندان کا ہیرو پہنچا ہوگا یا اس دنیا کی پرانی ریت ہے۔ مرگِ بزرگاں میراثِ بنی آدم است

میں اپنے غم ہی سے آپ کا غم معلوم کر سکتا ہوں۔ آپ کے والد بزرگوار ہی نہیں تھے بلکہ آپ کے لئے سب کچھ تھے لیکن تقدیر کے سامنے کیا چارہ؟ ہم سب بہن بھائی آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ پروردگار دو عالم قبلہ خالو صاحب کو جنت الفردوس اعلیٰ علیین میں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر کی توفیق دے (آمین ثم آمین)

ہمیں مفصل طور پر علالت اور وفات کے حالات کا علم نہیں ہو سکا۔ فرصت کے موقع پر تفصیلات لکھیں کہ جنازہ کب اٹھا کون کون شریک ہوا۔ نماز جنازہ کتنے لوگوں نے پڑھی اور کہاں دفن ہوئے۔ اور آخری وصیت کیا تھی آخری وقت میں آپ میں سے کون کون تھے۔

ہمیں ان کی زندگی سے یہ سبق ملا ہے کہ انسان کو ہمیشہ حق گو ہونا چاہیئے۔ یہی مومن کی شان ہے قبلہ خالو صاحب مرحوم کی یہ صفت ایسی تھی جس کا مخالف بھی اقرار کرتے ہیں کہ انھوں نے کبھی حق بات نہیں چھپائی کسی بھی باطل کی طاقت سے مرعوب نہیں ہوئے انھوں نے اپنی تمام زندگی اسی شان سے گزاری ؎

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

آپ کا غم نصیب بھائی۔ محمد احمد لدھیانوی۔ گوجرانوالہ

قطعۂ تاریخ بصنعت ضرب و جمع

بر وفات حسرت سمات رئیس الاحرار مولٰینا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

نور اللہ مرقدہٗ

حضرت مرحوم نے دنیا کو پایا بے وفا — چل دیئے خالق سے ملنے کے لئے وہ باکمال
تھے وہ بطل حریت اور قوم پر قربان تھے — تھے سلف کی طرح وہ بھی ایک فرد بے مثال

سال چار چار کا ماتم کرو تم چار سو
محرم دانا مرنجان شیردل گردون جلال
۳۴۴ ۳۴۴ ۳۴۴ ۳۴۴

نوٹ:۔ مصرع تاریخ کے چاروں لفظوں کے اعداد جمع کریں تو مرحوم کا سال وفات برآمد ہوتا ہے اور چونکہ ہر لفظ کے اعداد مساوی ہیں لہٰذا ہر ایک کو ۴ پر ضرب دیں تو بھی یہی سال برآمد ہوتا ہے۔

ایک مصرع اور چار تاریخیں مرحوم کا [illegible] نہیں تو اور کیا ہے؟

۱۳۷۶ھ

دیگر

تفتا بہ جو ہے نمائے قسمت شد غب ... بہر کہ دید از غمش مبتلائے آہ گشت

فکر کردم سال دارش سر سروش آمد ندا ... سال رحلت ارتحال خلیل اللہ گشت

١٣٧٦ھ

نوٹ

یہ قطعہ بحر جدید میں ہے جس کا وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن چار بار ہے۔ عروض و ضرب ذیل بر وزن فاعلان ہیں۔ ارتحال کے لام کی زیر کو ذرا کھینچ کر پڑھیں تو بحر سالم من زحاف رہے گی ورنہ مزحوف مجحول بروزن فعلاتن شمار ہوگی۔

از نتیجۂ فکر محمد ادریس نسیم دھلوی تاریخ گو مرحوم

مصنف نشانی مفتی اعظم "معدن تاریخ"

١٣٧٥ھ ١٩٥٢ء

خطبہ صدارت جمعیۃ علماء کانفرنس صوبہ یوپی

منعقدہ امروہہ ضلع مرادآباد ۲-۳ نومبر ۱۹۴۶ء

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام

محترم حضرات!

جمعیۃ العلماء صوبہ یوپی کی کانفرنس کا صدر مجھے منتخب کرنا اس غلط عقیدت مندی کے مرادف سمجھتا ہوں جس کا مظاہرہ آج تک بہتر نہیں سمجھا تھا۔

میرے جیسے بے پڑھے لکھے آدمی کو علماء کی کانفرنس کا صدر منتخب کرنا علماء کے شایان شان نہیں ہے لیکن اور بہت لوگوں کے خط لکھ کر حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب کے حکم نے مجھے مجبور کر دیا کہ

میں مساوات کا حق [illegible]۔

دوستو!

تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کے مسائل الجھ گئے ہیں۔ تقسیم سے پہلے جس طرح مسلمانوں میں فرقہ پرستی شباب پر تھی اور ہر صحیح بات کہنے والا مسلمان فرقہ پرستوں کی نظر میں گر جاتا تھا۔ اسی طرح تقسیم ہند کے بعد ہندو فرقہ پرستی شباب پر ہے اور صحیح بات کہنے والا ہندوستانی آج بے اثر ہو چکا ہے۔ ہندو فرقہ پرستی نے مہاتما گاندھی جیسی بے نظیر شخصیت کی جان لے لی اور ہندوستان کو نہیں بلکہ دنیا کو ایک سچے رہنما سے محروم کر دیا اس لئے آج کے ہندوستان میں صحیح بات کہنا بہت مشکل ہے، مگر سچ کہنا چاہیئے اس لئے کہ سچ کبھی نہ کبھی وہ قبول کیا جاتا ہے۔ آج ہندوستان میں فرقہ پرستی کا زہر کانگریس کے اندر اور باہر ترقی کر رہا ہے۔ اسی بات کی ضرورت ہے کہ اس زہر کو ختم کرنے کے لئے ہم ہندوستان کے سچے خدمت گزار مہاتما گاندھی کی طرح سر بکف ہو کر میدان میں نکل آئیں تاکہ ملک گمراہ لوگوں کے اثر سے محفوظ رہے۔

مسلمان فرقہ پرستی کی سزا پا چکے۔ نہ ہندوستان کے اندر ان کی کوئی حیثیت باقی رہی اور نہ پاکستان میں کوئی بہتر حکومت بنا سکے کیونکہ پاکستان میں وہ اقلیتوں کو مطمئن کرنے میں ناکام رہے۔ مجھے ڈر ہے کہ ہندوستان کی فرقہ پرستی ہندوستان کو کمزور نہ بنا دے۔ ہندوستان کے وہ مسلمان جنہوں نے کانگریس کے ساتھ مل کر پورے تیس سال کام کیا ہے۔ ان کی ذمہ داری پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ایک طرف ان کے ذمہ یہ بات ہے کہ ہندوستان کی حکومت کو مضبوط بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔ تمام غیر ملکی حملوں اور سازشوں سے ملک کو محفوظ بنائیں، کیونکہ ہندوستان کی آزادی کے حصول میں اُن کا بہت بڑا حصہ ہے۔ بلکہ میں فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کو آزادی دلا کر دینے والے وہ مسلمان فخر کے ساتھ سر بلند کرنے کا حق رکھتے ہیں جنہوں نے تیس سال سے کانگریس کا ساتھ دیا ہے۔

آزادی میں مسلمانوں کا حصہ

جمعیۃ العلماء ہند نے بحیثیت جماعت اور پارٹی کے ۱۹۱۹ء سے کامل آزادی کا اعلان کیا اور اس پر قائم رہی۔ ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے ہر قسم کی تکلیف برداشت کی۔ جب کبھی جیل

پارٹی نے یہ کہا کہ کانگریس ہندو پارٹی ہے تو اس وقت ہندوستان کے کانگریسی لیڈروں نے جمعیۃ علماء ہند
خدائی خدمتگار، مجلس احرار اور تمام آزاد خیال مسلمانوں کو گن گن کر دکھایا کہ کانگریس ہندو جماعت نہیں
ہے اور جتنے مسلمان جو شریعت اسلامیہ کے سب سے بڑے عالم ہیں وہ کانگریس کے ساتھ ہیں۔ مثلاً
مفتی اعظم محمد کفایت اللہ صاحب، مولانا ابوالکلام آزاد اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ ہی کا
نام بار بار پیش کیا گیا۔ دنیا نہیں جانتی کس قدر علماء نے وطن کی آزادی کے لئے قید و بند کے مصائب برداشت
کئے ہیں اُن علماء کی تعداد ہزاروں سے کم نہیں۔

آج ہندو فرقہ پرست ذہنیت اُن علماء اور تمام مسلمانوں کو کچھ بھی کہے جنھوں نے وطن کی آزادی کے
لئے قربانیاں کیں اور پاکستان بننے اور دو قومی تھیوری کی علانیہ مخالفت کی لیکن آنے والے مورخ کو یہ اقرار
کرنا پڑے گا کہ ہندوستان کی آزادی میں سب سے بڑا ہاتھ اُنھیں مسلمانوں کا تھا جنھوں نے مسلم لیگ کی
مخالفت میں کھڑے ہو کر علانیہ کام کیا۔ سنہ ۱۹۴۶ء کے انتخاب میں مسلمانوں نے جبکہ عام حق رائے دہندگی نہیں تھا
۴۵ فی صدی ووٹ پاکستان کے خلاف دیئے اگرچہ آج اُن مسلمانوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں سمجھی جاتی بلکہ
مشرقی اور مغربی پنجاب کی آبادی کا تبادلہ کرتے وقت ان بے زبان مسلمانوں کو مسلم لیگ کے ہاتھ فروخت
کر دیا گیا جو ہمیشہ پاکستان کے خلاف رہے۔ سب سے بڑی قربانی پاکستان بناتے وقت جو کانگریس نے کی
وہ خان برادران اور سرخپوشوں کو مسلم لیگ کے حوالے کرنا تھا، اُن سُرخ پوشوں کے بدلے وہ ہندو سکھ
ہندوستان میں لئے گئے جو ہمیشہ اپنی فرقہ پرستی پر ناز کرتے رہے۔ اور جنھوں نے ہمیشہ ملک کی آزادی کو
ناقابل برداشت نقصان پہنچایا۔

آج وہ فرقہ پرست ہر آزاد خیال مسلمان کا بازاروں میں اور سفر میں مذاق اُڑاتے ہیں بہرحال ان
تمام حالات کے اندر بھی اسی ملک میں رہنا ہے اور پوری دیانت داری کے ساتھ ملک کی خدمت کرنا ہے
دوسری ذمہ داری ہماری یہ ہے کہ ہم اسلام کی سچی تعلیم اور مسلمانوں کی آبرو کو ہندوستان میں قائم رکھ سکیں
جس طرح ہم ملک کی آزادی کے لئے کانگریس کے اندر رہے اور اس وقت بھی یہ کہا گیا کہ ہم کانگریس اور
ہندوؤں کے [illegible] غلام ہیں ہم [illegible] وقت ان باتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے ملک کی خدمت کا [illegible]

آج ہم کو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرتے ہوئے ہندو فرقہ پرستوں کی طرف سے ہم پر مختلف قسم کے الزامات
لگ رہے ہیں ان سب سے بے نیاز رہ کر کام کرنا چاہیئے۔ انگریز کی جیل اور مسلم لیگ کا چاقو ہم کو راہ حق سے ہٹا نہیں
سکا تو اسی طرح آج ہم کو ہندو فرقہ پرستوں کی کوئی بات سچائی سے ہٹا نہیں سکتی لیکن ہمارے کہنے میں تلخی
نہ ہو بلکہ سچائی ہو اور مضبوطی سے ہمیں اس سچائی پر قائم رہنا چاہیئے۔

آج ہمارا فرض

سب سے بڑا کام ہمارے ذمہ یہ ہے کہ مسلم لیگ اور ہندو فرقہ پرستی نے مل کر ہندوستان میں جو نفرت کا
بیج بویا ہے اس کو جلا کر خاک کر دیں اور یہ کام عمدہ طریقہ پر علما اکرام ہی کر سکتے ہیں۔ نبی کریم
صلے اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی تیرہ سالہ سیرت کو سامنے رکھ کر ہمیں کام کرنا چاہیئے۔ راہ حق میں تمام
مصیبتیں برداشت کرنی چاہئیں مگر ہمارے دلوں میں انتقام اور بدلے کا جذبہ نہ ہو بلکہ ہمیں خوددار
مظلوم کی طرح کام کرنا چاہیئے یہی طریقہ کار ہندوستان کے ہندو مسلمانوں میں سچی محبت پیدا کرے گا
کانگریس کے اندر فرقہ پرستی کو بھی ہم ہی بند کر سکتے ہیں بشرطیکہ علمار کرام کی تمام طاقت اسی کام پر
لگ جائے۔

ہندوستان کے ساڑھے چار کروڑ مسلمانوں کو ایک خوفزدہ قوم کی طرح نہیں رہنا چاہیئے بلکہ ان
کو ایک باعزت خوددار ہندوستانی کی طرح ہندوستان کی خدمت کرنا چاہیئے اور آزادی کی نعمت سے پورا
پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوستان کے تمام طبقوں کی خدمت کرنے میں آگے بڑھ جانا چاہیئے۔ انگریز
کے بھروسہ اور پاکستان کے تصور نے ان کے دلوں میں ایک غلط جگہ پیدا کر دی تھی انگریز رخصت ہو گیا
اور پاکستان ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ایک غلط سہارا ہے۔ اور یہ سہارا نقصان دہ اور
ضرر رساں... ثابت ہوا۔ ان دونوں سہاروں کے ٹوٹ جانے سے ہندوستان کے مسلم عوام اپنے آپ کو بے بس و
بے کس تصور کر رہے ہیں اور وہ ہمارا اور وطن کی تلخ نوائی سے خوفزدہ ہیں۔ مجھے دکھ کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی
ہے کہ ہم مذہب سے زیادہ اہم بھروسہ کرنے کی بنیادوں پر چلا اور جس کے ماننے والے اس لئے تمام دنیا میں اول درجہ
کے انسان [illegible] انھیں صرف خدا پر ہی بھروسہ تھا وہ آج دنیا کے ناپائیدار سہاروں پر [illegible]

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو شکست دینے گئے تھے غلطی کا احساس اور سچی توبہ سے دنیا کے اول درجہ کا انسان بن سکتے ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جب مسلمان، ہندو اور سکھ بجائے اپنی غلطی کے احساس کے دوسروں کی غلطیوں کا جائزہ لیتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ابھی ہم ترقی نہیں کر سکتے۔ ہندوستان کا بھلا، اس کی ترقی کا راز اس بات میں ہے کہ ہٹلر کی طرح نعرے لگانے کے بجائے مہاتما گاندھی کی طرح ہر شخص اپنے اندر خدمت خلق کا جذبہ پیدا کرے اور ہر شخص یہ سوچے کہ اس نے کیا غلطی کی ہے یعنی ہندو، مسلمان اور سکھوں کو اپنی اپنی غلطیوں کا احساس کرنا چاہیئے اگر ایسا کیا گیا تو ملک بہت کچھ آگے بڑھ جائے گا اور ہندوستان دنیا میں اول درجہ کا ملک سمجھا جانے لگے گا۔

کلچر کا سوال

بعض کانگریسی دوست مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ ہندو کلچر قبول کرلیں میں نہیں جانتا وہ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں حالانکہ ہندوستان میں صوبائی کلچر اور تہذیب موجود ہے۔ کوئی مذہبی کلچر اور تہذیب موجود نہیں ہے صوبہ سرحد کی تہذیب اور کلچر خواہ ہندو ہوں یا مسلمان ایسی مشترک تھی کہ ہندو اور مسلمان یا سکھ میں امتیاز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس طرح سندھ و مدراس میں بنگال کے رہنے والوں کا بھی ایسا ہی جدا کلچر ہے ان کی طرز معاشرت سے کوئی نہیں جان سکتا کہ ان میں ہندو کون ہے مسلمان کون ہے۔ آپ صوبہ یو۔پی کو دیکھ لیں کہ یہاں کے ہندو مسلمان رؤسا کا کلچر ایک ہے اس میں کوئی علیحدگی نہیں پائی جاتی البتہ نماز پڑھنے اور مندر جانے میں مختلف نظر آتے ہیں جو لوگ مسلمانوں کو ہندو کلچر قبول کرنے کی تلقین کرتے ہیں انھیں صاف صاف کہنا چاہیئے کہ اس سے ان کا کیا مطلب ہے۔ ورنہ کلچر کے بارے میں وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اُن میں کوئی سچائی نہیں۔ ان دوستوں کو کان کھول کر یہ سن لینا چاہیئے کہ ہمیں ایک سچے مسلمان بن کر ہندوستان میں بطور ہندوستانی کے زندہ رہنا ہے اور اسلام کی تعلیم کے ایک ایک گوشہ کی ہمیں حفاظت کرنی ہے۔ کیوں کہ ہماری سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ پچھلے سو برس میں جو اسلام انگریز نے ہندوستان میں پیش کیا ہے اس کو مٹا کر ہم سچا اسلام دنیا کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ہمیں کوئی طاقت اسلام کی سچائی سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہوسکے گی۔

چند متفرق مسائل سے متعلق بھی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

زبان کا مسئلہ

ہندوستان میں زبان کا مسئلہ سب سے اہم بن گیا ہے اسلام کی مذہبی اور سرکاری زبان صرف عربی زبان ہے بنو امیہ کی حکومت تک حکومت کی زبان بھی صرف عربی رہی لیکن بنو عباس نے اپنے سیاسی مقاصد کی کامیابی کے لئے غیر عرب ممالک میں فارسی زبان کو حکومت کی زبان بنا دیا اور اس کو بڑھانے کی کوشش کی چنانچہ صدیوں میں دنیائے اسلام کے بہت بڑے حصے کی زبان فارسی بن گئی اور ہندوستان۔ ایران۔ افغانستان۔ ایشیائے کوچک اور عراق اور ترکی کے کچھ حصے میں فارسی زبان آ گئی۔ مسلمان علماء اور صوفیائے کرام نے اسلام کی ساری تعلیم فارسی زبان میں منتقل کر دی بلکہ فارسی زبان کی بعض کتابیں عربی زبان کی کتابوں سے بھی زیادہ مسلمانوں میں مقبول ہو گئیں جیسے مثنوی مولانا روم۔ ہندوستان کی سرکاری زبان کئی سو برس تک فارسی رہی۔ یہاں کے ہندو مسلمانوں نے اس کو اپنی علمی زبان بنا لیا۔ یہاں تک کہ سکھ حکومت میں بھی فارسی زبان سرکاری زبان رہی مگر انگریزی سیاست نے سب سے پہلے فارسی زبان کو ختم کرنے کا تہیہ کیا۔

انگریزوں کی ابتدائی حکومت نے اس امر کا معاہدہ کیا تھا کہ ہندوستان کی سرکاری زبان فارسی رہے گی اور قاضیوں کا محکمہ ہمیشہ قائم رہے گا لیکن انگریزی سیاست نے ۱۸۵۷ء کے بعد فارسی زبان کو حکومت کے ایوان سے نکال دیا اور اس کے بجائے انگریزی زبان جاری کر دی مسلمان اور ہندوؤں کو فارسی زبان کی طرف سے غافل کرنے کے لئے اُردو اور ہندی کا نشہ پلانا شروع کر دیا۔ یو پی۔ بہار اور پنجاب و سرحد کے علاوہ کسی صوبہ میں ابتدائی مدرسوں اور عدالتوں میں اُردو زبان کو سرکاری زبان نہیں بنایا گیا۔ لیکن مدراس۔ ہندوستان۔ سندھ بمبئی۔ گجرات وغیرہ میں انہیں صوبوں کی زبانیں ابتدائی مدرس اور عدالتوں کی زبانیں رکھی گئیں، انگریز کی قابلیت نے ہندی اُردو کے جھگڑے سے یہ فائدہ اُٹھایا کہ آہستہ آہستہ ہندوستان کی علمی اور مشترک زبان انگریزی بن گئی۔ موجودہ اُردو کی پیدائش ۱۸۵۷ء کے بعد باقاعدہ شروع ہوئی، اور مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر اسے کافی ترقی دی اور وہ ملک کا

مذہبی لٹریچر بھی بہت کچھ اردو میں منتقل ہوگیا، دوسری طرف ہندی نے جنم لینا شروع کیا، مگر باقاعدہ ابھی تک میدان میں نہ آسکی۔

آزاد ہندستان میں کون سی زبان مشترک ہو اُس کا فیصلہ مہاتما گاندھی اور کانگریس نے یہ کیا کہ زبان ہندستانی ہو جس میں سادے الفاظ ہوں اور رسم الخط دیوناگری اور فارسی ہو۔ تقسیم ہند کے بعد یہ نظریہ ہندوؤں کے ایک بہت بڑے طبقے میں گر گیا اور وہ ناگری رسم الخط کو ہی تمام ہندستان میں رائج کرنا چاہتے ہیں اگر مہاتما گاندھی اور کانگریس کی تجاویز کے خلاف ہندی زبان ہی کو حکومت کی زبان بنایا جاتا ہے تو میری رائے میں مسلمانوں کو اس بارے میں یہاں کوئی جھگڑا مول نہ لینا چاہیئے بلکہ مسلمانوں کو ہندی کے ساتھ وہی طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے جو انھوں نے فارسی کے ساتھ اختیار کیا تھا یعنی تمام قسم کا اسلامی لٹریچر علمار اور صوفیا کی اور خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہندی رسم الخط میں منتقل کر دینا چاہیئے تاکہ اسلام کی سچی تعلیم برادران وطن کے سامنے بخوبی آ جائے، اور مسلم لیگ کے زہریلے پراپیگنڈے نے ان کے دماغوں میں جو مستقل بدظنی پیدا کر رکھی ہے جلد زائل ہو جائے۔

ہندستان کی حکومت کی مشترکہ زبان اور ایک رسم الخط بنانے میں ان کی راہ روک کر کھڑا ہونا مناسب نہیں۔ کیوں کہ جس طرح انگریزوں کے زمانے میں ہندو اور مسلمانوں نے اردو کو زندہ رکھا اسی طرح آج ہندی کے ساتھ اردو کو بھی زندہ رکھ سکتے ہیں۔ ہندوؤں کو میں یہ مشورہ دوں گا کہ زبان کے بارے میں جو انھوں نے فرقہ وارانہ ذہنیت سے کام کرنا شروع کیا ہے وہ ہندی کے لئے ترقی کا باعث نہ ہوسکے گا ان کو بھی مہاتما گاندھی کے مشورے اور کانگریس کی تجویز کو مان لینا چاہیئے۔ یعنی زبان ہندستانی اور رسم الخط دونوں ہوں ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کی یہ ذہنیت ہندی زبان کی ترقی کو نقصان پہنچا رہی ہے زبان اور کلچر ملکوں اور قوموں کے حالات سے پیدا ہوتے ہیں وہ مذہبی تخیلات اور فرقہ وارانہ ذہنیتوں سے نہ ترقی پاتے ہیں اور نہ کامیاب ہوتے ہیں مسلمانوں کو اس بارے میں بحث نہ کرنی چاہیئے زبان کی کامیابی اس کے علمی لٹریچر پر موقوف ہے اس سے زیادہ صاف بات یہ ہے کہ مستقبل میں ہندستان کا کلچر لباس اور تہذیب بالکل یورپین بن جائے گی اگر نہ بنی تو ملک ترقی

نہ کرسکے گا اس لئے ایسی چیزوں پر جھگڑا کرنا سوائے تلخی پیدا کرنے کے اور کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔

گائے کی قربانی اور اس کا ذبیحہ

یہ مسئلہ بھی ہندوستان میں کچھ مشکلات پیدا کر رہا ہے۔ ہندوستان تقسیم ہوتے ہی یہاں کے ہر ہندو میں یہ خواہش اُبھر آئی ہے کہ گائے کا ذبیحہ اور اُس کی قربانی بند کی جائے۔ ہندوستان کے تقریباً تمام ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل کمیٹیوں نے یہ قرار دادیں منظور کیں کہ ان کی حدود میں گائے کا ذبیحہ نہیں ہوگا لیکن مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتیں اس بارے میں خاموش ہیں۔

گزشتہ بقرعید کے موقع پر حکومت نے بجائے خود کچھ اعلان کرنے مسلمان لیڈروں سے یہ اعلان کرانے کی کوشش کی کہ وہ مسلمانوں کو گائے کی قربانی بند کرنے کا مشورہ دیں۔ میں جانتا ہوں کہ ہندو فرقہ پرستی اور آنے والے الیکشنوں کی وجہ سے حکومتیں ایسے مسائل میں خاموش رہنا چاہتی ہیں تاکہ ہندو عوام پر غلط اثرات مرتب نہ ہوں مگر میں حکومت سے کہوں گا کہ اسے خاموش نہ رہنا چاہیئے، مجھے یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ گزشتہ عید کے موقع پر چھوٹے درجے کے حکام نے بالجبر مسلمانوں سے قربانی بند کرائی ہے اور جہاں کہیں کسی مسلمان نے جرأت سے گائے کی قربانی کرلی حتیٰ کہ کٹڑے اور بھینس کی قربانی کرنے پر بھی سخت جسمانی سزا ملی اور بعض مقامات پر مقدمات چلاکر سزائیں بھی دی گئیں ایسی حالت میں حکومت کا خاموش رہنا خطرناک غلطی ہے۔

حکومت ہند کے سامنے دو مشکلات ہیں ایک طرف دنیا کو یہ بتانا چاہتی ہے کہ ہندوستانی حکومت غیر مذہبی حکومت ہے دوسری جانب ہندو فرقہ پرستی سے خائف ہے۔ لیکن اس کی متذبذب حالت مسلمانوں کے لئے سخت تکلیف دہ ہے اگر کانگریس اور حکومت ہند کا فائدہ آج اسی میں ہے کہ ہندوستان میں گائے کا ذبیحہ اور قربانی ممنوع قرار دیدی جائے تو میں کہوں گا کہ حکومت کو واضح طور پر اعلان کردینا چاہیئے کہ ملک کے کسی گوشہ میں ذبیحہ گائے اور قربانی نہیں ہوسکتی اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ عام ہندو مسلمانوں اور نیچے کے افسروں میں جو تلخی موجود ہے وہ ختم ہو جائے گی اور میرا یقین ہے کہ کٹڑے کی ضرورت اور جانوروں کی زیادتی خود اس مسئلہ کو حل کردیگی۔ اس لئے اس بارے میں، میں حکومت ہند کو

مشورہ دوں گا کہ وہ اپنی پالیسی کا صاف اور صحیح اعلان کریں اور جمعیتہ علماء ہند کے کارکنوں کی خدمت میں یہ عرض کروں گا کہ ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کی خدمت کے لئے خود کو تیار کریں۔

جمعیتہ علماء کی اہمیت

لکھنؤ مسلم نیشنل کانفرنس کے فیصلے کے مطابق تمام مسلم نیشنلسٹ جماعتوں مجلس احرار، شیعہ کانفرنس، مومن کانفرنس وغیرہ نے بطور جماعت اپنے آپ کو ختم کر دیا۔ سب سے بڑی قربانی اس راہ میں مجلس احرار کے رہنماؤں نے کی ہے کہ انھوں نے مولانا آزاد کے حکم کے مطابق مجلس احرار کے جماعتی نظام کو توڑ دیا اور صرف رضاکاروں کا نظام احرار خدام خلق کے نام سے باقی رکھا ہے۔ احرار رضاکار بڑے مخلص اور بہادر ہیں اور سب نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ جمعیتہ علماء میں شریک رہیں گے اس لئے میں جمعیتہ علماء ہند کے اراکین سے پرزور اپیل کروں گا کہ وہ جماعتی حدود سے نکل کر ہر جماعت کے آدمی کو اپنے اندر جذب کر لینے کی وسعت پیدا کریں۔ جمعیتہ علماء اب ۴½ کروڑ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بن رہی ہے اس لئے اب یہ پرانے چند افراد کے ساتھ ملک کے اندر کام نہیں کر سکتی ہے۔ جب تک کہ مسلمانان ہند کے ہر اچھے آدمی اور ہر جماعت کے آدمی کو شامل ہونے کا موقع نہ دیا جائے تاکہ جمعیتہ العلماء ہند مسلمانوں کی ایک مضبوط جماعت بن جائے۔

ہندوستان کے اندر جمعیتہ العلماء کی سب سے بڑی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ حکومت ہند اور مسلمانوں کے درمیان مسائل کے حل کا واسطہ بھی بنے گی اور ہندو مسلمانوں میں سچا اتحاد اور دلی محبت بھی یہی جماعت پیدا کر سکتی ہے کیونکہ یہی وہ جماعت ہے جس کی ہندوستان میں ملی اور ملکی خدمات سورج سے زیادہ روشن ہیں۔ جمعیتہ العلماء کے ذمہ سب سے بڑا کام ہندوستان میں یہ ہے کہ اسلام کی سچائی اور اس کی روشنی کو جو انگریزی سیاست نے فرقہ پرستی کے پردہ کے پیچھے چھپا دی تھی، پردہ کو چاک کر کے دنیا کے سامنے لائے اور یہ ظلمت کا پردہ تب ہی چاک ہو سکتا ہے کہ جب جماعت پاور پالٹیکس سے الگ ہو کر پوری پرہیزگاری اور تقوے کے ساتھ علم و عمل کی زندگی دنیا کے سامنے رکھے میرا یقین ہے کہ اگر ہم اس پر عمل کریں تو چند سالوں کے اندر اسلام سربلند ہو جائے گا اور اسلام کے شدید مخالف سچے خادم

بن جائیں گے۔

نیشنلسٹ مسلمانوں کی پوزیشن

قوم پرور اور نیشنلسٹ مسلمانوں کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ہندو فرقہ پرستوں نے ہمیشہ نیشنلسٹ مسلمانوں کو مسلمانوں میں بے اثر بنانے کی کوشش کی اور فرقہ پرست ہندو پریس نے اس کا ساتھ دیا چنانچہ جب کبھی نیشنلسٹ مسلمانوں نے فرقہ پرست مسلمانوں کے خلاف کوئی بیان دیا تو اس کو ہمیشہ جلی حروف سے شائع کیا گیا لیکن جب انہی مسلمانوں نے ہندو فرقہ پرستوں کے خلاف کوئی آواز اُٹھائی تو اسے یا تو شائع ہی نہیں کیا یا پھر کوئی اہمیت نہیں دی اور ساتھ ہی ان کو فرقہ پرست کہہ کر ہندوؤں میں بدنام کرنا شروع کر دیا اور فرقہ پرست ہندوؤں کا یہی طرز عمل تھا جس نے نیشنلسٹ مسلمانوں کو بے اثر کر دیا جو آخر میں کامیاب ہوا۔

ہندوستان کی تقسیم کے بعد ہندو فرقہ پرست اخبار اور جماعتیں ان تمام مسلمانوں اور بالخصوص جمعیۃ العلماء کے خلاف یہ جھوٹا پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ جمعیۃ العلماء ہند اور نیشنلسٹ مسلمان فرقہ پرستی کی طرف جا رہے ہیں یہ ایسا کیوں کر رہے ہیں اس لئے کہ ہندو فرقہ پرست یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جمعیۃ العلماء ہند اور آزاد خیال مسلمان کانگریس کو صحیح کانگریس بنائے رکھیں گے اور فرقہ پرستی کا جو زہر کانگریس میں داخل ہو چکا ہے یہی نکال باہر کرنے میں کامیاب ہوں گے جمعیۃ علماء ہند کے خلاف اس قسم کے الزام تراشنے والے لوگ وہی ہندو فرقہ پرست ہیں جنھوں نے مشرقی پنجاب میں ڈاکٹر کچلو اور ان کے ہزاروں سچے کانگریسی رفیقوں کو نہیں رہنے دیا ہندو فرقہ پرست آج عبدالغفار خاں کا نام لے کر روتے ہیں حالانکہ یہ ان کو مسلم لیگ کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں سچ بات یہ ہے کہ جمعیۃ العلماء کی مخالفت اس لئے نہیں کی جا رہی کہ وہ فرقہ پرست ہے بلکہ اس لئے کی جا رہی ہے کہ وہ فرقہ پرستی کو مٹانا چاہتی ہے اس لئے ہمیں ایسی باتوں سے بے نیاز ہو کر کام کرنا چاہیئے۔ ہندوستان کی ہر فرقہ پرست جماعت ایک نہ ایک دن ختم ضرور ہوگی اور سچائی کا آفتاب طلوع ہو کر رہیگا

چونکہ مولانا حبیب الرحمٰن صدر اجلاس کی صحت اچھی نہیں تھی اس لئے یہاں تک ان کا خطبہ ان کی بجائے مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانوی ان کے بڑے صاحبزادے نے پڑھ کر سنایا اس کے بعد مولانا نے حسب ذیل زبانی تقریر فرمائی۔

آپ نے کہا کہ پاکستان کے بعض لیڈر اور اخبارات یہ کہتے ہیں کہ ہم ہندو کو برداشت کرسکتے ہیں سکھ کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح بعض سکھ لیڈر بھی یہ کہتے ہیں کہ یہاں مسلمان برداشت نہیں کئے جاسکتے ایسی باتیں کرنے والے سخت غلطی کرتے ہیں۔

کیا سکھ اور مسلمان دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں ایسا سمجھنا بالکل غلط ہے میں ذاتی طور سے جانتا ہوں کہ ہزاروں سکھوں نے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کی خدمت کی اور ان کو بچا بچا کر مسلمان کیمپوں میں بحفاظت پہنچایا اسی طرح ہزاروں سکھوں کو مغربی پنجاب میں مسلمانوں نے باعزت طریقہ سے بچایا اور کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچنے دیا آج بھی مغربی اور مشرقی پنجاب کے مسلمانوں اور سکھوں میں خط و کتابت ہو رہی ہے مغربی پنجاب کے ہزاروں مسلمان سکھوں کو واپس آنے کی دعوت دیتے ہیں اور مشرقی پنجاب کے سکھ ان مسلمانوں کو جو مغربی پنجاب چلے گئے ہیں واپس آنے کی دعوت دے رہے ہیں۔

اگر تبادلۂ آبادی کا معاہدہ منسوخ ہو جائے اور لاہور اور دہلی کے درمیان پرامن طریق سے گاڑیاں چلنے لگیں تو دنیا دیکھ لے گی کہ سکھ اور مسلمان کس طرح آپس میں ملنے جلنے لگتے ہیں۔ میرا تجربہ ہے کہ مشرقی و مغربی پنجاب کے فسادات میں دس فیصدی غنڈوں نے پولیس کی امداد سے یہ ساری تباہی برپا کی ہے ورنہ دونوں طرف کی ۹۰ فی صدی آبادی امن و سکون چاہتی تھی پرامن آبادی اکثریت میں تھی مگر بے بس تھی پاکستان کے مسلمانوں کو سب سے زیادہ سکھوں سے میل جول پیدا کرنا چاہئیے اور فسادات کے زمانے کے پرانے نعرے لگانے بالکل چھوڑ دینے چاہئیں اگر وہ ایسا کریں گے تو مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کو آباد ہونا سب سے زیادہ آسان ہو جائے گا۔ یہ دنیا عجیب ہے کہ سکھ اور مسلمان مذہب کے اعتبار سے جتنے قریب ہیں اتنے ہی آج ایک دوسرے کے دشمن سمجھے جا رہے ہیں۔

اگر نیک نیت ہندو اور سکھ اہل علم سکھوں اور مسلمانوں کی صحیح تاریخ مرتب کریں تو میرا یقین ہے کہ یہ دشمنی محبت سے بدل سکتی ہے۔ مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ دنیا میں ہر غلطی کی کچھ نہ کچھ سزا ملتی ہے۔ پاکستان کے بنانے میں جو رویہ اختیار کیا گیا اس کی سزا ملنا قدرتی بات ہے ہمیں اب چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھبرانا نہیں چاہئیے۔ اب حالات کو صحیح بنانا ہمارے اپنے کیرکٹر پر موقوف ہے۔ ابتدائے اسلام میں

مکہ کے مسلمانوں نے سچائی کی راہ میں جو مصائب برداشت کئے اور اپنے دشمنوں کے لئے بجائے انتقام اور بدلہ لینے کے، راتوں کو اٹھ کر ان کی ہدایت کی دعائیں کیں اسی کا نتیجہ تھا کہ تمام مخالفین عرب ان کے قدموں میں گرے اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ہم پر تو ان جیسی کوئی مصیبت ہی نہیں آئی اور نہ ہم اس کی برداشت کے اہل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ کو نیکی اور بھلائی کی طرف بڑھنا ہے اور تمام انتقامی اور بدلہ لینے کے تصور سے اپنے دلوں کو پاک رکھنا ہے۔

آپ نے کہا کہ میرا گھر مشرقی پنجاب میں لٹا اور مجھے گھر سے نکلنا پڑا۔ میں نے اور میرے خاندان نے وطن کی آزادی کے لئے جیلیں کاٹیں اس کے باوجود ہمیں مصائب برداشت کرنے پڑے مگر میں قبلہ رو ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہندو سکھوں کے خلاف میرے دل میں کبھی ادنیٰ سے ادنیٰ جذبۂ نفرت پیدا نہیں ہوا۔ میرا یقین ہے کہ اگر میرے اندر سچائی ہوگی تو خود یہ لوگ میری طرف جھکیں گے ورنہ ایک غلط زندگی کے ساتھ کامیابی تلاش کرنا بیکار ہے۔ غرضیکہ اسلام کی ترقی کا راز اس طرح کے سفر پر موقوف ہے کہ راہِ حق میں ہر مصیبت کو خوش دلی کے ساتھ قبول کر لیا اور باوجود انتہائی مصائب کے سچائی پر قائم رہنا اور ظلم کرنے والوں کے لئے بجائے انتقامی جذبہ کے ہدایت کی دعا کرتا ہے۔ خدا مجھے اور آپ کو سیدھے راستہ پر چلنے کی توفیق دے۔

اقتباس خطبہ قومی کانفرنس پٹنہ

تقسیم ہند کے بعد گائے کی حفاظت کا معاملہ دوسری طرح سامنے آیا ہے یعنی ہند میں بیکار جانوروں کا کیا کیا جائے۔ میں نے نومبر ۱۹۴۸ء میں امروہہ کے ایک جلسہ میں صدارت کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ گائے کے ذبیحہ میں مسلمانوں کو بالکل خاموش ہونا چاہئے۔ بلکہ اس مسئلہ کو چھونا تک نہیں چاہیئے چراگاہوں کی قلت اور چمڑے کی ضرورت خود بخود ان مسائل کو حل کرنے پر مجبور کر دے گی۔ میں خوش ہوں کہ مسلمانوں نے میرے مشورہ پر کافی سے زیادہ عمل کیا۔ بیکار جانوروں کی کثرت اور ان کے خوراک کے معاملے نے حکومت اور ہندوستان کو پریشان کر رکھا ہے کہ ان کا کیا ہوگا۔

گذشتہ سال ایک پبلک جلسہ میں میں نے مسلمانوں سے یہی کہا کہ تم صرف دودھ کے لئے گائے رکھو اور جب وہ دودھ دینے کے قابل نہ رہے تو اسے ہمسایہ ہندو کے سپرد کر دو۔ اس جلسہ میں کئی ہزار ہندو تھے۔ میں نے پوچھا یہ تجویز منظور ہے۔ کسی کو ہاں کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ان حالات نے ظاہر کر دیا کہ ہندوستان کے قصائی صاحبان ہندوستان کی خدمت کرتے تھے یعنی بیکار ناکارہ جانوروں سے ملک کو بچانا۔ چمڑا مہیا کرنا اور ردی قسم کے جانوروں کا گوشت بیچارے مسلمانوں کو دینا، کیونکہ عمدہ قسم کی گائے کا گوشت تو صرف انگریز ہی کھاتا تھا، میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کام کو چھوڑنے سے گذشتہ تین برس میں قصائی صاحبان کی روزی کو کافی صدمہ پہونچا ہے مگر ان کو یہ تکلیف برداشت کرنی چاہیئے اور اب نہ صرف گائے کو بلکہ کسی بھی ایسے جانور کو نہ کاٹنا چاہیئے جس سے ہندو صاحبان مشتعل ہوں۔ عنقریب وقت آئے گا کہ ہندوستان کی تمام حکومتیں اور خود ہندو عوام قصائی صاحبان کو تلاش کریں گے تاکہ وہ ملک کو بیکار جانوروں سے نجات دلائیں۔ درحقیقت یہ مذہبی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اقتصادی اور خوراک کا مسئلہ ہے اس کا حل کرنا یہاں کی ہندو اکثریت کا کام ہے، ہمارا نہیں۔

عزیزان من! دولت مندوں کی قوت عام رائے دہندگی نے ختم کر دی ہے۔ ملک کے عوام زیادہ تر غریب ہیں اور ہماری۔۔۔۔ برادری بھی عام طور سے زیادہ غریب ہے اب غریبوں کو خوش ہونا چاہیئے کہ حکومت بنانے کے اختیارات ان کے ہاتھ میں آ گئے ہیں۔ غریبوں کو ایک مرکز پر جمع ہونا چاہیئے مگر ان میں بھی جو زیادہ لائق۔ زیادہ دیانت دار۔ زیادہ محنتی ہوگا وہی ملک کا رہنما ہو جائے گا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ آپ موجودہ حکومت سے بے نیاز ہیں۔ بلکہ اپنے اندر وہ سیاسی شعور پیدا کریں کہ حکومت بنانے والے آپ کی غریب برادری کے دروازوں پر پھریں۔

پچھلے تیس سال کا تجربہ ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ ہمارے ملک کے پڑھے لکھے خود غرض لوگوں نے قوم کو قوم کئی مرتبہ ملک کو بھی فروخت کیا۔ اس وقت پڑھے لکھے اور کھاتے پیتے طبقے کا زیادہ فرض ہے کہ وہ عوام کو صحیح راستہ پر چلنے کی تلقین کریں اور خود غرضی اور اپنی سربلندی کی خواہش

سے ہٹ کر عوام کو آگے بڑھنے کا موقع دیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ایسا کیا گیا تو چند سالوں میں آپ اپنی برادری کو ترقی یافتہ برادریوں کے برابر پائیں گے۔ میں یہ بات اس یقین کی بنا پر کہتا ہوں کہ میں نے اپنے شہر میں مزدوروں اور ان پڑھوں کو کمیٹی کا ممبر بنوایا۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ وہ لوگ زیادہ دیانتدار اور شہر کے لئے مفید ثابت ہوئے۔

ہندوستان میں آج کل اور بھی کئی مسائل چل رہے ہیں۔ ان میں سے اُردو زبان کا بھی ایک مسئلہ ہے۔ یہ زبان تمام ہندوستان والوں کی مشترکہ وراثت ہے۔ سب سے زیادہ اس زبان کو ان لوگوں نے نقصان پہونچایا اور پہنچا رہے ہیں جنھوں نے یہ کہا کہ یہ زبان مسلمانوں کی زبان ہے کسی زبان کی حفاظت تقریریں کرنے یا حکومت پر بھروسہ کرنے سے نہیں ہو سکتی۔ اگر اُردو زبان کے ماہرین یا اس کو پسند کرنے والوں نے اس زبان کو علمی زبان بنانے کی سرتوڑ کوشش کی تو کون ہے جو اس زبان کو مٹا سکے؟ اگر کام کرنے والوں نے عملی قدم آگے بڑھایا تو آئندہ یہی زبان مقبول عام ہوگی۔ ہندی زبان دراصل اردو زبان کا ہی دوسرا نام ہے۔ یہ تو تعصب فرقہ واریت کی عنایت سے دو زبانیں بن گئیں۔

ہندی زبان اب ملک کی حکومت کی زبان قرار دی گئی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم خود بھی پڑھیں اور لوگوں کو پڑھانے کا کام بھی اپنے ہاتھ میں لیں۔ میں یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ ہم ہی ہندی کو ایسی زبان بنا سکتے ہیں کہ وہ عوام کے لئے زیادہ کارآمد اور مفید ثابت ہو سکے۔ جو لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ چونکہ حکومت کی زبان ہندی ہو گئی ہے، اس لئے اُردو زبان مٹ جائے گی۔ یہ سمجھنا سراسر غلطی ہے ہندوستان میں صدیوں فارسی زبان رائج رہی۔ ایک صدی کے قریب انگریزی زبان نے راج کیا۔ پھر ہندوستان کی کون سی زبان ہے جو مٹ گئی ہو۔ جن لوگوں نے اپنی زبان کے لئے محنت کی وہ ترقی کر گئی۔ ہم چاہتے یہ ہیں کہ کریں کچھ نہیں اور ہماری آرزوئیں خود بخود پوری ہو جائیں۔

(منعقدہ ۲۱، ۲۲، ۲۳ اپریل ۱۹۵۱ء)

• رئیس الاحرار کے بصیرت افروز سیاسی مشورے

جن پر

• آج ہند و پاک کی حکومتیں عمل کر رہی ہیں

ہند و پاکستان دوستی پر رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کا تاریخی خط

کتاب کے آخر میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا حسب ذیل خط تاریخی دستاویز ہے اس لئے یہ خط کتاب کے آخر میں درج کیا جاتا ہے یہ خط رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے لیاقت نہرو پیکٹ کے موقع پر راشٹرپتی ہاؤس میں نواب زادہ لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان کی خدمت میں ملاقات کے وقت پیش کیا تھا۔

کوچہ رحمان مکان ۵۲۹۶ گلی شمڈ والی
گھنٹہ گھر چاندنی چوک دہلی ، ۷ اپریل ۱۹۵۰ء

مکرم و محترم جناب نواب زادہ لیاقت علی خاں وزیر اعظم دولت پاکستان

السلام علیکم۔ آپ کے اس دوستانہ مشن کے ہندوستان آنے پر جتنی خوشی مجھے ہوئی میں اسے بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں پاتا۔

آپ کے ہاتھوں میں کروڑوں انسانوں کی قسمتوں کا فیصلہ ہے بحیثیت ایک مسلمان کے میرا دل یہ چاہتا ہے کہ پاکستان میں غیر مسلموں کے لئے ہر قیمت پر عملی طور پر ایسا امن و انصاف موجود ہو جائے جس کے بعد کوئی نہ کہہ سکے کہ اسلامی حکومت اور ظلم کی حکومت دو مترادف الفاظ ہیں جب کوئی شخص تقریر و تحریر میں اسلامی حکومت اور ظلم کی حکومت کے مترادف معنیٰ بیان کرتا ہے تو میرا دل و جگر زخمی ہو جاتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں لکھنے والے اور کہنے والے کو کس طرح سمجھاؤں، کہ اسلامی حکومت امن و انصاف اور رحمت کی حکومت ہے۔

آپ ہندوستان کے مسلمانوں کے مصائب سے بے نیاز ہو کر اسلامی نقطۂ نظر اسلامی روایات کے مطابق پاکستان میں غیر مسلم اقلیت کو ایسے حقوق دیدیں جس پر ہندوستان کی غیر مذہبی حکومت اور یہاں کے غیر مسلم عوام رشک کریں۔

ہندوستان اور پاکستان مل کر اگر اپنا مساویانہ معیار صلح بنالیں تو یہ دونوں ملک ایشیا کی رہنمائی کا فخر حاصل کر سکتے ہیں اور جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کو تیسری جنگ سے بچا سکتے ہیں

اس سے بھی زیادہ یہ کہ عرب میں یہودی حکومت کے بڑھتے ہوئے اثرات فوراً رک جائیں گے اور دنیا میں مسلمان حکومتوں پر جو مصائب آنے والے ہیں وہ بھی ٹل جائیں گے۔ وہ کیا مصائب ہیں آپ خود جانتے ہیں میں اُن کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔

ہندوستان کے ساتھ بہتر تعلقات کے بارے میں میری یہ قطعی رائے ہے کہ پاکستان کا پریس پنڈت جواہر لال نہرو کی عظمت کے ساتھ ساتھ سردار پٹیل کی بھی عظمت کرے کیوں کہ شخصیتوں کی عظمت ہی سے قوموں کی زندگی بدلی جاتی ہے۔ موجودہ ہونے والے فیصلے کے بارے میں ذیل کے نکات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

(۱) موجودہ معاہدے اور فیصلہ کے بعد یہاں سے پاکستان پہونچکر آپ مغربی پنجاب سندھ سرحد کے اُن غیر مسلموں کے متعلق بھی جو ۱۹۴۷ء میں تباہ ہوئے تھے ایک ہمدردانہ بیان دیں جس سے مستقبل قریب میں غیر مسلموں کو بھی پاکستان میں آنے جانے کی امید پیدا ہو جائے۔

(۲) ہندوستان میں رہنے والے لاکھوں شرنارتھی ایسے ہیں جو صدق دل سے پاکستان کو اپنا وطن بنانے پر راضی ہیں اور پُرامن زندگی میں پاکستان کے وفادار رہنے پر رضامند ہیں۔ ان میں نہ شرارت کا جذبہ ہے۔ نہ بغاوت کا۔ (۳) پاکستان میں ہندوستان کے ملے جلے دوستانہ مشنوں کے خیر مقدم کی فضا پیدا کی جائے (۴) پاکستانی پریس اسلامی طرز اختیار کرے اور دنیا کے ہر شخص کے لئے امن چاہے۔
(۵) آپس میں جنگ نہ کرنے کا اعلان اسی دوستانہ فضا میں اگر ہو جائے تو دونوں ملکوں کے لئے باعث رحمت ہے (۶) کشمیر کا مسئلہ اسی طرح دوستانہ کانفرنس بلاکر حل کیا جائے (۷) پاکستان اگر ہندوستان کی دوستی حاصل کرے تو وہ دنیا کی تاریخ بدل سکتا ہے (۸) پاکستان میں اسلام کے نام پر اقلیت کے لئے ایسے شہری حقوق و اختیارات دینے کا اعلان کیا جائے جس سے دنیا کے دوسرے غیر اسلامی ممالک بھی رشک کریں۔
(۹) ہندوستان و پاکستان میں آزادانہ تجارت کا معاہدہ فوری ہونا چاہیئے۔ (۱۰) پرمٹ سسٹم کی بجائے پاسپورٹ کا طریقہ رائج کیا جائے۔.... (۱۱) نکاسی جائیدادوں کے بارے میں ایسا واضح اعلان کردیا جائے جس سے مغربی پنجاب سرحد سندھ کے پناہ گزین اپنی جائیدادوں کے بارے میں مطمئن ہو جائیں۔ (۱۲) ہندوستان

اور پاکستان مل کر ایشیا کی تب ہی رہنمائی کر سکتے ہیں جب دونوں حکومتیں اپنی اندرونی سرحدات کے خطرات سے نجات حاصل کریں (۱۳) پاکستانی اخبارات اور پریس سے آپ اپیل کیجئے۔ بلکہ اپیل کے بعد حکم نافذ کیجئے کہ وہ غیر مسلموں کو تحریر و تقریر، نظم و نثر میں کفر اور کافر کا طعنہ دینے سے پرہیز کریں۔ کیوں کہ کفر اور کافر کا طعنہ اسلام کی تبلیغی شان کے بھی خلاف ہے اور پھر اس کے جواب میں دنیا سے وہ سب سننا پڑتا ہے جس کے سننے کے لئے کوئی بھی مسلمان تیار نہیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ میری معروضات کی طرف ضرور توجہ دیں گے ـــــ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ میرے دردمند دل کی آواز ہے جس کو آپ تک پہونچانا ضروری سمجھا۔ آخر میں میری دعا ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے دوستانہ اتحاد کا یہ آغاز ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے اور دونوں حکومتیں ایشیا میں اپنے وقار کے مطابق پھلیں اور پھولیں۔ والسلام

مخلص :- حبیب الرحمٰن لدھیانوی

رئیس الاحرار کے سیاسی مشورے

" رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے جو سیاسی مشورے نہرو لیاقت معاہدے پر پیش کئے تھے ان میں اکثر مشورے پورے ہوگئے حسب ذیل معاہدہ اور ذیل کے بیانات رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی دوررس فکری رہنمائی وقت کی بھی شہادت ہے مستقبل کے پردۂ راز میں جو حالات تھے ان حالات کی نشان دہی مولانا حبیب الرحمٰن نے اپنی زندگی میں بہت ہی صاف الفاظ میں کردی تھی ـــــ مرتب "

گائے کے متعلق نائب وزیر زراعت کرشن آپا کا بیان

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات صدارت کی روشنی میں

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی مرحوم نے جمعیۃ علماء کانفرنس صوبہ یوپی منعقدہ امروہہ ضلع مراد آباد ۲ر ۳ر نومبر ۱۹۴۷ء کو اور قومی کانفرنس پٹنہ صوبہ بہار منعقدہ ۲۱ر ۲۲ر ۲۳ر اپریل ۱۹۵۰ء کو گائے کے مسئلہ پر بڑی سنجیدگی کے ساتھ وہی بات کہی جو کرشن آپا نے آج پارلیمنٹ میں کہی ہے لیکن اس وقت

اس مسئلہ پر عقل و ہوش کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی اور صرف جذبات کی روشنی میں رئیس الاحرار کے بیان کو نظر انداز کر دیا گیا ہے

آتے آتے آئے گا ان کو خیال   جاتے جاتے بے خیالی جائے گی

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اپنے خطبہ ہائے صدارت امروہہ اور پٹنہ میں فرماتے ہیں

اردو زبان کے بعد دوسرا مسئلہ گائے کا ہے جس کا عام طور پر اس وقت چرچا ہو رہا ہے تقسیم ہند کے بعد گائے کی حفاظت کا معاملہ دوسری طرح سامنے آیا یعنی ہند میں بیکار جانوروں کو کیا کیا جائے۔

میں نے ۲ر نومبر ۱۹۵۳ء کو امروہہ کے جمیعتہ العلماء صوبہ یو پی کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ گائے کے ذبیحہ میں مسلمانوں کو بالکل خاموش ہو جانا چاہیئے چراگاہوں کی قلت اور چمڑے کی ضرورت اس مسئلہ کو حل کرنے پر مجبور کرے گی۔

گزشتہ سال ایک پبلک جلسہ میں میں نے مسلمانوں سے یہ کہا کہ تم صرف دودھ کے لئے گائیں رکھو اور جب وہ دودھ دینا بند کر دے تو اسے ہمسایہ ہندو کے سپرد کر دو اس جلسہ میں کئی ہزار ہندو تھے میں نے پوچھا کہ تجویز منظور ہے تو کسی ایک ہندو کو بھی ہاں کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ان حالات نے ظاہر کر دیا کہ ہندوستان کے قصائی صاحبان ہندوستان کی خدمت کرتے تھے یعنی بیکار اور ناکارہ جانوروں سے ملک کو بچانا، چمڑا مہیا کرنا اور ردی قسم کے گوشت بیچارے مسلمانوں کو دینا کیوں کہ صرف عمدہ قسم کی گائے کا گوشت تو انگریز ہی کھایا کرتا تھا۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ گزشتہ تین برسوں سے قصائی صاحبان کی روزی کو کافی نقصان پہنچا ہے مگر ان حضرات کو یہ تکلیف برداشت کرنی چاہیئے۔ اب مسلمانوں کو نہ صرف گائے بلکہ کسی بھی ایسے جانور کو ذبح کرنا چاہیئے جس سے ہندو صاحبان مشتعل ہوں۔

عنقریب وقت آئے گا کہ ہندوستان کی تمام حکومتیں اور خود ہندو عوام قصائی صاحبان کو تلاش کریں گے تاکہ وہ ملک کو بے کار جانوروں سے نجات دلائیں درحقیقت یہ مذہبی مسئلہ نہیں بلکہ اقتصادی اور ملک کا مسئلہ ہے اس کا حل کرنا یہاں کی ہندو اکثریت کا کام ہے ہمارا نہیں۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم کے مذکورہ خطبہ صدارت کے اقتباس کی روشنی میں

شری کرشنپا کا بیان پڑھیں کہ کس طرح حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی کا بیان اکبر الہ آبادی کی زبان میں اس طرح حقیقت کی نشان دہی کر رہا ہے ؎

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات اُن کی
انھیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات اُن کی

نئی دہلی۔ ۲۶ر نومبر۔

کچھ ملکوں میں آدمی گائے کو کھاتا ہے اس کے برعکس ہندستان میں اندیشہ ہے کہ ہر قسم کی دستیاب خوراک کو کھانے کے بعد آدمی کو گائیں کھانے لگیں گی یہ بات لوک سبھا میں نائب وزیر زراعت مسٹر کرشن آپلنے کہی ــــ مسٹر کرشن آپلنے مزید کہا کہ گائے کے ذبیحے کے سوال پر قومی نقطۂ نظر سے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں انھوں نے سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ کا تذکرہ کیا انھوں نے کہا کہ پابندی کا اُلٹا اثر ہوا اور بڑی تعداد میں بیکار اور غیر مفید گائیں جمع ہو گئیں اس لئے اس سلسلہ میں جذبات سے کام لینے کے بجائے سنجیدگی سے کام لینے کی ضرورت ہے اب وقت ہے کہ لوگ غور کریں کہ آیا ذبیحہ گاؤ پر پابندی مفید ثابت ہوگی یا نہیں انھوں نے کہا کہ آدمیوں اور مویشیوں کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے۔ ہندستان میں تیس کروڑ ایکڑ زمین زیرِ کاشت ہے اور سوچنا یہ ہے کہ اس زمین سے انسانوں کے لئے چارہ اُگایا جائے۔ جانوروں اور انسانوں کا انحصار محدود زمین پر ہے اس سلسلہ میں غور و فکر کا یہ انداز سائنٹفک طور پر ہونا چاہیئے۔ کرشن آپلنے ناکارہ جانوروں کو ختم کرنے پر زور دیا اور کہا کہ یہ معیشت پر بوجھ بن گئے ہیں ملک میں صرف اچھے مویشیوں کو باقی رکھا جائے اور ان کی نسل کو بہتر بنایا جائے تاکہ اس سے زیادہ دودھ حاصل ہو سکے۔

اس تقریر کے بعد بل کے محرک جو چارہ کی فراہمی پر زور دے رہے تھے انھوں نے اپنے بل کو واپس لے لیا۔ شری کرشن آپلنے آج جو بات کہی ہے یہ بات ملک کی بھلائی اور ترقی و اقتصادی اور معاشی بہبود کو سامنے رکھتے ہوئے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان نے بلا کم و کاست صاف صاف الفاظ میں کہی تھی ضرورت تھی کہ اسی وقت اس مسئلہ پر عقل و ہوش کے ساتھ غور کیا جاتا۔ جذبات کی رو میں بہہ کر صوبائی حکومتوں نے جو فیصلے کئے وہ خود ان حکومتوں اور مرکزی حکومت کے لئے نہ صرف پریشان کن ہیں بلکہ اقتصادی کرائسس کا

پیش خیمہ بن رہے ہیں آج کی دنیا میں اقتصادی بدحالی معاشی پستی نے کروڑہا انسانوں کو بیکاری کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ہے۔ حکومت کا پورا بجٹ تو کیا پہلا اور دوسرا پانچ سالہ پلان بھی بیکاری اور بیروزگاری کے مسئلہ کو حل نہ کر سکا۔

ہندوستان میں ایک رپورٹ کے مطابق چالیس کروڑ انسانوں کی آبادی کے مقابلہ میں اسی کروڑ ناکارہ جانور ہیں۔ مویشیوں کے علاوہ بندر اور دیگر مقدس جانور جو کھیتوں کو چٹ کر جاتے ہیں جو جذبات کی بنا پر روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔ اگر وزارت زراعت صحیح معنوں میں بیکار جانوروں کی گنتی کرائے تو جانوروں کی تعداد ایک ارب سے کم نہ نکلے گی آج کی مہنگائی کے دور میں اگر اوسطاً ایک جانور کی خوراک ایک ارب روپیہ روز لگائی جائے تو اقتصادیات کے ماہرین کے لئے ناممکن ہوگا کہ وہ کون سے پلان کے ذریعہ یا بجٹ کی کون سی مد کے ذریعہ جانوروں کے لئے ایک ارب روپیہ روزانہ خرچ کر سکیں۔

دودھ کے ذریعہ جو آمدنی ہو سکتی ہے اس میں ایک سے ایک لاکھ تک کا فرق نظر آتا ہے یعنی ایک روپیہ آمد کے مقابلہ میں ایک لاکھ روپیہ خرچ نائب وزیر زراعت کو اس حق گوئی پر جتنی بھی مبارکباد دی جائے وہ کم ہے۔ سپریم کورٹ کے جج صاحبان نے جن بنیادی نکات کو بیان کر کے فیصلہ دیا ہے وہ ہندوستان کی اقتصادی اور معاشی زندگی کے بنیادی فیصلے ہیں لیکن اسکے ساتھ یہ بھی یقین ہے کہ ہندوؤں کے قومی جذبات اس فیصلہ کو قبول نہ کریں گے کیونکہ جذبات کے مقابلہ میں اقتصادی بدحالی کو ہمیشہ نظر انداز کر دیا جاتا ہے مسلمانوں کو اس معاملہ میں ثالث بالخیر بننے کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر اقتصادی بدحالی سے ملک کی تعمیر و ترقی رک جاتی ہے تو اس کا بڑا نقصان بھی اکثریت ہی کو پہنچے گا اس سلسلہ میں مسلمانوں کی لب کشائی گردن زدنی قرار دی جائے گی۔ سیتا مڑھی بہار کے فسادات اس بات کا بین ثبوت ہیں بعنوان تب (منقول از اخبار الجمعیۃ)

ہند کے راستے پچھمی و پوربی پاکستان کے درمیان سیدھی ریل گاڑیاں چلانے کا معاہدہ ہو گیا

مسافروں کے لئے پاسپورٹ ویزا اور کسٹم کے قواعد نرم کر دینے پر بھی سمجھوتہ

وزیر اعظم نے کہا کہ اس معاہدہ میں کوئی ... غیر معمولی بات نہیں ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس قسم کے

معاہدہ پر کیوں اعتراضات کئے جائیں یورپ میں اس قسم کے معاہدے عام ہیں جو لوگ پاکستان کے ایک حصے سے دوسرے حصے کو براہ راست سفر کریں گے یا اسی طرح مشرقی پاکستان سے گذر کر جو ہندوستانی دوسرے ہندوستانی علاقوں میں جائیں گے ان کے پاسپورٹ وغیرہ سب کچھ جیسے ہیں ہوں گی۔ دوران کے سامان کو سربمہر کر دیا جائیگا (اخبار الجمعیۃ ۱۲ر جنوری ۱۹۶۱ء)

——— راولپنڈی ۸ر نومبر ———

ہند کے راستے مغربی اور پوربی پاکستان کے درمیان اور پاکستان کے راستے مغربی بنگال اور آسام کے درمیان سیدھی ریل گاڑیاں چلانے کے طریق کار کے بارے میں آج یہاں ہند اور پاکستان کے درمیان ایک معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔ معاہدہ پر ہند کی طرف سے ہند کے ریلوے بورڈ کے چیرمین سردار کرنیل سنگھ نے اور پاکستان کی طرف سے پاکستان کے ریلوے بورڈ کے چیرمین مسٹر ایس۔ اے سہروردی نے دستخط کئے۔ اس معاہدہ پر عمل درآمد ہونے سے پہلے یہ ضروری ہوگا کہ ہند اور پاکستان دونوں حکومتیں اس کی تصدیق کر دیں یہ انکشاف تب ہوا جب دونوں ممالک کے ڈیلیگیشنوں کے درمیان جو گفت وشنید دوستی کی سپرٹ میں ہوئی۔ ہند کے راستے مغربی اور پوربی پاکستان کے درمیان اور پاکستان کے راستے مغربی بنگال اور آسام کے درمیان تیز فوجی ٹریفک کے لئے سیدھی ریل گاڑیاں چلانے کے لئے اختیار کئے جانے والے طریق کار پر بھی سمجھوتہ ہو گیا ہے۔

اگرچہ مشترکہ اعلان میں طریق کار کی وضاحت نہیں کی گئی۔ تاہم معلوم ہوا ہے کہ مغربی پاکستان سے ریل کی دو بوگیوں کو (جو مسافروں اور مال دونوں کے لئے ہوں گی) ہند میں سے گذر کر پوربی پاکستان جانے دیا جائے گا۔ اس کے عوض پاکستان مغربی بنگال اور آسام کے درمیان اپنے سیدھے سفر کے لئے اسی قسم کی سہولت دے گا۔ ایک ملک کی بوگیاں دوسرے ملک کی ٹرینوں کے ساتھ لگا دی جائیں گی۔

یہ بھی پتہ چلا ہے کہ ریلوے سفر کے ان انتظامات کے تحت مغربی پاکستان سے ہند کے راستے پوربی پاکستان جانے والے اور مغربی بنگال سے پاکستان کے راستے آسام جانے والے مسافروں کے لئے پاسپورٹ ویزا اور کسٹمز وغیرہ کی رسمی کارروائیوں کو سہل بنا دینے پر بھی سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ ایسے مسافروں کا بھاری سامان بگیج وین میں رکھ کر سربمہر کر دیا جائے گا اور محکمہ کسٹمز کے حکام اس مال کی پڑتال نہیں کیا کریں گے۔ مسافروں کیلئے ضروری

ہو گا کہ ان کے پاس پاسپورٹ ہوں۔ مسافروں اور ان کے سامان کی پڑتال سرحدوں پر کسٹمز کی چوکیوں پر ہوا کرے گی۔ اس وقت پچھم میں امرتسر اور لاہور کے درمیان ایک تھرڈ ٹرین اور پورب میں کھلنا اور کلکتہ کے درمیان اور پاربتی پور اور کلکتہ کے درمیان ایک تھرو ٹرین چلتی ہے۔ پاکستانی ڈیلی گیشن نے پوربی پاکستان اور مغربی بنگال سرحد پر بلی سلیچر اور ایک اور مقام پر ریل کی پٹڑیاں بچھانا منظور کر لیا ہے۔ تاکہ اس خطہ میں تھرو ٹرینیں چل سکیں۔ توقع ہے کہ تھرو ڈبے آئندہ اپریل تک چلنے لگیں گے۔

یہ بھی پتہ چلا ہے کہ پاکستان نے کھوکھراپار (سندھ) سے آگرہ تک براستہ اجمیر ایک تھرو بوگی چلانے کے لئے سہولیات دینے کی تجویز پیش کی۔ معلوم ہوا ہے کہ ہندوستانی ڈیلیگیشن نے پاکستان کی اس درخواست پر بعد میں غور کرنا منظور کر لیا۔ ہندوستانی ڈیلیگیشن جو چھ ممبروں پر مشتمل تھا اس معاہدہ پر دستخط ہو جانے کے بعد نئی دلی کے لئے روانہ ہو گیا۔

(روزنامہ ملاپ نئی دلی ۱۹ نومبر ۱۹۶۰ء)

ہند اور پاکستان میں ایک دوسرے کی ترقیاتی سرگرمیوں کی اشاعت کی جائے

دونوں ملکوں کے اخبارات نے مجموعی طور پر دوستانہ جذبات کو فروغ دینے کی بھرپور کوششیں کیں

دونوں ملکوں کے لیڈروں پر ذاتی حملوں سے احتراز کیا جائے

نئی دلی۔ ۲۰ نومبر۔

راولپنڈی میں اطلاعات کی بین المملکتی مشاورتی کمیٹی کے اجلاس کے اختتام پر آج جو کمیونکے جاری کیا گیا وہ چار صفحات پر مشتمل ہے اس میں کہا گیا ہے کہ دونوں ملکوں کے تعلقات کو زیادہ بہتر کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کی ترقیاتی سرگرمیوں کی زیادہ اشاعت کی جائے۔ اس امر کا بھی اعلان کیا گیا ہے کہ مشرقی پاکستان میں کلکتہ کے تین اخبارات پر جو پابندی ہے اس کو ہٹانے پر غور کیا جا رہا ہے۔

ہند اور پاکستان میں اطلاعات کی مشاورتی کمیٹی کے دو روزہ اجلاس نے جو کل راولپنڈی میں ختم ہوا دونوں

ملکوں میں اخبارات، فلموں اور مطبوعات کے رجحانات کا جائزہ لیا اور دونوں ملکوں میں باہمی معاہدوں پر عمل کرنے کی رفتار پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔

اس اجلاس کی کارروائی پر آج نئی دہلی اور راولپنڈی سے ایک ساتھ ایک پریس کمیونک جاری کیا گیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ دونوں ملکوں کے اخبارات نے مجموعی طور پر دوستانہ جذبات کو فروغ دینے کے لئے بہترین کوشش کی ہے لیکن دونوں جگہوں پر چند ایسے بھی اخبارات ہیں جنہوں نے جائنٹ پریس کوڈ اخبارات کے مشترکہ ضابطہ عمل کو ملحوظ نہیں رکھا۔

ترقیاتی سرگرمیاں

کمیٹی نے محسوس کیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ دونوں ملکوں کی ترقیاتی سرگرمیوں کی اطلاعات دیتے ہوئے اور ان پر تعمیری نکتہ چینی کرتے ہوئے اور زیادہ دوستانہ ماحول پیدا کرنے کے لئے مثبت اقدام کئے جائیں!

دونوں ملکوں میں مفاہمت بڑھانے کے لئے کمیٹی نے اس رائے کا اظہار کیا کہ صحافیوں کو ہر دو ممالک کے واقعات کی خبریں دینے کے لئے اور زیادہ سہولتیں دی جائیں اس ضمن میں کمیٹی نے محسوس کیا کہ موجودہ طریقے میں غیر مناسب پابندیاں ہیں۔

دونوں ملکوں کی کامیابیوں کے احساس کو فروغ دینے کے لئے کمیٹی نے یہ سفارش کی ہے کہ ہر دو ممالک میں اخبارات کی تقسیم کے لئے اور زیادہ سہولتیں مہیا کی جائیں۔

تین اخبارات سے پابندی ختم

حکومت پاکستان کے نمائندوں نے کمیٹی کو بتایا کہ ہند کے تین اخباروں کے مشرقی پاکستان میں داخلہ پر پابندی کو ہٹانے پر سرگرمی سے غور کیا جا رہا ہے۔ نشریات کا جائزہ لیتے ہوئے کمیٹی نے چند ایسی مثالوں پر تبادلہ خیال کیا جہاں پیش کردہ..... موضوعات میں اصلاح کی ضرورت تھی!

کمیٹی نے دونوں ملکوں کے نشریاتی اداروں کے نمائندوں کے دوروں کے تبادلوں کی حمایت کی اور اس تجویز سے بھی اتفاق کیا کہ جہاں ممکن ہو وہاں نشریات کے مشترکہ پروگرام پیش کئے جائیں۔

ریڈیو پروگراموں کا تبادلہ

کمیٹی نے مزید سفارش کی کہ دونوں ملکوں کی معاشی سماجی اور ثقافتی ترقی کی ترجمانی کرنے والے ریڈیو پروگراموں، معلوماتی فلموں اور مطبوعات کا تبادلہ کیا جائے!

کمیٹی کے اجلاس کا افتتاح حکومت پاکستان کے وفد کے قائد نے ۲۶ نومبر کو کیا۔ انھوں نے کہا کہ دونوں ملکوں کے موجودہ دوستانہ ماحول میں مزید بہتری کی جا سکتی ہے اس کے لئے جوائنٹ پریس کوڈ پر رضا کارانہ عمل کرنے کے علاوہ دونوں ملکوں نے معاشی و سماجی شعبوں کے کام کی ترقی پر زور دینے کی ضرورت ہے انھوں نے مسائل کے لئے بہتر انداز نظر اور اصولوں کی بنا پر ایک وسیع مفاہمت کی ضرورت پر زور دیا انھوں نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ دونوں ملکوں میں کہیں کہیں جوائنٹ پریس کوڈ کی خلاف ورزی ہو رہی ہے لیکن کمیٹی کو صرف ایسی شدید خلاف ورزیوں پر توجہ دینی چاہیئے جو دونوں ملکوں کے لوگوں میں غصہ اور دشمنی کا جذبہ پیدا کریں۔ انھوں نے کہا کہ قومی لیڈروں پر ذاتی حملے سے احتراز کیا جانا چاہیئے۔

ڈاکٹر کیسکر!

ہند کے وفد کے لیڈر ڈاکٹر بی وی کیسکر نے حکومت پاکستان کے نمائندہ کے دوستی اور خیر سگالی کے جذبات کو دوہرایا اور کہا کہ حال کے کچھ واقعات سے دونوں کی کشیدگی میں خاصی کمی ہوگئی ہے۔ ان واقعات میں صدر پاکستان کی حال ہی کی اپیل، ہند کے وزیر اعظم کا دورہ پاکستان اور معاشی و تجارتی تعلقات میں اور زیادہ تعاون شامل ہیں۔

انھوں نے کہا کہ اب دونوں ملک ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو بہتر طریقے سے سمجھ رہے ہیں اور اخبارات کے علاوہ اطلاعات کے دیگر وسیلوں کے عمل کے بارے میں دونوں حکومتیں ہی اقدام کر سکتی ہیں کیوں کہ یہ ان کے تحت کام کر رہے ہیں ـــــ انھوں نے کہا کہ ان وسیلوں کو لیڈروں پر ذاتی حملوں سے احتراز کرتے ہوئے اچھی مثال قائم کرنی چاہیئے۔ انھوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ اگرچہ صورت حالات میں عام طور پر بہتری ہوئی ہے لیکن ابھی مزید اصلاح کی ضرورت ہے!

(اخبار الجمعیۃ۔ ۲۷ نومبر ۱۹۶۰ء)

گورنر مشرقی پنجاب کی طرف سے ہند پاکستان دوستی پر زور

سات ممبروں پر مشتمل مشرقی پنجاب کا خیر سگالی وفد لاہور میں

مغربی پاکستان کا بھی ایک وفد امرتسر آ رہا ہے

—— لاہور ۱۸ جنوری ——

آج ایک وفد خود گورنر مشرقی پنجاب مسٹر گیڈگل کی قیادت میں لاہور پہنچا جو شام کو یہاں سے واپس ہو گیا۔ وفد میں وزیر اعلیٰ اور مشرقی پنجاب کے دوسرے وزراء شامل تھے۔ کل گورنر مغربی پنجاب ملک امیر محمد خاں کی قیادت میں مغربی پاکستان کا وفد امرتسر جائے گا۔ مسٹر گیڈگل نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا کہ دونوں ملک (ہند اور پاکستان) مل کر بین الاقوامی سیاست میں ایک طاقتور عنصر بن سکتے ہیں

گورنر مغربی پنجاب ملک امیر محمد خاں نے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے توقع ظاہر کی کہ اب جبکہ سرحدی تنازعہ اور نہری پانی سے متعلق مسائل حل ہو گئے ہیں دوسرے تصفیہ طلب معاملات کے لئے بھی راستہ ہموار ہو جائے گا۔

انھوں نے مزید کہا کہ ہمارے اختلافات موثر طریقہ پر پر امن فضا میں بات چیت کے ذریعہ ہی حل ہو سکتے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایکدوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھیں اور خیر سگالی اور دوستی کا جو جذبہ پیدا ہو گیا ہے اسے ضائع نہ ہونے دیں۔ وزیر اعلیٰ مشرقی پنجاب سردار پرتاپ سنگھ کیروں نے کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ دونوں ملکوں میں دوستانہ تعلقات مستحکم ہوں اور دونوں آئندہ نسلوں کی خوشحالی کیلئے کام کریں آپنے توقع ظاہر کی کہ اگر دونوں ملکوں میں کوئی سرحدی تنازعہ پیدا ہوا یا دریا کا رخ بدلنے یا سیلاب کی وجہ سے کوئی جھگڑا کھڑا ہوا تو اسے دوستانہ طور پر بات چیت کے ذریعہ طے ہو جائیگا۔ مشرقی پنجاب کے وزیر صنعت و حرفت مسٹر موہن لال نے تجویز کیا کہ دونوں ملکوں کو مل کر صنعت و حرفت کے میدان میں ترقی کرنی چاہیئے اور کارخانہ داروں کو ایک دوسرے ملک کا دورہ کرنا چاہیئے۔

آپ نے مشرقی پنجاب کی بنی کچھ مصنوعات بھی گورنر مغربی پنجاب کو پیش کیں!

(روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی - ۲۱ر جنوری ۱۹۶۱ء)

واگہہ سے امرتسر تک اٹھارہ میل کے راستہ پر ہند پاک دوستی پائندہ باد کے نعرے

اگر ہم تدبر سے کام لیں تو تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں

گورنر مغربی پنجاب ملک امیر محمد خاں کی ایک جلسہ میں تقریر

ہند پاک کے مسائل یکساں ہیں (وزیر اعلیٰ پنجاب)

—امرتسر ۱۹ر جنوری—

سرحد پر ہندوستان پولیس نے گورنر ملک امیر محمد خاں کو سلامی دی اور اس کے بعد وفد کے ممبران موٹر کاروں میں امرتسر کے سرکٹ ہاؤس کے لئے روانہ ہو گئے جہاں گورنر مشرقی پنجاب مسٹر گیڈگل نے ان کا خیر مقدم کیا۔

واضح ہو کہ نہر دونوں معاہدہ کے نفاذ کے بعد سرحدی علاقوں کا جو تبادلہ عمل میں آیا۔ اس کے بعد دونوں طرف کے خیر سگالی وفد نے ایک دوسرے کے علاقوں کا دورہ کیا ہے۔

پاکستانی وفد کے ممبر آج دربار صاحب گئے جہاں انھیں سروپا بھینٹ کیا گیا۔ بعد ازاں وہ جلیانوالہ باغ گئے اور شہیدوں کی یادگار دیکھی جو وہاں تعمیر کی جا رہی ہے۔ جس وقت پاکستانی وفد امرتسر پہنچا تو اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ سرحد سے شہر تک اٹھارہ میل لمبے راستے پر ہر جگہ لوگوں کی بھیڑ نظر آتی تھی اور جگہ جگہ استقبالی دروازے بنائے گئے تھے۔ عوام نے ہند پاک دوستی زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائے۔ اسکولوں اور کالجوں کے بچے بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ بعد میں رام باغ میں وفد کے اعزاز میں جلسہ عام ہوا جس میں تقریر کرتے ہوئے گورنر مغربی پاکستان ملک امیر محمد خاں نے یقین

ملایا کہ مغربی پاکستان میں ہندوؤں اور سکھوں کے مذہبی مقامات کی حفاظت کی جائے گی اور ان کا احترام باقی رکھا جائے گا۔ اس یقین دہانی کا تالیوں سے خیر مقدم کیا گیا۔

گورنر موصوف نے اس بات پر زور دیا کہ سرحد سے متعلق سمجھوتہ کے نتیجے میں جو دوستانہ فضا پیدا ہوئی ہے اسے قائم رکھا جائے۔ اس دوستانہ فضا میں دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کا ایک نیا دور شروع ہو گیا ہے۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر ہم تدبر سے کام لیں تو ہم اپنے تمام تصفیہ طلب امور کو حل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی دوستی کو مضبوط کریں اور ایک دوسرے کو دشمن نہ سمجھیں بلکہ خوش حالی کی طرف قدم سے قدم ملا کر چلیں۔

آپ نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ باری باری ایک دوسرے ملک کے کھلاڑی ایک دوسرے ملک میں جائیں ـــــ

گورنر مشرقی پنجاب نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور دونوں ملکوں کی دوستی پر زور دیا۔

وزیر اعلیٰ پنجاب سردار پرتاپ سنگھ کیروں نے کہا کہ ہمارے مسائل یکساں ہیں جنہیں ہمیں مل کر حل کرنا چاہیئے۔

میونسپلٹی کے صدر نے جلسہ میں تقریر کرکے دونوں ملکوں کے درمیان تجارت کی اور آسانیاں مہیا کئے جانے پر زور دیا۔

وفد کے تمام ممبران شام کو امرتسر سے واپس لاہور پہنچ گئے۔

روزنامہ الجمعیۃ ۲۱ جنوری ۱۹۶۱ء